○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

جمعیۃ المسلمین مالیگاؤں کے زیر اہتمام اولین نصاب

تخصص

فی الدلائل الشرعیه من مسائل الفقه الحنفیه

فقہ حنفی کے چند مسائل کے شرعی دلائل میں

تخصص

تعلیم بالمراسلہ

گلی نمبر ۱، سروے نمبر ۱۵۶، مولوی محمد عثمان پورہ، مالیگاؤں-423203 (ضلع ناسک) مہاراشٹر، الہند

تفصیلات طباعت

نام کتاب : فقہ حنفی کے چند مسائل کے شرعی دلائل میں تخصص

تالیف : مولوی ہلال احمد مولوی محمد عثمان

صفحات : ۲۵۵

طابع : مفتی عبداللہ ہلال احمد قاسمی، مظاہری

ناشر : مولانا انوار احمد افضال احمد ندوی مظاہری
ناظم جمعیۃ المسلمین مالیگاؤں

اشاعت اول : ۱۴۳۱ھ

طباعت : کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند Ph:(o)223294,(R)224556

..........﴿رابطہ کے لئے﴾..........

مولوی ہلال احمد مولوی محمد عثمان موبائل نمبر 09423477065

دفتر جمعیۃ المسلمین مالیگاؤں

گلی نمبر ۱، سروے نمبر ۱۵۶، مولوی محمد عثمان پورہ، مالیگاؤں-423203 (ضلع ناسک) مہاراشٹر، الہند

تخصص فی الدلائل الشرعیه من مسائل الفقه الحنفیه

فقہ حنفی کے چند مسائل کے شرعی دلائل میں تخصص

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض مؤلف	۶
۲	تائیدات نصاب	۱۱
	حصہ اوّل	
۳	شرعی دلائل	۱۶
۴	تعریفات	۲۲
۵	فقہی اصطلاحات	۲۴
	مسائل نماز	
۶	نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟	۲۶
۷	مسئلہ قرأت خلف الامام	۴۷
۸	مسئلہ آمین	۷۳
۹	کیا مقتدی امام کی قرأت کا جواب دے سکتا ہے؟	۹۰
	حصہ دوّم	
۱۰	رفع یدین کا مسئلہ	۹۳
	سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے کی کیفیت	۱۱۸
	سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا زمین پر ٹیکنا منع ہے	۱۲۰
	مسئلہ جلسۂ استراحت	۱۲۳
	نماز میں قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ	۱۲۷

۱۵	مسئلہ تورک	۱۲۷
۱۶	مسئلہ اشارہ بالسبابہ	۱۲۹
۱۷	نماز وتر	۱۳۴
۱۸	نماز تراویح	۱۴۱
	حصہ سوم	
۱۹	نماز فجر کا افضل وقت	۱۵۷
۲۰	جب تک جماعت ملنے کا امکان ہو فجر کی سنت نہیں چھوڑنا چاہیے	۱۶۴
۲۱	جن روایات میں فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنے کی کراہیت آئی ہے انکا کیا مطلب ہے؟	۱۶۷
۲۲	عورتوں کی نماز کے بارے میں غیر مقلدین کی فکرمندی کی حقیقت	۲۱۱
۲۳	فی زمانہ مساجد میں عورتوں کی نماز کی حقیقت	۲۱۲
۲۴	قضاء نمازوں کا بیان	۲۱۴
	مسائل متفرقہ	
۲۵	قربانی کے ایام	۲۲۰
۲۶	ایک بکرا یا ایک بکری پورے گھر کیطرف سے کافی نہیں	۲۲۵
۲۷	ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم	۲۲۹
۲۸	وسیلہ کی حقیقت	۲۳۸
۲۹	ایصال ثواب	۲۴۱
	حصہ چہارم (عملی کام)	
۳۰	عوام میں اشتہار کیلئے	
۳۱	احناف کے پمفلٹس	
۳۲	عقائد	
۳۳	واقعات	

۳۴	احناف کی کچھ کتابوں کی فہرست	
۳۵	ردغیر مقلدیت میں کام کرنے والے کچھ علماء	
۳۶	غیر مقلدین کی کتابوں کے جائزے	
۳۷	غیر مقلدین کے پمفلٹس کے جائزے	
۳۸	غیر مقلدین کے سوالات کے جوابات	
۳۹	غیر مقلدین سے سوالات	
۴۰	غیر مقلدین میں عملی کام کے عکس	
۴۱	غیر مقلدین سے تحریری مناظرات کے عکس	
۴۲	غیر مقلدین سے مناظرات کی رودادات	
۴۳	غیر مقلدین کے کام کے ذریعے	
۴۴	غیر مقلدین کے کام کے طریقے	
۴۵	مراجعات	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

نحمدہ ونصلی علیٰ رسو له الکریم   اما بعد!

یا ایها الذین امنوا اطیعو ا الله و اطیعو الر سول و اولی ا لا مر منکم

ترجمہ: اے ایمان والواطاعت کرواللہ کی اوراطاعت کرورسول کی اورتم میں سے جواولوالامر ہیں انکی۔ (سورۂ نساء آیت نمبر)

قرون اولیٰ ہی سے مسلمانوں کا وطیرہ رہا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے آئے ہیں اور اجتہادی مسائل میں صحابۂ کرام کی تقلید کرتے رہے۔ جب نئے علاقوں کی فتوحات ہوئیں، نئے نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور اجتہادات کی ضرورت شدید ہوتی گئی، زمانہ کے تقاضہ کے مطابق مجتھدین کی کثرت ہوئی اور مختلف مکاتبِ فکر بنتے گئے۔ مسالک احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ با قاعدہ مُدوَّن ہوئے اور اِنہیں مسالکِ اربعہ کی پیروی کرنیوالوں کی کثرت ہوئی۔ آہستہ آہستہ چوتھی صدی ہجری تک صرف یہی چار مسالک پر عملاً امت کا اجماع ہوگیا اور دیگر مسالک ختم ہوگئے۔ اگرچہ کبھی کبھی کچھ افراد ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے ان میں اختلاف کیا لیکن اجماع کے بعد اختلاف کرنیوالوں کا اختلاف اجماع پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ تقریباً ہزار سال تک معاملہ یونہی رہا، سوا سو سال سے کچھ علاقوں میں ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ فرقہ سازی کیلئے فرقہ بندی کا ماتم کیا جارہا ہے۔ اگر براہِ راست نئے فرقہ کا اعلان کردیا جائے تو واضح طور پر اجماع امت کا خلاف ظاہر ہوجائیگا۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی توضیحات، اجتہادات، فقہاء کی عرق ریزیاں اور مسالکِ اربعہ کی تحقیقات سے انکار کی کوشش جاری ہے۔ بنیاد "تقلید" کو بنایا گیا اور اسکے خلاف یہ پروپیگنڈ کیا گیا کہ یہ شرک ہے، بدعت ہے، جہالت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور مسالکِ اربعہ جس پر اجماعِ امت ہے، ان کی حقانیت کا انکار کر دیا گیا۔ غیر مقلدین کے مسلک کی بنیاد انکارِ تقلید ہے۔ جب کہ تقلید کے بغیر اسلام کے ارکان تک پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اذان، طہارت، وضو یہاں تک کہ نماز کی ایک رکعت بھی بغیر تقلید کے ممکن ہی نہیں ہے۔ روزہ، زکوٰۃ، حج کے بہت سے مسائل تقلید کے بغیر ممکن نہیں۔ منکرین تقلید ان مسائل میں خود تقلید کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں غیر مقلدیت کا۔ یعنی انکے فرقہ کی بنیاد جھوٹ یا دھوکہ پر مبنی ہے۔ غیر مقلدین کے بہت سے امور اہل سنت والجماعت سے جدا ہیں۔ بیس رکعات تراویح، جمعہ کی دوسری اذان، ایک مجلس کی تین طلاقیں جن پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے، ان غیر مقلدین کے نزدیک بدعات ہیں۔ انکے عقائد الگ، ان کے نزدیک کثرت عبادت بدعت ہے، غرض اسلام کے بیشتر بنیادی مسائل اہلسنت والجماعت سے جدا ہیں۔

غیر مقلدیت گمراہی کی ڈھلان ہے:۔ دراصل غیر مقلدیت کی بنیاد خواہشات کی اتباع ہے اور اسی وجہ سے اجماع امت کے خلاف اس نوزائیدہ فرقہ میں زبردست اختلاف اور انتشار ہے۔ یہ چھوٹا سا فرقہ جو تمام فرقوں کو ختم کرنیکا

دعوٰی کرتا ہے کثیر ذیلی فرقوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اہل حدیث، غرباء، ثنائیہ، محمدی، سلفی، اثریہ، اہلِ قرآن، جماعت المسلمین وغیرہ وغیرہ۔ اور اتنے فرقے کیوں نہ ہوں؟ جب کہ ان میں کا ہر شخص خود ایک امام ہے۔ دین کے مسائل کو اپنی عقل و سمجھ پر پرکھنے کا مدعی ہے اور ایسی صلاحیت کا دعوٰی کرتا ہے کہ جس مسئلہ کو اختیار کرے وہی قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ مسائل اور تحقیقات کو جانچنے اور انہیں صحیح اور غلط سمجھنے میں مہارت کا مدعی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ غیر مقلدیت گمراہی کی ایک ڈھلان ہے۔ کوئی فرقہ ڈھلان کے اوپری سرے پر ہے، اُسے مسائل کی باریکیوں، تحقیقات کے تدوُّن سے انکار ہے اسے فقہ کو نہیں مانتا ہے، اسلئے اپنے آپ کو اہلحدیث کہتا ہے۔ یعنی وہ منکرِ فقہ ہے۔ چونکہ اسے فقہ کا انکار کرنا ہے اسلئے ایک مفروضہ پیش کرتا ہے کہ فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اسلئے اس کا انکار کرنا چاہیئے۔ اسی گمراہی کی ڈھلان پر ایک اور فرقہ مزید نیچے ہے۔ اسے احادیث وسننِ رسول اللہ ﷺ اور تفاسیرِ قرآن کی پابندی پسند نہیں اور ان کا انکار کرنا ہے تو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتا ہے، دراصل یہ فرقہ منکرِ حدیث ہے۔ اور مفروضہ یہ بیان کرتا ہے کہ احادیث و تفاسیر چونکہ قرآن کے خلاف ہیں اسلئے ان کا انکار کرنا چاہیئے۔ ایک گروہ گمراہی کی اس ڈھلان کی اتھاہ گہرائیوں میں ہے۔ اسے اسلام کو نہیں ماننا ہے اسلئے اس میں تاویلات کرلیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جنت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا اچھا مستقبل ہے، اور جہنم کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا خراب مستقبل ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے عقائد جدا جدا ہیں، عبادات کے احکام میں فرق ہے، اسکے بعد بھی یہ تمام فرقے ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک قدرِ مشترک موجود ہے اور وہ ہے ”غیر مقلدیت“۔ یہ تمام فرقے اہلسنت والجماعت کی مخالفت میں اکٹھا ہیں۔ اسکے ثبوت میں بیشتر مثالیں موجود ہیں۔ صرف تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(ا) ”حق گو“ کے نام سے کسی شخص نے انکارِ حدیث میں ایک رسالہ شائع کیا جس کا عنوان تھا ”میں منکر حدیث کیوں ہوا“۔ احادیث کے حجت نہ ہونے کے دلائل میں بڑی واہی تباہی باتیں اس رسالے میں لکھا۔ محدثِ کبیر و جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے اسکے رد میں ایک رسالہ ”نصرۃ الحدیث“ کے نام سے شائع کیا۔ جس میں قرآنِ کریم کی آیات اور دیگر دلائل سے احادیث کا حجت ہونا ثابت کیا۔ یہ رسالہ ۱۹۳۴ء میں لکھا گیا۔ مولانا موصوف نے اخیر میں ایک شکایت تحریر کی جسے مِنْ وعَنْ پیش کرتا ہوں۔

”ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر سے ایک شکایت

”حق گو“ صاحب سے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا، اب سب سے آخر میں مجھے مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث سے ایک شکایت کرنا ہے، مجھ کو نہایت تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ منکرینِ حدیث کا یہ رسالہ ثنائی برقی پریس میں طبع ہوا ہے، اور میں نہیں سمجھ سکا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے باایں ہمہ ادعائے عشقِ حدیث، دشمنانِ حدیث کے اس الحاد پرور

رسالہ کو جس میں حدیث اور محدثین کی تنقیص وتکذیب اور توہین وتحقیر کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا ہے، کیوں اپنے پریس میں طبع کرایا، اوران کی مذہبی حمیت وغیرت نے اس کو کس طرح گوارہ کرلیا، کیا مولوی صاحب مجھے بتائیں گے کہ یہ تعاون ”علی الاثم والعدوان“ میں داخل ہے یانہیں؟ اور کیا حدیث میں دشمنوں کے ہاتھ اسلحہ بیچنے کی ممانعت آئی ہے یانہیں؟ اگر آئی ہے تو اس میں کیا راز ہے؟ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس رسالہ کو چھاپ کر آپ خاموش ہو گئے جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے آپ نے مستقل جواب تو درکنار اپنے اخبار میں بھی شاید اس کی خبر نہیں لی،

مولوی صاحب! گستاخی معاف! ”اہلحدیث“ کہلانے کیلئے تو آپ ہیں، اور حدیثوں سے مدافعت کرنے کیلئے حنفی؟

فا ذا تکون کریھة ادعی لها　　　　واذا یحاس الحیس یدعی جندب

(”مطلب یہ کہ“) جب کوئی سختی پیش آتی ہے، تو اس کیلئے میں بلایا جاتا ہوں ☆ اور جب حلوا پکتا ہے، تو جندب (ایک شخص کا نام ہے) کو بلایا جاتا ہے“۔

(۲) شہر مالیگاؤں کا ایک شخص جو فرقۂ اہل حدیث سے متاثر تھا اس نے دعویٰ کیا کہ ”ایام قربانی چار دن ہیں“ ہمارے ایک ساتھی نے تین دن کا دعویٰ کیا۔ دونوں میں تحریری مناظرہ ہوا۔ چار دن کی قربانی کا مدعی، ایک شخص کو اپنا وکیل بنا کر اس سے اپنا جواب لکھواتا رہا۔ اس شخص کے وکیل نے یہ تحریر کیا کہ قربانی اکیس دن یا پورا مہینہ ہے۔ دراصل جو شخص جواب لکھوا رہا تھا اس کا وکیل غیر مقلد تھا اور منکرِ حدیث تھا۔ لکھوانے والے کو یہ شعور بھی نہ تھا کہ یہ منکرِ حدیث ہے، اہل حدیث نہیں۔ یہ تحریری مناظرہ ہمارے پاس محفوظ ہے، جو ۲۰۰۳ء میں ہوا تھا۔

(۳) شہر مالیگاؤں میں غیر مقلدین کا ایک گروہ موجود ہے جو اپنے آپ کو ”اہلِ قرآن“ ظاہر کرتا ہے۔ اسکے مختلف افراد ”درسِ قرآن“ کے نام پر پروگرام کرتے رہتے ہیں، اور غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کے نام پر غیر مسلموں سے گہرے مراسم رکھتے ہیں۔ اور یہی نہیں مندروں سے سادھوؤں کو اپنے پروگراموں میں بلاتے ہیں اور خود بھی انکے پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد کا موقف ہے کہ تمام مذہبی کتابیں صحیح ہیں، چاہے وہ گیتا ہو یا وید، توریت ہو یا انجیل۔ خود بھی گیتا کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں اور جب کوئی اعتراض کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کتاب سے ہدایت مل جائے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل میں یہ طرز ہو بہو ”بہائی مذہب“ والوں کا ہے۔ بہائیوں کی دو قسمیں ہیں دونوں اس گروہ میں موجود ہیں۔ ان کا ہیڈ کوارٹر اسرائیل میں ہے اور ہندوستان میں ان کا مرکز ”لوٹس ٹیمپل“ دہلی میں ہے۔ یہ لوگ ”بہائی“ ہیں مسلمان نہیں ہیں، لیکن غیر مقلدیت کے راستے مسلمانوں میں گھسے ہوئے ہیں۔ دوسرے غیر مقلدین مختلف طریقوں سے ان کی حمایت وتعاون کرتے رہتے ہیں۔

غیر مقلدین کے اپنے فرقہ کی توسیع کا ڈھنگ اسلام مخالفین مستشرقین اور روافض جیسا ہے، یعنی سوالات اور گفتگو کے ذریعہ تشکیک وشبہات پیدا کرنا۔ یہ علمی فتنہ ہے۔ ہمارے اسلاف نے ان کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ ان جوابات کی بنیاد پر

اور زمانہ کی حکمتوں اور تقاضوں کے مطابق ان کا سدِ باب ضروری ہے۔ اسلئے کافی عرصہ سے ارادہ تھا کہ ایک نصاب تیار کیا جائے جس کے ذریعہ "افراد سازی" ہو۔ اور ہر علاقہ میں افرادان سے دفاع کیلئے خود کفیل ہو جائیں۔ ماشاء اللہ نصاب تیار ہو چکا ہے۔ اور اللہ رب **العزت نے اس ناچیز** بندہ کو ذریعہ بنا دیا۔ یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے معتبر اساتذہ سے باقاعدہ **علمِ دین حاصل کیا ہے۔** معتبر علم وہی ہے جو سبقاً سبقاً استاذ سے پڑھ کر حاصل ہو۔ صحیح بخاری ج۱ ص۱۶ میں **تعلیقاً روایت ہے "انما العلم با لتعلم"** طبرانی نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اس میں **الفقه با لتفقه** کے الفاظ بھی **ہیں۔ یعنی علم نبوت وہ ہے جو سبقاً سبقاً** (عالمِ صالح) استاذ سے پڑھ کر حاصل ہو۔ والمعنیٰ ليس العلم المعتبر الا **الماخوذ من الا نبياء** او ورثتهم علىٰ سبيل التعلم (فتح الباری ج۱ ص۱۹۴)۔

علمِ دین میں میرے اساتذۂ کرام تین ہیں، جن کا مختصر تعارف درجِ ذیل ہے۔

(۱) مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ سے میری نسبت دوہری ہے۔ وہ نہ **صرف** میرے والد ہیں بلکہ میرے استاذ بھی ہیں۔ اور استاذ بھی ایسے کہ مجھے "قاعدۂ بغدادی سے بخاری شریف کی کتاب **الوضوء تک**" بنفسِ نفیس پڑھایا۔ مالیگاؤں اور مضافات کے علاقوں میں دار العلوم دیوبند کے اولین فاضلوں میں سے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری اور ترمذی کی تعلیم حاصل کی، اور انہیں سے بیعت بھی تھے۔ حافظِ قرآن بھی تھے۔ بتیس (۳۲) سال سے زائد عرصہ تک محلے کی مسجد میں تراویح پڑھائی اور وہیں امام بھی تھے۔ با اصول، وقت اور معمولات کے انتہائی پابند تھے۔ متقی اور پرہیز گار تھے۔ علاقہ کی مشہور درسگاہ معہدِ ملت کے اولین اساتذہ میں سے تھے۔ صوبہ بمبئی (ریاستِ مہاراشٹر، گجرات اور آندھرا پردیش کے کچھ علاقوں کا مجموعہ) کے جمعیۃ العلماء کے صدر رہ چکے ہیں۔ لڑکیوں کی اولین اور مشہور بین الاقوامی درس گاہ جامعۃ الصالحات مالیگاؤں کے بانی اور روحِ رواں تھے۔ اپنی تمام مصروفیات اور معمولات کے بعد بھی مجھے اور میرے ساتھیوں کو روزانہ پڑھانے کا معمول تھا۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ مطابق یکم فروری ۱۹۸۴ء کو انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر عطاء فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور اپنے قرب میں جگہ عطاء فرمائے۔ آمین۔

(۲) مولانا عبد الستار صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضرت مولانا عبد الستار صاحب اعظمیؒ نے مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی۔ مالیگاؤں کی قدیم درس گاہ جامعہ بیت العلوم کے شیخ الحدیث تھے۔ کچھ عرصہ ممبئی کے مدرسۂ امدادیہ میں بھی رہے۔ ملک کی مشہور درسگاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک دہائی سے زائد عرصہ شیخ الحدیث رہے۔ ریاستِ مہاراشٹر کی **جمعیۃ العلماء** کے شعبۂ شرعیہ کے امیر تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔ علمِ حدیث میں زبردست **مہارت حاصل تھی۔** ساٹھ سال تک بخاری شریف پڑھانے کے بعد اپنی ضعیفی اور پیرانہ سالی کے باوجود مجھے اور میرے ساتھیوں کو **صحیح بخاری اور ترمذی شریف** تفصیل سے پڑھائی۔ ۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۹۴ء کو انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ

انہیں جزاءِ جزیل عطاء فرمائے، اپنی خاص عنایتوں سے نوازے اور اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

(۳) مولانا عبدالاحد صاحب ازہری دامت برکاتہم:۔ حضرت مولانا عبدالاحد صاحب ازہری دامت برکاتہم معہدِ ملت کے اولین فارغین میں سے ہیں۔ وہاں سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد جامعۂ ازہر مصر سے تعلیم حاصل کی۔ امارتِ شرعیہ بہار سے قضاۃ کا علم حاصل کیا۔ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ سے بیعت ہوئے۔ معہد ملت مالیگاؤں کے شیخ الحدیث، صدر مدرس اور ناظم جیسے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں۔ دارالقضاء مالیگاؤں کے قاضی شریعت ہیں۔ کل ہند فقہ اکیڈمی کے نائب صدر ہیں۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مجھے اور میرے ساتھیوں کو حدیث کی تعلیم دی۔ ماشاء اللہ ابھی بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر خیر و عافیت کے ساتھ ہم پر قائم رکھے۔ ان کے ذریعہ ہمیں خوب علمِ نافع عطاء فرمائے اور دارین میں انہیں اپنی عنایت و رحمت سے نوازے۔ آمین۔

اس نصاب کی تحقیق و ترتیب میں مولوی مجاہد الاسلام محمد حسن مظاہری (فارغ مدرسہ اسلامیہ مالیگاؤں و فاضل مظاہر علوم سہانپور) اور مولوی عبدالماجد محمد حنیف رشیدی (فارغ مدرسہ اسلامیہ مالیگاؤں و فاضل اشرف العلوم رشیدی گنگوہ) نے نیز میرے اہل خانہ نے مسلسل ساتھ دیا۔ ملک کے مشاہیر علماءِ کرام نے اس نصاب کی تائید کر کے اس کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد فرمائی، ان میں سے بعض کی تائیدات اسی ایڈیشن میں رقم ہیں اور بعض کی تائیدات انشاء اللہ آئندہ رقم ہونگی۔ ہم سبھوں کے مشکور و ممنون ہیں۔ ردِ غیر مقلدیت کی تحریک میں مولوی محمد عمر حاجی ظہیر الدین صاحب عرف عمر ملّا صدر جمعیۃ المسلمین (ان کا انتقال ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے آخرت کی تمام منازل آسان فرما کر اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین)، حافظ اقبال احمد صاحب ملّی، جمعیۃ المسلمین مالیگاؤں کے قدیم اور جدید اراکین، میرے اکثر عزیز و اقارب، احباب و متعلقین، میرے اسٹاف کے افراد، مالیگاؤں، اورنگ آباد اور ممبئی کے علماءِ کرام اور کثیر تعداد میں متعلقین نے تعاون کیا یا حوصلہ افزائی کا باعث بنے۔ بعض لوگوں کا تذکرہ نہ آسکا۔ بہر حال جن لوگوں نے جس طرح سے بھی میرا تعاون کیا اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطاء فرمائے، انہیں قبول فرمائے اور اپنی عنایتوں اور رحمتوں سے نوازے۔ نیز جو حضرات اس نصاب کا مطالعہ کریں اور جدوجہد کریں اللہ تعالیٰ انہیں بھی قبول فرمائے آمین۔

احقر

ہلال احمد مولوی محمد عثمان مالیگاؤں

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸ فروری ۲۰۱۰ء

تائیداتِ نصابِ ہٰذا

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم

مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء و المرسلین وعلیٰ الہ و صحبہ اجمعین. وبعد!

غیر مقلدین کا فتنہ یقیناً امت میں انتشار کا باعث ہے۔ جمعیۃ المسلمین مالیگاؤں کی طرف سے اس فتنہ کو دور کرنے کے لئے دفاع کی جو کوشش جاری ہے یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ جمعیۃ نے جو مراسلاتی کورس تخصص فی الدلائل الشرعیہ من مسائل الفقہ الحنفیہ کے نام سے تیار کیا ہے۔ بہت کارآمد اور مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ان کی سرکوبی کا ذریعہ بنائے۔ اور ان کی ریشہ دوائیوں کو ختم کرنے کا باعث بنائے آپ حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین۔

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۲۸/۶/۱۴۳۰ھ

حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب دامت برکاتہم
ناظم مظاہر علوم سہارنپور (وقف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیک ارادہ کے لئے میری جانب سے نیک خواہشات قبول فرمائیں۔ اعتدال اس امت امیہ کا وصف ممتاز ہے ہمہ وقت ملحوظ رہنا ضروری ہے۔

محمد سعیدی
ناظم مظاہر علوم (وقف)
سہارنپور

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم
ناظم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترم المقام زید کرمکم ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

والا نامہ ملا، احوال معلوم ہوئے، آپ نے اہلِ حق کے دفاع کے لئے جس اقدام کا ارادہ کیا ہے وہ بہت مبارک ہے، اور امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے امت کو بہت نفع ہوگا۔ اور ''لامذہب'' گروپ کی طرف سے چلائی جارہی جارحانہ مہم کو روکنے میں آپ کا یہ اقدام موثر ثابت ہوگا، اور جو لوگ دوردراز علاقوں میں رہنے کی وجہ سے بروقت معلومات حاصل نہیں کرپاتے ان تک صحیح معلومات کا پہنچانا آسان ہوگا۔ بہرحال احقر آپ کے منصوبہ کی بڑی قدر کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے سبھی ہم فکر ساتھیوں کو جزاءِ خیر دیں، اور کامیابی سے نوازیں۔ آمین۔

احقر بھی دعاؤں کا خواستگار ہے۔

فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری

۲۹/۶/۱۴۳۰ھ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترم ومکرم جناب مولانا ہلال احمد صاحب زید مجدہم

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، واقعہ یہ ہے کہ غیر مقلدیت کا فتنہ دورِ حاضر کے بڑے فتنوں میں سے ہے اور اپنے دائرۂ اثر وضرر کی وسعت کے اعتبار سے بے انتہاء خطرناک ہے، اس فتنہ سے نبرد آزما ہونے کیلئے آپ کے ادارہ جمعیة المسلمین مالیگاؤں نے جس کورس کو ترتیب دے کر شائع کرنے کا ارادہ فرمایا جس کا مختصر خاکہ آپ کے اسی گرامی نامہ میں پیش کر دیا گیا ہے، اس کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مدارسِ عربیہ سے فارغ التحصیل فضلاء تو حقیقی معنیٰ میں دین اور علمِ دین کی ترویج واشاعت کی خدمات نہایت خاموشی کیساتھ سنجیدہ اور پروقار انداز میں کر رہے ہیں، خصوصاً مکاتب جو بچوں کی ایمانی واسلامی تعلیم وتربیت کے معاملہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اس میں تو ہمارے فضلاء کی کارگذاری ایسی ظاہر وباہر ہے کہ دیگر مخالف فرقوں کے لوگ بھی اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ہمارے مکاتب ہی کو ترجیح دیتے ہیں، چونکہ ہمارے مدارسِ عربیہ میں تیار ہونے والے فضلاء کی تربیت کیلئے تعمیری انداز اختیار کیا گیا ہے اور پورے نصابِ تعلیم میں دیگر فرقوں کو مدِ نظر رکھ کر کوئی تربیت نہیں دی جاتی اور مخالف فرقوں کے یہاں جو ادارے فضلاء تیار کرتے ہیں، ان کو ایمان واسلام اور احکام شرعیہ کی ترویج واشاعت کے تعمیری طریقہ پر رہ کر علمی خدمات انجام دینے کے بجائے محض تخریبی طور وطریق سکھلا کر تیار کیا جاتا ہے، ایسے لوگ جب عوام میں آتے ہیں تو اختلافی مسائل ہی کو چھیڑ کر انتشار واشتعال پیدا کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس دین کی بنیادی تعلیمات سے نئی نسل کو آراستہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہے، انکے اس طرزِ عمل سے عوام کے قلوب میں اہلِ حق کے متعلق جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو دور کر

نے کیلئے جس تربیت کی ضرورت تھی اس کے نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے فضلاء مقابلہ کے میدان میں ایک نوع کی کمزوری محسوس کرتے ہیں اگرچہ اہلِ حق کی جماعت میں جنہوں نے اس موضوع پر محنت کی ہے ان کا تو نام سن کر یہ لوگ راہِ فرار اختیار کرتے ہیں، ضرورت تھی کہ اس نوع کے ماہرین کے ذریعہ ایک عمومی نصاب جو تمام ائمہ مُساجد تک پہنچایا جا سکے، تیار کیا جاتا تا کہ غیر مقلدین کی فتنہ انگیزی کے موقعہ پر وہ حضرات اس نصاب سے فائدہ اٹھا کر ان کی طرف سے پیدا کئے گئے شکوک وشبہات کا قلع قمع کر کے عوام کے دل ودماغ کو مطمئن کر سکیں، یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ کے ادارہ نے اس خدمت کو انجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بحسن وخوبی اس کی انجام دہی کی توفیق عطاء فرمائے اور ایک عرض یہ بھی ہے کہ یہ نصاب صرف کتابی شکل میں نہیں بلکہ سی ڈی (C.D) اور کیسٹ کی شکل میں بھی تیار کیا جائے، دور حاضر میں لوگوں کو ایسی ضروری چیزیں پڑھنے کا بھی وقت میسر نہیں، ان کے حق میں یہ سلسلہ انشاء اللہ مفید وموثر ہوگا کہ عموماً لوگ اپنی خانگی سواریوں میں دورانِ سفر یا اپنے فارغ اوقات میں اس قسم کی سی ڈیوں کو سن لیتے ہیں۔ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں نمایاں اور مکمل کامیابی نصیب فرمائے۔

فقط والسلام

املاہ: احمد خانپوری

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ اوّل

شرعی دلائل

اسلام نے قرآن وسنت کو اصل الاصول کی حیثیت سے بتلایا۔ پھر ان دو اصل الاصول سے ماخوذ اور بھی ماخذ واصول ہیں، جن کی روشنی میں دینی احکام مستنبط ہوتے رہیں گے، اسطرح ادلّہ شرع (شرعی دلائل) چار ہو گئے (۱) قرآن مجید (۲) سنت رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع۔ جس میں سنت خلفائے راشدین، خیر القرون کے سنن وآثار ہیں (۴) قیاس واجتہاد

(۱) **قرآن مجید :۔** دینی احکام کا پہلا ماخذ قرآن مجید ہے۔

قرآن کریم میں کچھ احکام نہایت وضاحت اور صراحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ جیسے ایمانیات، اخلاقیات، قانونِ شہادت، قانونِ حدود، قانونِ وراثت۔ مگر کچھ احکام ایسے ہیں جسے قرآن کریم نے مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح کچھ مسائل ایسے ہیں جن کی کوئی تصریح قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ مثلاً پانی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل، بیع جنس بالجنس کی کیا صورت ہے۔ جو جرائم حدود کے تحت نہیں ان کی سزا کیا ہے؟ زمینوں کے مسائل میں مضاربت کے احکام وغیرہ۔ مساجد کے تفصیلی شرعی احکام، وغیرہ وغیرہ ہزاروں مسائل ہیں جو ہمیں قرآن کریم میں واضح طور پر نہیں ملتے۔

دورِ حاضر میں اہل قرآن کے نام سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا ہے جو اصول شرع میں سے صرف قرآن کو مانتا ہے۔ سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اجماع کو نہیں مانتا۔ یہ فرقہ گمراہ ہے اور اسلام سے خارج ہے۔

(۲) **سنتِ رسول اللہ ﷺ:۔** دینی احکام کا دوسرا ماخذ سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات عمل کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو سنت کہا جاتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ”سنت“ شرعی دلائل میں سے ہے نہ کہ حدیث۔ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ سنت ثابتہ وہی ہے جس پر اکابر صحابہ وتابعین کا تعامل رہا۔ اور جو روایت ان کے تعامل کے خلاف ہو وہ یا تو منسوخ کہلائے گی یا اس میں تاویل کی ضرورت ہوگی۔ ایسی روایات جو تعاملِ سلف کے خلاف ہوں صدرِ اول میں ”شاذ“ شمار کی جاتی تھیں۔ اور جس طرح متاخرین محدثین کی اصطلاح میں ”شاذ“ روایت حجت نہیں، اسی طرح متقدمین کے نزدیک ایسی شاذ روایت حجت نہیں تھیں۔

تعاملِ سلف :۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں حضراتِ صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ کا تعامل کسی مسئلہ میں حجت قاطعہ شمار ہوتا تھا۔ اور احادیث کی صحت وسقم کے لئے معیار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جو احادیث کہ اکابر صحابہ وتابعین کے تعامل کے خلاف ہوتیں انہیں شاذ۔ منسوخ یا مؤول سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ مؤطا میں جگہ جگہ تعامل اہل مدینہ کا حوالہ دیتے

ہیں۔ اور جو احادیث اہلِ مدینہ کے تعامل کے خلاف ہوں انہیں غیر معمول بہا قرار دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی میں احادیث کے جتنے مجموعے مرتب کئے گئے ہیں ان میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کیساتھ حضراتِ صحابہ و تابعین کا تعامل بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً ترمذی شریف میں حدیثِ باب بیان کرنے کے بعد امام ترمذی اس قسم کا جملہ لاتے ہیں "**والعمل علیٰ ھذا الحدیث عند اکثر اھل العلم**" وغیرہ۔ لیکن خیر القرون کے بعد چونکہ معیاری تعامل آنکھوں کیسامنے نہیں رہا تھا اسلئے احادیث کی صحت و سقم اور ان کے معمول بہا ہونے یا نہ ہونے کا مدار صرف سند کی صحت وضعف اور راویوں کی جرح و تعدیل پر رہ گیا اور روایات کے مقابلہ میں تعاملِ سلف کی اہمیت نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو خیال ہونے لگا کہ ایک ایسی روایت جس کے راوی ثقہ ہوں .... اسکے مقابلہ میں حضراتِ خلفاءِ راشدینؓ کا تعامل بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کسی روایت کے راویوں کی ثقاہت و عدالت اور فہم و دیانت کو حضراتِ خلفاءِ راشدینؓ کے تعامل پر ترجیح دے ڈالنا نہ صرف یہ کہ صحت مندانہ طرزِ فکر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر اسے رفض کا خفی شعبہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو گا۔ کیونکہ رفض کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ بعد کے راویوں کی روایات کے بھروسے حضرات صحابہ کرامؓ اور خلفاءِ راشدینؓ کو نصِ نبوی کی مخالفت سے مطعون کیا جائے۔

اس لئے سنت رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں تعاملِ سلف حجتِ قاطعہ شمار ہوتا ہے۔

نوٹ : سنت کے ماہرین کو مجتہدین، فقہاء اور اہل الرای بھی کہتے ہیں۔ اور حدیث کے ماہرین کو محدثین، اہل الحدیث، اصحاب الحدیث بھی کہتے ہیں۔

محدثین کا دائرۂ کار : محدثین کی مہارت اور انکی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے۔ یہ بھی دین کا اہم باب ہے۔ اس علم کی برکت سے وضّاع، کذّاب لوگوں کو جھوٹی اور من گھڑت حدیثیں بنانے کی جرأت نہ ہو گی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں اگر تحقیقِ سند کا مسئلہ نہ ہوتا تو جو آدمی جو کچھ چاہتا وہ کہہ ڈالتا۔

مجتہدین کا دائرۂ کار :۔ مجتہدین، فقہاء، اہل الرای کی تحقیق کا دائرہ اسناد سے وسیع تر ہے۔ مجتہدین پانچ امور کی تحقیق کرتے ہیں۔

(۱) بنیادی طور پر حدیث ثابت ہے یا نہیں؟ (۲) احادیث کے معانی کی تشریح و توضیح؟ (۳) حدیث معمول بہ ہے یا متروک؟ (۴) حدیث سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعیّن، یعنی وہ فرض ہے یا واجب؟ سنت ہے یا مستحب ہے؟ مباح ہے یا مکروہ ہے؟ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام؟ (۵) اس حدیث سے متعارض دوسری حدیث کے تعارض و تضاد کو دور کرنا۔

ان امورِ خمسہ کی تحقیق کیلئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسناد کیساتھ آثار صحابہ کو بھی بنیاد بنایا ہے۔ آثار صحابہ نہ ملنے کی صورت میں کتاب و سنت سے ماخوذ اپنے اجتہادی اصولوں اور خداداد فقہی صلاحیت سے کام لیا ہے۔ صاحبینؒ نے آثار صحابہ کے ساتھ اقوال تابعین و تبع تابعینؒ کو بھی بنیاد بنایا ہے۔

(۳)**اجماع امت:۔** دینی احکام کا تیسرا ماخذ اجماع امت ہے یعنی جس بات پر تمام صحابہ نے بلا اختلاف اتفاق کرلیا ہے، اور کسی نے بھی نکیر نہیں کی، اور پھر اسکے بعد پورے دور صحابہ اور دور تابعین میں اس پر عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہو چکا ہو۔ جن مسائل پر اجماع ہوا ہے ان میں سے چند بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

(۱) جماع بدون الانزال کے موجب غسل ہونے پر صحابہ کا اجماع ہوا۔ (طحاوی ج۱ص۴۷)

(۲) خیار رویت مشتری کو حاصل ہوگا۔ بائع کو نہیں ہوگا۔ (اشرف الہدایہ ج۸ص۱۱۲)

(۳) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پورے رمضان مواظبت کے ساتھ بیس رکعت با جماعت تراویح پر صحابہ کا اجماع۔
(نصب الرایہ ج۲ص۱۵۴)

(۴) دورِ فاروقی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ اس پر اجماع ہوا۔ (مسلم ج۱ص۴۷۸ عن بن عباس)

(۵) دورِ فاروقی میں نمازِ جنازہ کی چار تکبیرات پر اجماع ہوا۔ (البدائع للکاسانی ج۲ص۳۱۳)

(۶) تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنیوالے کا قطع نہ ہوگا۔ دورِ فاروقی میں اجماع ہوا (بدائع ج۷ص۸۸، دارقطنی ج۳ص۱۸۰)

(۷) بخاریؒ کے استاذ ابن المدینیؒ نے کہا کہ حدیث قلّتَین کے خلاف حضرت ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ کا صحابہ کے مجمع میں زمزم کے کل پانی نکالنے پر اجماع ہوا۔ (انتصار الحق ص۲۷۵)

(۸) جمعہ کی اذان اول ضرورت کی وجہ سے دورِ عثمانی میں رائج ہوئی۔ اور تمام صحابہ نے اس پر بلا اختلاف اتفاق کرلیا۔ اور اس کے بعد سوادِ اعظم نے عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری کیا۔ (ابوداؤد ج۱ص۱۵۵)

نوٹ:۔ دورِ حاضر کے اہلِ حدیث، جن کو لوگ غیر مقلد، لادینی فرقہ کہتے ہیں وہ اپنے کو اہل الحدیث، محمدی، سلفی وغیرہ کہتے ہیں، ادلّۂ شرع چار میں سے صرف دو کو یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہے۔ اجماعِ صحابہ کو حجتِ شرعیہ نہیں مانتا۔ لہذا یہ فرقہ بلا خوف اہل السنہ میں داخل اور الجماعۃ سے خارج ہے (منہاج السنہ لابن تیمیہؒ ج۲ص۲۷۳)۔ یہ لوگ مطلب ہوتا ہے تو مان بھی لیتے ہیں جیسے تراویح جماعت سے پورے رمضان پڑھنا، صفوں میں قدم کو قدم سے ملانا حضور ﷺ کا قول نہیں ہے، حضرت انس صحابی کا قول ہے جیسا کہ "بخاری ص۱۰۰ عن انس **باب الزاق المنکب بالمنکب و القدم با لقدم فی الصف** "میں موجود ہے۔

سنتِ خلفاءِ راشدین بھی اجماع امت کا ماخذ ہے۔ خیر القرون (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کے آثار بھی حجتِ شرعیہ ہیں

(۴)**قیاس، رائے یا اجتہاد:** دینی احکام کا چوتھا ماخذ اربابِ علم وفقہ کا قیاس (رائے) یا اجتہاد ہے۔ قیاس شرعی یعنی مجتہد کا اجتہاد، حجتِ شرعی ہے۔

قیاس شرعی کا مطلب: کتاب وسنت میں مذکور حکم یا اجماعی حکم کے ضمن میں مستور قاعدہ کلیہ کو تلاش کر کے غیر منصوص مسئلہ کو اس قاعدہ کلیہ کے ذریعہ حل کرنا، اور اسکا حکم شرعی معلوم کرنا، مثلاً حدیث میں ہے کہ کھانے میں اگر مکھی گر جائے تو غوطہ دے

کر اسکو نکال دو، اور کھانا کھالو۔ اگر کھانے میں مکوڑا، بھڑ، ٹڈی، مچھر وغیرہ گر جائیں تو کیا حکم ہے؟ چونکہ ان چیزوں کا حکم نہ کتاب وسنت میں ہے نہ اجماع سے ثابت ہے۔ اسلئے امام ابوحنیفہؒ نے قیاس شرعی کے ذریعہ انکا حکم بتایا ہے، اس طور پر کہ انہوں نے مکھی کے بارے میں جو حکم منصوص ہے اسکے اندر غور کیا تو انکو اس منصوص حکم کے ضمن میں ایک مخفی قاعدۂ کلیہ مل گیا، وہ یہ کہ مکھی کیوجہ سے کھانا اسلئے حرام اور ناپاک نہیں ہوتا، کہ اسکی رگوں میں گردش کرنیوالا خون موجود نہیں ہے۔ لہذا تمام ایسی چیزیں جنکی رگوں میں گردش کرنیوالا خون نہیں ہے انکا حکم بھی مکھی والا ہوگا یعنی انکو نکال دو، اور کھانے پینے کی چیزیں کھاپی لو لیکن غوطہ دیکر نکالنا مکھی کی خصوصیت ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اسکے ایک پر میں بیماری ہے دوسرے میں شفاء ہے، وہ گرتی ہے تو ہمیشہ بیماری والا پر پہلے ڈبوتی ہے۔ لہذا انکا لنے سے پہلے اس کو غوطہ دے دیا جائے تا کہ شفاء والا بھی ڈوب جائے، اس نوع کی بات باقی چیزوں میں نہیں ہے اس لئے غوطہ دینے کی ضرورت نہیں۔

غیر مجتھد کو تقلید :۔ اجتہاد مجتہد کا کام ہے، غیر مجتہد کو اجتہاد کا حق نہیں ہے۔ اگر غیر مجتہد اجتہاد کرے گا تو خود بھی گمراہ ہوگا اور وسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ غیر مجتہد کو ان تین قسموں میں اس مجتہد کی تقلید واجب ہے جو ان کے نزدیک باقی مجتہدین کے مقابلہ میں کتاب وسنت کا زیادہ ماہر ہو۔ اور اس کے اجتہاد میں نسبۃً باقی مجتہدین کے درستی غالب ہو۔ یہ اجتہادی مسئلہ حدیث کے ضعف وصحت کا ہو یا نماز روزہ وغیرہ کا شرعی مسئلہ ہو یا احادیث کے معانی کی تشریح ہو۔ غیر مجتہد، مجتہد کے اجتہاد کی تحقیق کرسکتا ہے کہ مجتہد نے کس بنیاد پر اجتہاد کیا ہے۔ غیر مجتہدین کو نہ مجتہدین کی تحقیق پر اعتراض کا حق ہے، اور نہ ہی ان کو مجتہدین کے مقابلہ میں جاہلانہ اجتہاد کی اجازت ہے۔

فقه کے چار مذاهب (مسالک) هیں :۔ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ اپنے رسالہ خلاصۃ التحقیق میں وضاحت کرتے ہیں

''اس وقت مذاہب (مسالکِ) اربعہ کو چھوڑ کر دیگر مجتہدین کے مذاہب پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دیگر مجتہدین کے مذہبوں میں کچھ نقصان ہے۔ اور مذاہبِ اربعہ ہی راجح ہیں۔ اسلئے کہ ان مجتہدین میں ایسے بھی ہیں جو تمام امت پر بھاری ہیں، بلکہ اصل وجہ ان مذاہب کو اختیار نہ کرنے کی یہ ہے کہ (۱) انکے مذاہب با قاعدہ مرتب ومدون نہیں ہو سکے (۲) ہمیں آج ان مذاہب کی شرائط وقیود کا پورا علم نہیں ہے (۳) اور وہ مذاہب ہم تک تواتر کے طریقہ پر نہیں پہنچے۔ اگر وہ اس طریقہ پر ہم تک پہنچتے تو ہمارے لئے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔''

بہر حال چوتھی صدی میں عملاً اس بات پر اجماع ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید شخصی باضابطہ نہیں کی جائیگی۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۴، عقد الجید)

غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید حرام ہے، شرک ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ وہ ایک رکعت بھی بغیر تقلید کے نہیں پڑھ سکتے۔ اور جب نشان دہی کی جاتی ہے اور ان کی گاڑی اٹکتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم غیر نبی کے قول وفعل کو بھی حجت مانتے ہیں۔ لیکن کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے بلکہ جس کی چاہتے ہیں اسکی تقلید کر لیتے ہیں۔ یہ دراصل غیر مقلدیت کا چور دروازہ ہے۔

مسالکِ اربعہ مدون ہیں، اب کچھ ادھر اور کچھ ادھر سے مسائل نکالنا دراصل ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالنا ہے جو اجماع امت کے خلاف ہے۔

چاروں مسالک حق پر ہیں

شریعت اسلامیہ میں ہزاروں احکام ایسے ہیں جن پر امتِ مسلمہ متفق ہے، مثلاً اسلام کی نبیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایمان، نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ پانچ وقت کی نماز، نماز میں قیام، ایک رکوع، دو سجدے، ایک مہینہ کا روزہ، حج میں عرفات کے میدان میں جمع ہونا وغیرہ تمام احکام مات پر امتِ مسلمہ میں کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ ایسے تمام احکامات کیلئے قرآن کریم کی صریح آیات یا احادیث صریحہ متواترہ (نصوص) موجود ہیں جن پر سب متفق ہیں کچھ احکامات و مسائل ایسے ہیں جن میں احادیث مختلف فیہ ہیں، اسی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان بھی اسی نوعیت کا اختلاف رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب حق و ہدایت پر تھے اور قرآن کریم نے نا صرف ان کو بلکہ ان کی پیروی کرنیوالوں کو بھی رضا و مغفرت کا ابدی پروانہ عطاء فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے "و السابقون الاولون"۔ **ترجمہ:**۔ اور جو مہاجرین و انصار ایمان لانے میں (سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے اخلاص کیساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے (اللہ سے) راضی ہوئے، اور اس نے ان کیلئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے (سورۃ توبہ آیت ۱۰۰)

پس جو امور صحابہ کرامؓ کے درمیان متفق علیہ تھے وہ بعد کی امت کے حق میں حجت قطعیہ ہیں، اور کسی کو انکے خلاف کرنا جائز ہیں، اور جن مسائل میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوا اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ہر فریق عند اللہ مصیب ہے۔ دوم یہ کہ ایک فریق مصیب ہے اور دوسرا خطا پر، لیکن حدیث شریف کی رو سے جو شخص مصیب یعنی صحیح ہے اس کیلئے دو اجر اور جو خطا پر ہے اس کیلئے ایک اجر ہے۔ صحابہ کرام کا اختلاف حق و ہدایت ہی کے دائرے میں تھا اور ان میں سے ہر فریق اپنے فہم و اجتہاد کے مطابق حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوشاں تھا، جو مسائل ان اکابر کے درمیان مختلف فیہ رہے ہیں ان میں بعد کے مجتہدین کو یہ غور و فکر کا تو حق ہے کہ ان میں سے کسی کا قول راجح ہو اور کسی کا مرجوح۔ لیکن یہ حق کسی کو نہیں کہ ان میں سے کسی کو بدعت و ضلالت کی طرف منسوب کرے اور ان مسائل میں جو موقوف کسی کے نزدیک راجح ہو، اس کو اختیار کر سکتا ہے، اور قرآن کریم و سنت نبویؐ اور صحابہؓ و تابعینؒ کے تعامل کی روشنی میں اپنے موقف کی ترجیح کے دلائل بھی پیش کر سکتا ہے، لیکن کسی ایک فریق کا اپنے موقف کو قطعی حق سمجھنا و فریق مخالف کو تارکِ حدیث سمجھنا اور اس کے موقف کو قطعی باطل اور بدعت و ضلالت کہنا درست نہیں، کیوں کہ اس سے ان کا تمام اکابر امت صحابہ و تابعین کی تضلیل لازم آتی ہے جنہوں نے یہ موقف اختیار کیا ظاہر ہے کہ اسے شرعاً و عقلاً درست نہیں کہا جا سکتا۔

اہل سنت والجماعت کا موقف ہے اپنے موقف کو صواب (صحیح) سمجھتے ہوئے فریقِ مخالف کے قول کو خطاءِ اجتہادی سمجھ کر اسے معذور و ماجور تصور کریں کیوں کہ حدیث شریف کی رو سے جو شخص مصیب یعنی صحیح ہے اس کیلئے دو اجر اور جو خطاء پر ہے اس کیلئے ایک اجر ہے۔ لیکن غیر مقلدین کا موقف گمراہ فرقوں کے مانند ہے کیونکہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ اجتہادی مسائل کا اختلاف حق و ناحق کا اختلاف ہے اور صرف ایک فریق حق پر ہے اور باقی سب گمراہ، یہ موقف اہل سنت و الجماعت کا نہیں ہے بلکہ باطل فرقوں مثلاً خوارج اور روافض کا ہے اور یہ موقف بدعت ہے۔ عام گناہ براہ راست شریعت سے ٹکراتا ہے اس کا دین و شریعت کے خلاف ہونا بالکل نمایاں ہوتا ہے لیکن ''بدعت'' کبھی سامنے سے کھلم کھلا نہیں آتی ہے، یہ کوئی ایسا دروازہ تلاش کرتی ہے جس کے خلافِ شریعت کا ہونے کا وہم نہیں ہوتا بلکہ یہ دروازہ اور اس میں داخل ہونا بظاہر مستحسن معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں داخل ہو جانے کے بعد جو صورتِ حال پیدا ہوتی ہے اسے ''بدعت'' کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا اس کی مثال ملاحظہ ہو شریعت میں فروعی اختلافی مسائل مثلاً قرأۃ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع یدین تحت السرہ، جلسۂ استراحت، رفع یدین کا معاملہ دورِ صحابہ بلکہ دورِ نبوت سے رہا ہے، اور لوگ مختلف طریقوں سے عمل کرتے رہے ہیں، کسی نے کسی کے خلاف اصرار نہیں کیا، نہ کسی مسئلہ کو خلافِ سنت کہا، نہ کسی کی تضلیل و تفسیق کی، اب آپ لوگوں نے دین میں ایک نئی بات نکالی، حدیث کے کسی ایک پہلو لے کر اڑ گئے، اور اس کے علاوہ کو خلافِ سنت کہنے لگے، اور اسی کو آپ نے اپنا دین و مذہب بنا لیا، یہی آپ کے نزدیک معیارِ حق و باطل بن گیا، اسی کی روشنی میں عقائد ڈھلنے لگے، جب کہ اس غلو، اصرار اور تنگ نظری کا دین میں .... اس دین میں جس پر رسول اللہ ﷺ حضراتِ صحابہ کو چھوڑ کر گئے تھے .... پتہ اور نشان نہیں ہے، اور آپ کے دین کیلئے یہی ما بہ الامتیاز بنا ہوا ہے، پس یہ بدعت ہے۔

ایک ھی امام کی اتباع کیوں ؟:۔ علامہ نوویؒ شرح المہذب ج ا ص ۵۵ میں لکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جس مذہب کی چاہے اتباع کی اجازت دے دی جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کو چبا جائیگا، اور حلال و حرام اور وجوب و جواز کے درمیان عمل کا اختیار دیا جائیگا جس کا نتیجہ بالآخر شرعی تکلیف کا چولا اتار پھینکنے کی صورت میں نمودار ہوگا۔

حنفیت کی ترجیح کی وجہ: ۔ امام ابوحنیفہؒ تابعی تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۲۱ فصل سادس لابن حجر الہیثمی مکی)۔

مبدأ و معاد ص ۳۹ میں مجدد الفِ ثانیؒ فرماتے ہیں ''فقہ کے اکثر مختلف فیہ مسائل میں حق بجانب مسلکِ احناف ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فیوض الحرمین ص ۱۳۶ میں فرماتے ہیں ''فقہ حنفی میں ایک عمدہ طریقہ ہے جو دیگر طرق سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

تعریفات

حدیث:۔ حضور ﷺ کی تعلیمات بیان کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو حدیث کہلاتی ہے۔

مرفوع:۔ جس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

موقوف:۔ جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال، احوال اور تقریرات کا بیان ہو۔

مقطوع:۔ جس حدیث میں تابعین کے اقوال، افعال، اور تقریرات کا بیان ہو۔

متصل:۔ جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

معلق:۔ جس حدیث کی سند کے شروع سے روایت کو حذف کر دیا جائے خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

مرسل: جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضور ﷺ سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے

معضل:۔ درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

منقطع بمعنی اخص:۔ دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

مضطرب:۔ سند یا متن حدیث میں زیادتی، نقصان یا تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔

مدرج:۔ متن حدیث میں راوی اپنا یا غیر کا کلام ملا دے۔

شاذ:۔ جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس کا مقابل محفوظ ہے)

منکر:۔ جس روایت میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف کی مخالفت کرے (اس کا مقابل معروف ہے)

معلل:۔ جس حدیث میں علت خفیہ قادحہ ہو مثلاً مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔

صحیح لذاتہ:۔ جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

صحیح لغیرہ:۔ جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے

حسن لذاتہ:۔ جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری نہ ہو۔

حسن لغیرہ: جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے

ضعیف:۔ جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو۔ اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

متروک:۔ جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

موضوع:۔ جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

غریب:۔ جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

عزیز:۔ جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

مشہور:۔ جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو (یعنی سلسلہ سند میں کسی شخص سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں اور یہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو۔

متواتر:۔ جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توفق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

صحیح:۔ جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ۔

جامع:۔ جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب جیسے بخاری اور ترمذی وغیرہ۔

سنن:۔ جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابوداؤد، نسائی۔

مسند:۔ جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں، جیسے مسند احمد بن حنبل۔

معجم:۔ جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں جیسے معجم طبرانی۔

مستخرج:۔ جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کیلئے ان احادیث کو مصنف کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

مستدرک:۔ جس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے جو ان ابواب میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین۔

رسالہ:۔ جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد آداب میں اور ابن جریر طبری کی کتاب تفسیر میں۔

جز:۔ جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی جزء القرأۃ خلف الامام۔

اربعین:۔ جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔

امالی:۔ جس کتاب میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف:۔ جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیے جائیں یا بعض مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الخمسۃ لابی العباس اور اطراف المزی۔

فقہی اصطلاحات

فقہاء کرام نے ماٰخذِ شرعیہ سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین کیا ہے۔ جو درجِ ذیل ہیں۔

فرض:۔ وہ حکم ہے جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ دلیل قطعی تین چیزیں ہیں۔ (۱) قرآن کی آیت جس کے معنیٰ میں ائمہ کا اختلاف نہ ہو۔ (۲) حدیثِ متواتر جس حدیث کے راوی اس قدر زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹا ہونا عقلاً محال ہو۔ اور یہ زیادتی شروع سے اخیر راوی تک ہر طبقہ میں رہے۔ (۳) اجماع امت جیسے نمازِ پنجگانہ وغیرہ۔

فرض کا منکر کافر ہے۔ بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذابِ الیم کا مستحق ہے۔

فرض کی دو قسمیں ہیں (۱) فرضِ عین (۲) فرضِ کفایہ۔

فرض عین:۔ جسکا ادا کرنا ہر شخص پر ضروری ہو۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اسلامی عقائد اور فرض عبادتوں کا سیکھنا۔ فرض عین کا بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور گناہ گار ہے۔

فرضِ کفایہ:۔ جو ایک دو آدمیوں کے ادا کرنے سے سب کے ذمہ سے اتر جائیگا۔ کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے جیسے نمازِ جنازہ، عالمِ دین بننا۔

نماز کے فرائض:۔ سے مطلب وہ چیزیں ہیں کہ ان کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی۔ اور نماز لوٹانا فرض ہوتا ہے

واجب:۔ وہ حکم ہے جسکا لزوم دلیل ظنی سے ہو۔ دلیل ظنی تین چیزیں ہیں۔ (۱) قرآن کی آیت جسکے معنی میں دوسرا بھی احتمال ہو (۲) ایسی حدیث جسکے راوی بہت نہ ہوں کہ تواتر کے درجہ کو پہنچے۔ (۳) قیاس اہل اجتہاد۔

واجب کی مثال فرض نماز کی جماعت، عیدین کی نمازیں۔

واجب کی دو قسمیں ہیں (۱) واجب عین (۲) واجب کفایہ۔

واجب عین:۔ جس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر علیٰحدہ علیٰحدہ واجب ہے۔ جیسے نماز وتر، نماز عید وغیرہ۔

واجب کفایہ:۔ ایسا واجب کہ اگر کچھ مسلمان ادا کریں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے، ورنہ سب گنہگار ہوں گے جیسے تبلیغ دین۔

نماز کے واجبات:۔ کا حکم یہ ہے کہ جس کا نماز میں ادا کرنا ضروری ہے اس کو قصداً چھوڑنے سے نماز تو ہو جاتی ہے مگر ناقص یعنی مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ ہاں اگر واجب بھولے سے چھوٹ جائے تو اس کیلئے سجدۂ سہو کافی ہوتا ہے۔ ہاں اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز وقت کے اندر لوٹانی واجب ہے۔

سنت:۔ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو۔

سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) سنتِ مؤکدہ (۲) سنتِ غیر مؤکدہ۔

سنتِ مؤکدہ:۔ وہ کام جسے حضور ﷺ اکثر کرتے رہے ہوں یا کرنے کے لئے فرمایا ہو۔ **اور بلا عذر کبھی نہ چھوڑا ہو جیسے** صبح کی سنتیں۔ اس کا چھوڑنا گناہ ہے۔

سنتِ غیر مؤکدہ:۔ وہ کام جسے حضور ﷺ نے اکثر کیا ہو، اور کبھی بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو، **ایسی سنت کے چھوڑنے سے** گناہ نہیں ہوتا۔

پھر سنت کی اور دو قسمیں ہیں (۱) سنتِ عین (۲) سنتِ کفایہ۔

سنتِ عین:۔ جس کا ادا کرنا ہر مسلمان کے لئے **علٰیحدہ علٰیحدہ سنت ہے جیسے** عام سنتیں۔

سنتِ کفایہ:۔ ایسی سنت کہ اگر کچھ مسلمان ادا کریں تو سب کیطرف سے ادائیگی ہو جائے **ورنہ سب پر سنت چھوڑنے کا** بار رہیگا۔ **جیسے اعتکاف**

نوٹ:۔ (۱) جس سنت کا ثبوت حدیثِ متواتر سے ہے اسکا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ اور جس سنت کا ثبوت حدیثِ مشہور سے ہو اس کا منکر فاسق ہو جاتا ہے۔ اگر سنت کا ثبوت حدیثِ مشہور سے ہو اس کا منکر فاسق ہوتا ہے۔ اگر سنت کا ثبوت حدیث احاد سے ہے تو اسکے منکر کو بدعتی اور مسی کہتے ہیں۔ اگر سنت اتفاقاً ترک ہو جائے کچھ حرج نہیں۔ اگر عادت کر لی تو اسکے ترک پر اس کو ملامت کرنا چاہیئے۔ وہ گمراہ ہے اور شفاعت سے محروم رہے گا۔ (۲) نماز میں سنتِ مؤکدہ قصداً یا سہواً چھوٹ جائے تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ نماز کا اعادہ یعنی دہرانا نہیں ہے، البتہ ثواب کم ہو جائے گا۔

مستحب:۔ جس کام کے کرنے کا ثواب حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہو، اور گاہے خود بھی عمل کیا ہو، اور وہ عبادت کے باب سے ہو عادت کے باب سے نہ ہو۔ مستحب کے کرنے میں ثواب ہے، نہ کرنے میں کوئی عذاب نہیں ہے مستحب کا منکر نہ تو کافر ہے نہ فاسق، نہ مبتدع نہ مسی۔ ہاں کرنے والا ثواب اور فضیلت کا مستحق ہے۔

مباح:۔ وہ کام جس کے کرنے میں نہ ثواب ہو اور نہ، نہ کرنے میں گناہ ہو۔

نفل:۔ جس چیز کی فضیلت آئی ہو اور کرنے میں ثواب ہو، اور چھوڑنے میں عذاب نہ ہو، نفل کو مستحب، مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔

حرام:۔ وہ کام جس کی حرمت اور مخالفت دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے جھوٹی گواہی دینا، چغلی، چوری، شراب پینا، سود لینا، رشوت، جوا وغیرہ۔

حرام کا منکر کافر ہو جاتا ہے، اور بغیر عذر کے اس کا مرتکب فاسق اور مستحق عذاب وسزا ہوتا ہے۔

مکروہ:۔ یعنی ناگوار اور برا۔ مکروہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مکروہ تحریمی (۲) مکروہ تنزیہی۔

مکروہ تحریمی:۔ جس کی ممانعت اور ناپسندیدگی دلیل ظنی سے ہو۔ ایسا برا کام جو حرام کے قریب قریب ہو۔ **مکروہ**

تحریمی کا منکر کافر تو نہیں ہوتا لیکن عمل میں لانے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

مکروہ تنزیھی:۔ تنزیہ کے معنی پاک وصاف۔ مکروہ تنزیہی ایسا فعل جو پاکباز کو نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی ایسا برا کام جس کی برائی معمولی ہو، شریعت میں غیر مناسب سمجھا جاتا ہو، اس کا چھوڑنا اچھا ہوتا ہے، اور کرنا پاکبازی کے خلاف ہے بچ جائے تو ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ نماز میں مکروہ تحریمی سے بچنا ضروری ہے اور اسکے کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اور مکروہ تنزیہی کا کرنا خلافِ اولیٰ ہے

مسائل نماز

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

نماز میں ہاتھ باندھنا تو جمہور کے نزدیک سنت ہے (سوائے مالکیہ کے)۔ لیکن ’’محلِ وضع (کہاں باندھے جائیں)‘‘ اس میں اختلاف ہے۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔

مالکیه:۔ مالکیہ کے نزدیک فرض نماز میں مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں باندھے نہ جائیں۔

شوافع:۔ شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے، ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔

حنابله:۔ امام احمدؒ سے تین روایتیں ہیں (۱) ناف کے نیچے (۲) ناف کے اوپر (۳) اور دونوں جگہ باندھنے کی گنجائش ہے، البتہ متون میں جو قول لیا گیا ہے وہ ناف کے نیچے باندھنے کا ہے۔

ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، جائز اور ناجائز کا نہیں ہے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حقیقت

غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے، اس کی دلیل میں عام طور پر وہ چار قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت:۔ اس کی اسناد میں نظر ہے اور ''عَلیٰ صَدْرِہٖ (سینہ پر)'' کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔

(۲) حضرت قبیصہ بن ہلبؓ کی روایت:۔ اس میں ''عَلیٰ صَدْرِہٖ (سینہ پر)'' کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔ اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔

(۳) حضرت طاؤسؒ کی روایت:۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور وہ صحابی کا نام لئے بغیر براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایات غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

(۴) سینہ پر ہاتھ باندھنے کے باب میں دوسری تمام روایات ضعیف ہیں۔ اور اس باب میں کچھ ''آثار'' بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ ''آثار'' سلف (صحابہ و تابعین) کے اقوال یا افعال ہیں اسلئے غیر مقلدین کو دلائل میں اِن آثار کو پیش کرنیکا حق ہی نہیں ہے اور ان کیطرف سے نا قابل قبول ہے

غرض سینہ پر ہاتھ باندھنے کی سنیت کی دلیل میں اصول حدیث کی رو سے کوئی ''صحیح مرفوع حدیث'' موجود ہی نہیں ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف ''صحیح حدیث'' حجت ہے اس لئے ان کا سینہ پر ہاتھ باندھنے کا دعویٰ رد ہے اور ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور بغیر دلیل کے عمل کرنا ان کے نزدیک ''شرک'' ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

● حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ''وضع الیمین علی الشمال'' ج ۳ ص ۳۲۰ طبع کراچی)

● حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

(ابن ابی شیبہ ''وضع الیمین علی الشمال'' ج ۳ ص ۳۲۴، ابوداؤد حدیث ۷۵۶ ص ۱۲۷۹ الکتب الستہ طبع سعودیہ عربیہ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰، دارقطنی ۱/۲۸۶/۹/۱۰، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۳۱، مسند بزار ۱/۱/۱۱۰)

● حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز میں ہتھیلیوں کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(ابوداؤد حدیث ۷۵۸ ص ۱۲۷۹ الکتب الستہ طبع سعودیہ عربیہ)

● حضرت حجاج بن حسانؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابومجلزؒ سے سنا (راوی کہتے ہیں) میں نے ان

سے دریافت کیا کہ (حضور اکرم ﷺ ہاتھوں کو) کیسے رکھتے تھے، تو فرمایا کہ وہ (حضور ﷺ) اپنے دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہری حصہ پر رکھتے تھے اور ان دونوں کو ناف سے نیچے رکھ لیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "وضع الیمین علی الشمال" ج۳ ص۳۲۳)

- حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ وہ (حضور ﷺ) نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "وضع الیمین علی الشمال" ج۳ ص۳۲۲)

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

غیر مقلدین کا مسلک:۔ غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) کا مسلک یہ ہے کہ "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھنا سنت ہے"

احناف کا مسلک:۔ احناف کے نزدیک "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے"۔

نکتۂ اختلاف:۔ غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) کا مسلک یہ ہے کہ "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھنا سنّت ہے"، اس کے خلاف جائز نہیں ہے۔ اور احناف کے نزدیک "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے"، یہ اولیٰ ہے۔

یعنی غیر مقلدین اور احناف دونوں کے نزدیک انکا مذکورہ عمل "سنت" ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں کے نزدیک سنت سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ شامی میں ہے

وَالسُّنَّةُ نَوعَانُ: سُنَّةُ الْهُدٰی، وَتَرْكُهَا.......... فِیْ لِبَاسِهٖ وَقِيَامِهٖ وَقُعُوْدِهٖ. **ترجمه**:۔ اور سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) پہلی قسم ہے سنت ہدیٰ (یعنی سنتِ اصلی یا سنتِ مؤکدہ): اور اسکا ترک کر دینا گناہ اور کراہت کو واجب کر دیتا ہے، جیسے جماعت اور اذان اور اقامت اور اسکے مثل چیزیں۔ (۲) اور دوسری قسم ہے سنتِ زوائد: اور اس کا ترک کر دینا اس کو واجب نہیں کرتا جیسا کہ نبی ﷺ کے عادات واطوار آپ کے لباس میں آپ کے کھڑے ہونے میں اور آپ کے بیٹھنے میں۔

(شامی کتاب الطہارت حاشیہ، مطلب فی السنة وتعریفها ج۱ ص۲۱۸)

سنتِ مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ "اَلسُّنَنُ الْمُؤَكِّدَةُ الْقَرِيْبَةُ مِنَ الْوَاجِبِ الَّتِیْ يُضَلِلُ تَارِكُهَا، لِاَنَّ تَرْكَهَا اِسْتِخْفَافٌ بِالدِّيْنِ. **ترجمه**:۔ سنتِ مؤکدہ واجب کے ایسے قریب ہے جس کا چھوڑنے والا گمراہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ اس کا ترک کرنا دین کو ہلکا کرنا ہے (شامی کتاب الطہارۃ ج۱ ص۲۱۹)۔ معلوم ہوا کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا نماز کے فساد کو واجب کرتا ہے۔ چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک سینہ پر ہاتھ باندھنا "سنت" ہے اور اس کے خلاف جائز نہیں۔ غیر مقلدین ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو خلافِ سنت اور گناہ کہتے ہیں، بلکہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ اس سے نماز نہیں ہوتی، نیز یہ بھی دعویٰ کر

تے ہیں کہ ہمارے نزدیک صرف ’’صحیح حدیث‘‘ حجت ہے۔ اس لئے غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے کو جو ’’سنت‘‘ کہتے ہیں وہ دراصل ’’سنتِ مؤکدہ‘‘ کے حکم میں ہے، جو واجب کے قریب ہے۔ جس کا لزوم دلیل ظنی سے ہو۔ یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل میں غیر مقلدین کو صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہیے۔

احناف کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا جو ’’سنت‘‘ ہے۔ وہ دراصل ’’سنن زوائد‘‘ میں سے ہے کیونکہ شامی میں ہے کہ (وَسُنَنُهَا) تَرْكُ السُّنَّةِ لَا يُوْجِبُ فَسَاداً وَلَا سَهْواً بَلْ اِسَاءَةً لَّوْعَامِداً غَيْرَ مُسْتَخِفٍّ. وَقَالُوْا: اَلْاِ سَاءَةُ أَدْوَنُ مِنَ الْكَرَاهَةِ، ثُمَّ هِيَ عَلٰى مَاذَكَرَهٗ ثَلَاثَةٌ وَّعِشْرُوْنَ........ (وَالثَّنَاءُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّامِيْنُ) وَكَوْنُهُنَّ (سِرًّا وَوَضْعَ يَمِيْنِهٖ عَلٰى يَسَارِهٖ) وَكَوْنُهٗ (تَحْتَ السُّرَّةِ) لِلرِّجَالِ. **ترجمہ** :۔ اور اس (نماز) کی سنتیں۔ سنت کا چھوڑنا فساد (نماز کو فاسد کرنا) اور (سجدہ) سھو کو واجب نہیں کرتا۔ بلکہ گناہ کو واجب کرتا ہے اگر جان بوجھ کر چھوڑے (سنت کو) بغیر ہلکا سمجھے ہوئے (سنت کو ہلکا یا معمولی سمجھ کر چھوڑنا تو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے)۔ اور کہا (اساءۃ) اسکا گناہ مکروہ سے قریب تر ہے۔ اور (نماز کی) سنتیں تیئیس (۲۳) ہیں .... (اور ثناء اور تعوذ اور تسمیہ اور آمین کہنا) اور ان کا آہستہ ہونا (اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا) اور اس کا ہونا (ناف کے نیچے) مردوں کیلئے، .... (شامی کتاب الصلوٰۃ / باب صفة الصلوٰة ج۲ ص ۱۷۰ تا ۱۷۲)

درج بالا جو سنتیں نماز کی بیان کی گئی ہیں وہ سنن زوائد ہیں کیونکہ اسکا چھوڑنا فساد اور سہو کو واجب نہیں کرتا، اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی انہیں سنتوں میں شامل ہے اسلئے احناف کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنن زوائد کے حکم میں سے ہے۔

پس ثابت ہوا کہ غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے کو جو سنت کہتے ہیں وہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس کی دلیل میں انہیں ’’صحیح صریح حدیث‘‘ پیش کرنا چاہیے۔ اور احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو جو سنت کہتے ہیں وہ سنن زوائد میں سے ہے اور سننِ زوائد ضعیف احادیث سے بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایات

جو لوگ سینے پر ہاتھ باندھنے کی سنیت کے قائل ہیں وہ عام طور پر دلائل میں چار قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات
(۲) حضرت ھلبؓ کی روایات
(۳) حضرت طاوسؒ کی روایت
(۴) دیگر روایات اور صحابہؓ و تابعینؒ کے آثار۔

(۱) **حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات:۔** ● اَخْبَرَنَا اَبُوْ طَاهِرٍ، نَا اَبُوْ بَكْرٍ، نَا اَبُوْ مُوْسٰى، نَا مُؤَمَّلٌ، نَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى

عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی عَلٰی صَدْرِہٖ. **ترجمہ:**۔ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کیساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھا۔ (صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص۲۴۳)

استدلال پر اعتراضات:۔

(۱) **آثار السنن سے** :۔ اس کی اسناد میں نظر (کلام) ہے۔ اور زیادتی ”علیٰ صدرہٖ“ یعنی سینے پر ”غیر محفوظ ہے“ ۔ (آثار السنن ص۱۴۰)

(۲) **ایضاح الادلّہ سے** :۔ علامہ ابن قیم نے ”اعلام الموقعین“ (ج۳ ص۹ مثال نمبر۶۲) میں لکھا ہے کہ ”علیٰ صدرہٖ“ کی زیادتی صرف مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے اور مؤمل بن اسماعیل کو امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام بخاری جس راوی کے بارے میں منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت جائز ہی نہیں ہے“ ۔ (ایضاح الادلّہ ص۹۳، ۹۴)

(۳) **تخریج صلوٰۃ الرسول سے** :۔ یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سئی الحفظ ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (ج۲ رص ۲۹۰) میں کہا ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے میزان ج۴ رص ۲۲۸۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۸ حاشیہ)

(۴) **تجلیات صفدر سے** :۔ ”علیٰ صدرہٖ“ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔

مذکورہ روایت (حضرت وائل ابن حجرؓ) کی سندیں درج ذیل ہیں۔

(۱) نَامُؤَمَّلٌ، نَاسُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ ابْنِ کُلَیْبٍ، عَنْ اَبِیْہِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ (صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص۲۴۳)۔ صرف اس سند (صحیح ابن خزیمہ کی بطریق مؤمل بن اسماعیل) میں ”علیٰ صدرہٖ“ موجود ہے۔

[انہیں مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے علیٰ صدرہٖ والی روایت بیہقی میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کو حضرت وائلؓ سے ان کی اہلیہ ام یحییٰ، پھر ان سے انکے لڑکے عبدالجبار، پھر ان سے انکے لڑکے سعید بن عبدالجبار، پھر ان سے انکے بھتیجے محمد بن حجر بن عبدالجبار بھی روایت کرتے ہیں، مگر چونکہ محمد کی اپنے چچا سے روایتیں منکر ہوتی ہیں، محمد بن حجر کے متعلق ذہبی نے کہا ہے کہ اسکے پاس مناکیر ہیں اور امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ ”فِیْہِ بَعْضُ النَّظْرِ“ اس میں کچھ نظر ہے میزان (ج۳ رص ۵۱۱)۔ اور ام یحییٰ مجہول ہیں، اسلئے بیہقی کی یہ روایت متابعت کے قابل بھی نہیں ہے۔]

لیکن انہیں سفیان عن عاصم کی سند سے جو مسندِ احمد ج۴ ص۳۱۸ پر ہے وہ اسطرح ہے....... عَبْدُاللّٰہِ بْنُ اَبُوالْوَلِیْدِ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، اس میں علیٰ صدرہٖ نہیں ہے۔

(۲) زَائِدَۃَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (نسائی باب موضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ ج۱ ص۱۴۱) اسمیں ”علیٰ صدرہٖ“ نہیں ہے۔

(۳) بِشْرُبْنُ مُفَضَّلٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابوداؤد ج۱ ص۱۱۲) میں ”علیٰ صدرہٖ“ نہیں ہے

(۴)عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ وَبِشْرُبْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابن ماجہ ص۵۹) اسمیں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۵)عَبْدُالْوَاحِدِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج۴ص۳۱۶) میں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے۔

(٦)زُهَيْرُبْنُ معاويه عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج۴ص۳۱۸) میں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۷)شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج۴ص۳۱۹) میں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۸)سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (طیالسی) میں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۹)خَالِدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (بیہقی ج۲ص۱۳۱) میں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے

مذکورہ ۹ سندوں میں سے ۸ سندوں میں "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے اسکا ذکر صرف سفیان کے طریق میں ہے (اور وہ بھی صرف صحیح ابن خزیمہ میں جب کہ سفیان کی اسی سند میں مسند احمد میں علیٰ صدرہٖ نہیں ہے) اور سفیان (امام سفیان ثوری) خود مجتہد ہیں اور ان کا عمل اس حدیث پر نہیں (یعنی سفیان سینے پر ہاتھ نہیں باندھتے) خود امام نووی شرح مسلم میں تحریر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ہمارے اصحاب میں سے ابواسحاق مروزی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۳)

امام سفیان ثوریؒ کی جس روایت میں "علیٰ صدرہٖ" کا لفظ ہے اسے صرف مؤمل بن اسماعیل روایت کرتے ہیں یعنی وہ "منفرد" ہیں۔ اور مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں ماہرین اسماء الرجال کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

مؤمل بن اسماعیل: (۱) امام بخاری ان کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج۴ص۲۲۸) (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰) اور خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہر وہ راوی جسکو میں منکر الحدیث کہوں اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵)

(۲) ابن سعد کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں اور بہت غلطیاں کرتے تھے۔

(۳) ابن قانع کہتے ہیں صالح مگر خطا کار ہیں۔

(۴) دار قطنی کہتے ہیں ثقہ ہیں لیکن بہت خطا کرتے ہیں۔

(۵) امام ابوحاتم انہیں کثیر الخطاء کہتے ہیں۔ اور امام ابوزرعہ کہتے ہیں اسکی حدیث میں بہت غلطیاں ہیں (میزان الاعتدال)

(٦) امام ذہبیؒ کہتے ہیں سچے ہیں اور سنت میں شدید ہیں اور کثیر الخطاء ہیں۔ (میزان الاعتدال)

(۷) مروزی نے کہا جب مؤمل حدیث میں منفرد ہوں تو واجب یہ ہیکہ توقف کیا جائے اسلئے کہ خراب حافظے اور کثیر غلطیوں

والے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰)

(۸) ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کی جو حدیث ثوری سے ہو اس میں ضعف ہوتا ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۰۶)
(تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۱۶ تا ۵۱۸)

مختصر یہ کہ مؤمل بن اسماعیل جب اکیلے ہوں تو ان کا تفرد قبول نہیں کیا جائیگا اور صحیح ابن خزیمہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت میں مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں اور ان پر درج بالا کلام ہیں اور مؤمل بن اسماعیل ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ ثقہ راوی ''علیٰ صدرہٖ'' نقل نہیں کرتے۔ اسلئے ''علیٰ صدرہٖ'' غیر محفوظ ہے۔ ان تمام وجوہات کی بناء پر صحیح ابن خزیمہ کی روایت، سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں قابل استدلال نہیں۔

مزید یہ کہ اس روایت میں سفیان ثوری بھی ہیں اور آج کل کے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سفیان ثوری مدلّس ہیں اور 'عن' سے روایت کرتے ہیں اسلئے خود انکی توجیہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ غرض صحیح ابن خزیمہ کی یہ روایت غیر محفوظ ہے اور اس کی اسناد میں نظر ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف ''صحیح حدیث' حجت ہے اس لئے اس روایت سے ان کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

صحتِ روایت کی جانچ کا نمونہ : (صحتِ روایت کی جانچ کیلئے ابتداء میں طریقہ بالتفصیل پیش کیا جارہا ہے آئندہ کی روایات میں اختصار سے کام لیا جائیگا، مذکورہ طریقہ کے مطابق کسی بھی روایت کی صحت کی جانچ کی جاسکتی ہے)

صحیح حدیث کی تعریف :۔ جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

معلوم ہوا کہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں (۱) متصل (۲) عادل (۳) تام الضبط (۴) غیر شاذ (۵) غیر معلل
اب دیکھا جائے کہ مؤمل ابن اسماعیل کی روایت میں ان پانچوں میں سے کتنی شرائط موجود ہیں۔

(۱) **متصل**:۔ ہماری نظر سے ابھی تک اس روایت کی اتصال میں اختلاف کی بحث نہیں گذری۔

(۲) **عادل**:۔

مؤمل بن اسماعیل:۔ (۱) امام بخاری ان کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۲۸) (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰) اور خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہر وہ راوی جس کو میں منکر الحدیث کہوں اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵)

(۲) ابن سعد کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں اور بہت غلطیاں کرتے تھے۔

(۳) ابن قانع کہتے ہیں صالح مگر خطا کار ہیں۔

(۴) دار قطنی کہتے ہیں ثقہ ہیں لیکن بہت خطا کرتے ہیں۔

(۵) امام ابوحاتم انہیں کثیر الخطاء کہتے ہیں۔ اور امام ابوزرعہ کہتے ہیں اسکی حدیث میں بہت غلطیاں ہیں (میزان الاعتدال)

(٦) امام ذہبی کہتے ہیں سچے ہیں اور سنت میں شدید ہیں اور کثیر الخطاء ہیں۔ (میزان الاعتدال)

(۷) مروزی نے کہا جب مومل حدیث میں منفرد ہوں تو واجب یہ ہے کہ توقف کیا جائے اسلئے کہ خراب حافظے اور کثیر غلطیوں والے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰)

(۸) ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کی جو حدیث ثوری سے ہو اس میں ضعف ہوتا ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۲۰٦) (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۱٦ تا ۵۱۸)

مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں اسماء الرجال کی کتابوں میں اتنے کلام ہیں وہ کس طرح عادل ہو سکتے ہیں؟ اسلئے دوسری شرط پوری نہیں ہوتی۔

(۴) **تـام الـضـبـط**:۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت جس میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اس کی سندیں اور "علٰی صدرہٖ یعنی سینہ پر" کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) نَـامُؤَمَّلٌ ،نَاسُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ ابْنِ كُلَيْبٍ ،عَنْ اَبِيْهِ ،عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ۔ صرف اس سند (صحیح ابن خزیمہ کی بطریق مؤمل بن اسماعیل) میں "علٰی صدرہٖ" موجود ہے۔

انہیں مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے علٰی صدرہٖ والی روایت بیہقی میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کو حضرت وائلؓ سے ان کی اہلیہ ام یحیٰی، پھر ان سے انکے لڑکے عبدالجبار، پھر ان سے ان کے لڑکے سعید بن عبدالجبار، پھر ان سے ان کے بھتیجے محمد بن حجر بن عبدالجبار بھی روایت کرتے ہیں، مگر چونکہ محمد کی اپنے چچا سے روایتیں منکر ہوتی ہیں، محمد بن حجر کے متعلق ذہبی نے کہا ہ کہ اس کے پاس مناکیر ہیں اور امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ "فِيْهِ بَعْضُ النَّظْرِ" اس میں کچھ نظر ہے میزان (ج ۳ ص ۵۱۱)۔ اور ام یحیٰی مجہول ہیں، اسلئے بیہقی کی یہ روایت متابعت کے قابل بھی نہیں ہے۔

لیکن انہیں سفیان عن عاصم کی سند سے جو مسندِ احمد ج ۴ ص ۳۱۸ پر ہے وہ اسطرح ہے....... عَبْـدُالـلّٰـهِ بْـنُ اَبُوالْوَلِيْدِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، اس میں علٰی صدرہٖ نہیں ہے۔

(۲) زَائِدَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (نسائی ج ۱ ص ۱۴۱) اسمیں "علٰی صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۳) بِشْرُبْنُ مُفَضَّلٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۲) میں "علٰی صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۴) عَبْـدُالـلّٰـهِ بْنُ اِدْرِيْسَ وَبِشْرُبْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابن ماجہ ص ۵۹) اسمیں بھی "علٰی صدرہٖ" نہیں ہے

(۵) عَبْدُالْوَاحِدِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱٦) میں بھی "علٰی صدرہٖ" نہیں ہیں

(٦) زُهَيْرُبْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْر (احمد ج ۴ ص ۳۱۸) میں بھی "علٰی صدرہٖ" نہیں ہے

(۷) شُعْبَۃُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج۴ ص۳۱۹) میں بھی ‘‘علیٰ صدرہٖ’’ نہیں ہے

(۸) سَلَامُ بْنُ سُلَیْمٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (طیالسی) میں بھی ‘‘علیٰ صدرہٖ’’ نہیں ہے۔

(۹) خَالِدُبْنُ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (بیہقی ج۲ ص۱۳۱) میں بھی ‘‘علیٰ صدرہٖ’’ نہیں ہے

مذکورہ ۹ سندوں میں سے ۸ سندوں میں ‘‘علیٰ صدرہٖ’’ نہیں ہے اس کا ذکر صرف سفیان کے طریق میں ہے (اور وہ بھی صرف صحیح ابن خزیمہ میں جب کہ سفیان کی اسی سند میں مسند احمد میں علیٰ صدرہٖ نہیں ہے) اور سفیان (امام سفیان ثوری) خود مجتہد ہیں اور انکا عمل اس حدیث پر نہیں (یعنی سفیان سینے پر ہاتھ نہیں باندھتے)۔ خود امام نووی شرح مسلم میں تحریر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ہمارے اصحاب میں سے ابواسحاق مروزی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔ (شرح مسلم ج۱ ص۱۷۳)

ان تمام وجوہات کی بناء پر ‘‘علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر’’ کا لفظ کس طرح تام الضبط ہوسکتا ہے؟ اسلئے تیسری شرط بھی پوری نہیں ہوتی۔

(۴) **غیر شاذ**:۔ مؤمل بن اسماعیل ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں (کیونکہ وہ رواۃ ‘‘علیٰ صدرہ’’ نہیں بیان کرتے)۔ اسلئے یہ روایت شاذ ہے۔

مزید یہ کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا موقف بھی شاذ ہے کیونکہ نماز میں ہاتھ باندھنا تو جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ (سوائے مالکیہ کے) لیکن ‘‘محل وضع (کہاں باندھے جائیں)’’ اس میں اختلاف ہے۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔

مالکیہ:۔ مالکیہ کے نزدیک فرض نماز میں مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں باندھے نہ جائیں۔

شوافع:۔ شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے، ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔

حنابلہ:۔ امام احمدؒ سے تین روایتیں ہیں (۱) ناف کے نیچے (۲) ناف کے اوپر (۳) اور دونوں جگہ باندھنے کی گنجائش ہے، البتہ متون میں جو قول لیا گیا ہے وہ ناف کے نیچے باندھنے کا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا مسلک اہلسنت والجماعت میں سے کسی کا نہیں ہے، یہ مسلک شاذ ہے۔ اسلئے چوتھی شرط بھی پوری نہیں ہوتی

(۵) **غیر معلل**:۔ مؤمل بن اسماعیل جب اکیلے ہوں تو ان کا تفرد قبول نہیں کیا جائیگا اور صحیح ابن خزیمہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت میں مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں اور ان پر درج بالا کلام ہیں اور مؤمل بن اسماعیل ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان سے ثقہ راوی ‘‘علیٰ صدرہٖ’’ نقل نہیں کرتے۔ اس لئے ‘‘علیٰ صدرہٖ’’ غیر محفوظ ہے۔

معلوم ہوا کہ روایت غیر محفوظ ہے۔ اس لئے پانچویں شرط پوری نہیں ہوتی۔

صحیح حدیث کی پانچ شرائط میں سے اس روایت میں چار شرائط یقیناً پوری نہیں ہوتیں۔ اسلئے یہ روایت ’’صحیح‘‘ نہیں ہے

غیر مقلدین کی تقلید:۔ اس کے برخلاف غیر مقلدین کا اصرار یہ ہے کہ یہ روایت ’’صحیح‘‘ ہے۔

اصل میں ان کے پاس دلیل کے نام پر یہی ایک روایت صریح ہے جس کو صحیح ثابت کرنے کیلئے وہ ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں اور مختلف توجیہات پیش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مثلاً

(۱) مذکورہ روایت مؤمل بن اسماعیل سے نہیں مروی ہے بلکہ یہ مؤمل بن فلاں یا بن فلاں ہیں۔

(۲) اس روایت کو علامہ البانیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، امام نوویؒ یا فلاں فلاں پائے کے محققین نے ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔

جوابات:۔ (۱) صحیح ابن خزیمہ جب سے تالیف کی گئی ہے تب سے اب تک اس روایت پر جو کچھ لکھا گیا ہے کسی میں یہ بحث نہیں ہے کہ ’’اس روایت کے راوی مؤمل بن اسماعیل نہیں بلکہ مؤمل بن فلاں فلاں ہیں‘‘ غیر مقلدوں کا یہ بالکل ہی جدید انکشاف ہے۔ غیر مقلدوں کی طرف سے اس جدید انکشاف کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ جس راوی کو منکرِ الحدیث کہہ دیں اس سے روایت نہیں لاتے، اور چونکہ امام بخاریؒ مؤمل بن اسماعیل سے روایت لائے ہیں (کہاں لائے ہیں اور کیسے لائے ہیں؟ یہ علم غیر مقلدین کو ہے) اس لئے مذکورہ روایت کے راوی مؤمل بن اسماعیل نہیں ہیں۔

(۲) اس روایت کے صحیح ہونے کی دوسری توجیہ غیر مقلدین یہ پیش کرتے ہیں کہ ’’علامہ البانیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، امام نوویؒ یا فلاں فلاں پائے کے محققین نے اس روایت کو ’’صحیح‘‘ کہا ہے اسلئے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے (اس روایت مذکورہ کو محققین نے کس انداز سے اور کیسے صحیح کہا ہے اسکا علم ان غیر مقلدین کو بخوبی ہے) اور اصول حدیث کی رو سے اسکی صحت کو نہ پرکھا جائے۔

ان توجیہات کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کے اقوال و افعال حجت نہیں ہیں چاہے وہ صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین۔ لیکن خیر القرون کے بعد کے افراد کا قول و فعل حجت ہے مثلاً (۱) امام بخاری کا فعل حجت ہے (۲) علامہ البانیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، امام نوویؒ کے اقوال حجت ہیں۔

مؤمل بن اسماعیل سے مذکورہ روایت اصولِ حدیث سے ’’صحیح‘‘ نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ لیکن غیر مقلدین کا اصرار یہ ہے کہ اسے اصولِ حدیث سے نہ پرکھا جائے بلکہ غیر نبی کے فعل یا قول کی بناء پر صحیح مان لیا جائے۔ یہ ہے غیر مقلدیت کی علم برداری۔ گو یا رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

تنبیہ:۔ بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ’’علیٰ صدرہٖ‘‘ کیلئے ہمارے پاس ایسی روایات بھی ہیں جن میں مؤمل بن اسماعیل نہیں ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ (امام بخاریؒ) کا قول ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی سب سے کم ضعیف روایت مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے ہے۔ وہ روایات جو دوسری طریق سے ہیں وہ اس روایت سے زیادہ ضعیف ہیں اور ان کی اسناد میں ایک نہیں بلکہ متعدد راویوں پر کلام ہے۔ مثلاً:

بیہقی میں یہ روایت محمد بن حجر بن عبدالجبار عن ام عبدالجبار کے طریق سے ہے۔

محمد بن حجر بن عبدالجبار:۔(۱) ذہبی نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں (میزان الاعتدال ص ۵۱۱ ج ۳)

(۲) امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ ان میں کچھ نظر ہے (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۱۱)

ام عبدالجبار:۔ ابن ترکمانی نے انہیں مجہول کہا ہے۔ (الجوہر النقی)

سعید بن عبدالجبار بن وائل الحضرمی:۔ ضعیف ہیں (تقریب)

روح بن مسیب :۔(۱) روح بن میسّب متروک ہیں (آثارالسنن)

(۲) ابن حبان نے کہا کہ ثقہ راویوں سے موضوع روایت کرتا تھا اور ان سے روایت حلال نہیں ہے۔

(۳) ابن عدی نے کہا کہ ان کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

(۴) بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے ''فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ'' کے متعلق اور یہ صحیح نہیں ہے۔

(۲) **قبیصہ بن ہلبؓ کی روایت** :۔ ● حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ ثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنَا سِمَاکٌ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ وَرَأَيْتُهٗ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ وَوَصَفَ يَحْيٰى الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصِلِ . **ترجمہ**:۔ حضرت ہلبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا وہ دائیں اور بائیں طرف سے مڑتے تھے اور میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے یہ اپنے سینے پر رکھا اور یحییٰ نے بیان کیا کہ دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ کی کلائی پر رکھا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶)

استدلال پر اعتراضات:۔

آثار السنن سے:۔ علیٰ صدرہٖ غیر محفوظ ہے اور اس کی سند میں سماک بن حرب لین ہیں۔

علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر غیر محفوظ:۔ صاحب آثار السنن فرماتے ہیں کہ اس کو روایت کیا احمد نے وکیع کے طریق سے اور دار قطنی نے عبدالرحمٰن بن مھدی کے طریق سے اور وَکِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سِمَاکٍ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ ان تمام روایات میں ''علیٰ صدرہٖ'' نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۱۴۴، ۱۴۵)

قبیصہ بن ہلب:۔ صاحب آثار السنن صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں۔

(۱) صاحب المشکوٰۃ نے اکمال میں کہا۔ وہ ثقہ ہیں اور ان کا حافظہ خراب تھا اور ابن مبارک اور شعبہ وغیرہ نے انکو ضعیف کہا ہے

(۲) ذھبی نے میزان میں کہا ہے کہ ابن مبارک نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔

(۳) احمد نے کہا کہ یہ مضطرب الحدیث ہیں۔

(۴) صالح نے کہا کہ جزرہ ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

(۵) نسائی نے کہا کہ جب یہ منفرد ہوں تو حجت نہیں ہیں۔ (میزان ج ۲ ص ۲۴۳)

تخریج صلوۃ الرسول سے :۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں سوائے قبیصہ بن ہلب کے۔
(تخریج صلوۃ الرسول ص ۲۲۹ حاشیہ)

تجلیات صفدر سے:۔

علیٰ صدرہ غیر محفوظ ھے :"علیٰ صدرہٖ یعنی سینہ پر" صرف مسند احمد کی ایک سند میں ہے اور دوسری اسناد میں نہیں ہے۔ حدیث ہلب کی اسناد درج ذیل طریقے پر ہیں۔

(۱) یَحییٰ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ سُفْیَانَ قَالَ. حَدَّثَنَا سِمَاکٌ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ ھُلْبٍ عَنْ اَبِیْہِ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶)

(۲) وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ سِمَاکٍ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ ھُلْبٍ عَنْ اَبِیْہِ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱) اس میں "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے

(۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مَھْدِیٍّ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ سِمَاکٍ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْن ھُلْبٍ عَنْ اَبِیْہِ (دار قطنی ج ۱ ص ۱۰۴) اس میں بھی "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے۔

(۴) عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاکٍ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ ھُلْبٍ عَنْ اَبِیْہِ (ترمذی باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ ص ۵۹، ابن ماجہ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ ص ۵۹) اس میں بھی 'علیٰ صدرہٖ' نہیں ہے۔

(۵) شَرِیْکٌ عَنْ سِمَاکٍ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ ھُلْبٍ عَنْ اَبِیْہِ (احمد) اس میں بھی 'علیٰ صدرہٖ' نہیں ہے۔

"علیٰ صدرہٖ" صرف پہلی سند میں ہے اور بقیہ چار اسناد میں "علیٰ صدرہٖ" نہیں ہے اور پہلی سند کا یہ حال کہ اسکا پہلا راوی یحییٰ بن سعید ہے۔

راویوں پر کلام:۔

یحییٰ بن سعید :۔ امام احمد کے معاصرتین ہیں۔ (۱) یحییٰ بن سعید العطار (۲) یحییٰ بن سعید بن سالم القداح (۳) یحییٰ بن سعید القرشی الحمصی ہیں اور تینوں کے تینوں ضعیف ہیں۔ اگر کوئی اور یحییٰ بن سعید ہے تو سند میں اس کی صراحت دکھائی جائے۔

تیسرے راوی سماک بن حرب ہیں۔

سماک بن حرب:۔ (۱) خود سفیان نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) ایک سے زائد ائمہ نے انہیں لین کہا ہے۔

(۳) ثقہ ہیں۔ خراب حافظہ والے ہیں۔

(۴) ابن مبارک اور شعبہ وغیرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(۵) ابن مبارک نے کہا کہ عن سفیان وہ ضعیف ہیں۔

(٦) امام احمد نے انہیں مضطرب الحدیث کہا ہے اور صالح جزرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(٧) اور نسائی نے کہا کہ جب یہ منفرد ہوں تو حجت نہیں ہیں۔

چوتھے راوی قبیصہ بن ھلب ہیں۔

قبیصه بن هلب:۔ قبیصہ بن ھلب مجہول ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات صفدر ج ٣ ص ٥٢٠)

یہ روایت بطور دلیل کے نہیں پیش کی جاسکتی۔ قبیصہ بن ھلب کی روایت میں ایک تو تصحیف کاتب ہے اور بالفرض علیٰ صدرہٖ مان بھی لیا جائے تو یہ ثقہ راویوں کی مخالفت ہے کیونکہ وہ "علیٰ صدرہٖ" بیان نہیں کرتے اسلئے غیر محفوظ ہے۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں اس روایت کو بطور استدلال نہ امام نووی (سن ھ ٦٧٩) نے اور نہ ہی ابن حجر نے (سن ھ ٨٥٢) نہ کسی اور نے پیش کیا۔ اس روایت کو بطور استدلال سب سے پہلے علامہ محمد حیات سندھی (سن ھ ١١٦٣) نے پیش کیا۔ اور علامہ نیموی نے پیش نہ کرنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ "علیٰ صدرہٖ" تصحیف کاتب ہے۔ اصل لفظ یوں تھے "یَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰی هٰذِهٖ وَوَصَفَ یَحْیٰی اَلْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فَوْقَ الْمَفْصِلِ" کہ آپ ﷺ نے یہ ہاتھ اس ہاتھ پر رکھا اور یحییٰ نے وضاحت کی کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھا اس میں محل وضع (رکھنے کی جگہ) کا ذکر ہی نہیں۔ کسی کاتب نے غلطی سے ھٰذہٖ علیٰ صدرہٖ لکھ دیا یعنی دوسرے ھٰذہٖ کو صَدْرِہٖ بنا دیا اور اس کی وجہ سے عبارت ہی بے معنی ہو گئی اور اس کا اگلی عبارت سے کوئی ربط ہی باقی نہ رہا۔ کیونکہ یحییٰ نے پہلے ھٰذِہٖ کے بارے میں فرمایا کہ دایاں ہاتھ اور "علیٰ صدرہٖ" کی تشریح یہ کی کہ بائیں ہاتھ کے جوڑ پر اس کا سینے سے کیا تعلق۔ علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں اس تصحیف کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ علامہ ھیثمی مجموعۃ الزوائد میں مسند احمد کی وہ تمام احادیث جمع کردی ہیں جو صحاح ستہ سے زائد تھیں مگر حدیث ھلب "علیٰ صدرہٖ" کے الفاظ بالکل نہیں لائے۔ انکے بعد سید علی متقی بھی کنز العمال میں حدیث ھلب ان الفاظ کے ساتھ نہیں لائے۔ اور پھر علامہ جلال الدین سیوطی بھی 'جمع الجوامع' میں اس حدیث کو نہیں لائے۔

(٣) **حضرت طاؤس کی روایت**:۔ ● حَدَّثَنَا اَبُوْ تَوْبَةَ ثَنَا الْهَیْثَمُ یَعْنِیْ ابْنَ حُمَیْدٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ مُوْسٰی عَنْ طَاوُسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَضَعُ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِهِ الْیُسْرٰی ثُمَّ یَشُدُّ بِهِمَا عَلٰی صَدْرِهٖ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ **ترجمه**:۔ "حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ نماز میں اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینے پر باندھا کرتے تھے" (مراسیل ابوداؤد کتاب الصلوۃ ص ٦)

استدلال پر اعتراضات:۔

آثار السنن سے:۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ اس میں سلیمان بن موسیٰ ایک راوی ہیں جنہیں لین الحدیث کہا گیا ہے۔ بخاری نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں۔ اور نسائی نے کہا قوی نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لئے آثار السنن ص ١٤٥)

تخریج صلوۃ الرسول سے:۔ سلیمان کو نسائی نے غیر قوی کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کچھ

اضطراب ہے۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۹ حاشیہ)

تجلیات صفدر سے:۔ (۱) ایک نسخہ میں ہے حضرت طاؤس روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے۔ یعنی علیٰ صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔

(۲) آگے ایک نسخے میں ہے.............. ”علیٰ صدرہٖ“ اور آگے ہے پھر ان کو سینے پر مضبوط کرتے۔

(۳) دوسرے نسخے میں................ ”علیٰ صدرہٖ“ آگے ہے، ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر سینے پر رکھتے۔

اس کی سند کا حال یہ ہے

(۱) یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعی حضرت طاؤسؒ نے صحابی کا نام لئے بغیر براہِ راست [illegible] سے روایت کو پیش کیا۔ اور مرسل روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے اسلئے غیر مقلدین اس روایت کو سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں بطور دلیل پیش کر سکتے ہی نہیں۔

(۲) اس میں ایک راوی هیثم ہیں اور ان کے بارے میں تقریب التہذیب میں ہے وَهُوَ صَدُوْقٌ .... یعنی وہ سچے ہیں لیکن ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے (التقریب ص ۲۲۸)

(۳) اور اس میں چوتھے راوی ”سلیمان بن موسیٰ اموی“ ہیں۔

سلیمان بن موسیٰ:۔ (۱) نسائی نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہیں۔

(۲) ابوحاتم نے کہا ہے ان کی حدیث میں کچھ اضطراب ہے۔

(۳) ابن عدی نے کہا ہے یہ بعض احادیث میں منفرد ہیں۔

(۴) بخاریؒ نے کہا کہ انکے پاس مناکیر ہیں (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۷)

(۵) صدوق اور فقیہ ہیں لیکن انکی حدیث میں لین ہیں اور موت سے قبل انکا حافظہ خلط ملط ہو گیا تھا (تقریب ج ۱ ص ۳۳۱)

درج بالا وجوہات کی بناء پر اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

[**تنبیہ**:۔ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ امام داؤد نے مراسیل میں اس پر سکوت اختیار کیا ہے اس لئے یہ حسن ہو گی صحیح ہے۔ انہیں تو اصول حدیث سے روایت کو صحیح ثابت کرنا چاہئے۔ دوم یہ کہ ابوداؤد کے سکوت کو جو حسن یا صالح کہا جاتا ہے تو اس میں تفصیل ہے کہ صالح برائے احتجاج (حجت) ہے یا صالح برائے اعتبار۔ تو مذکورہ روایت صالح برائے احتجاج یقیناً نہیں ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

(۴) **دیگر روایات**:۔ اس سلسلہ کی دیگر تمام روایات ضعیف ہیں۔ (آثار السنن ص ۱۴۵، ۱۴۶ حاشیہ) مثلاً

● سنن بیہقی کی روایت اَخْبَرَنَا اَبُوْ سَعْدٍ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ الصُّوْفِيُّ قَالَ اَنْبَأَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ بْنِ عَدِيِّ الْحَافِظُ ثَنَا ابْنُ صَاعِدٍ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُجْرٍ اَلْحَضْرَمِيُّ حَدَّ ثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِالْجَبَّارِ ابْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَضَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ الْمِحْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيْرِ ثُمَّ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلَى الْيُسْرَىٰ عَلٰى صَدْرِهٖ ۔

اس کی اسناد بہت ضعیف ہیں اس میں محمد بن حجر ہیں اورام عبدالجبار ہیں اور وہ ام یحیٰ ہیں اور مجہول ہیں اور اس میں سعید بن عبدالجبار بھی ہیں جو ضعیف ہیں۔ ذھبی نے میزان میں کہا ہے کہ ان کیلئے مناکیر ہیں۔ کہا گیا کہ ان کی کنیت ابوالخنافس ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ ان میں نظر ہے۔ ابن ترکمانی نے جوہرالنقی میں کہا ہے کہ محمد بن حجر بن عبدالجبار بن وائل عن عمہ سعیدان کیلئے مناکیر ہیں۔ ذھبی نے کہا ہے کہ ام عبدالجبار وہ ام یحیٰ ہیں نہ میں ان کا حال جانتا ہوں نہ ان کا نام۔ سعید بن عبدالجبار نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہیں۔ (آثارالسنن ص ۱۴۵ حاشیہ)

تفسیر فصل لربک وانحر :۔ ☆ اور اسی طرح سنن بیہقی کی روایت ہے اَخْبَرَنَا اَبُوْ زَكَرِيَّا ابْنِ اَبِيْ اِسْحَاقَ اَنْبَأَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَعْقُوْبَ ابْنِ الْبُخَارِيُّ اَنْبَأَنَا يَحْيٰى بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَنْبَأَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ثَنَا رَوْحُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ثَنِيْ عَمْرُو ابْنُ مَالِكِ النُّكْرِيّ عَنْ اَبِي الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) قَالَ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ النَّحْرِ ۔

اسمیں روح بن المسیب ہیں جو متروک ہیں اور ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات سے موضوع روایات کرتا تھا اس سے روایت حلال نہیں ہے۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

☆ اور اسی طرح بیہقی کی روایت حضرت علیؓ سے ہے حضرت ابن عباس ؓ جیسی۔ ابن ترکمانی نے کہا کہ اس کی سند میں اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تفسیر سورہ کوثر میں ج ۴ ص ۵۵۸ پر کہا ہے "وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهٖ (وَانْحَرْ) وَضْعُ الْيَدِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيَدِ الْيُسْرَىٰ تَحْتَ النَّحْرِ ..... **ترجمہ**:۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ وانحر سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر حلق کے نیچے رکھیں روایت کیا جاتا ہے یہ حضرت علیؓ سے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثارالسنن ص ۱۴۵، ۱۴۶ حاشیہ، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلاءالسنن ج ۲ ص ۲۰۰)

طبرانی حضرت وائل:۔ یہ الفاظ مروی ہیں ثُمَّ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى صَدْرِهٖ................ (تخریج ص ۲۳۱)

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ "وَانْحَرْ" سے مراد دایاں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا 'نحر' کے نیچے یہ قول حضرت علیؓ کے طریق سے پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

عام طور پر جو روایات صریح ہیں یعنی جن میں "علیٰ صدرہ سینہ پر" کا لفظ ہے وہ اتنی ہی روایات ہیں۔ اگر اور کوئی صریح روایت غیر مقلدین پیش کریں تو جائزہ لیا جائے کہ وہ روایت موقوف تو نہیں ہے یا آثار میں سے تو نہیں ہے جس کو

مرفوع کے نام سے پیش کر دیا گیا یا اس میں اور کوئی علت تو نہیں ہے۔

صحابہ وتابعین کے آثار:۔ سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ غیر مقلدین اس سلسلہ میں صحابہ وتابعین کے کچھ آثار پیش کرتے ہیں۔ اول تو ان آثار کی اسناد غیر صحیح ہیں۔ دوم غیر مقلدین کو ان آثار کے پیش کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے کیونکہ غیر نبی کا قول وفعل ان کے نزدیک حجت نہیں۔

قیاسات:۔ غیر مقلدین بعض مرتبہ ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں سرے سے ''علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر'' کا لفظ ہی نہیں ہوتا لیکن وہ ان روایات میں قیاس کرتے ہیں اور اپنے قیاس کو حدیث کا نام دیتے ہیں یعنی ''بات اپنی نام حدیث کا''۔ مثلاً

مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ سے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ '' آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت اور کلائی پر رکھا'' آگے تحریر کرتے ہیں ''شیخ البانی فرماتے ہیں کہ اس کیفیت پر عمل کرنے سے لازماً ہاتھ سینہ پر آئینگے تجربہ کر کے دیکھیں'' (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۰ حاشیہ)۔ حالانکہ اس کیفیت پر عمل کرنے کے بعد ہاتھ سر پر بھی آسکتے ہیں تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ تو یہ ان غیر مقلدین کا قیاس ہے، روایت میں کہیں ''علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر'' کا لفظ نہیں ہے، اور اس قیاس کو وہ حدیث کا نام دیتے ہیں یعنی بات اپنی نام حدیث کا

اسی طرح یہ حضرات صحیح بخاری سے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ ''لوگوں کو (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں''۔ اور آگے تحریر کرتے ہیں ''کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کی صورت میں ہاتھ زیر ناف نہیں ہو سکتے'' (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۱ حاشیہ)۔ صحیح بخاری کا حوالہ دے کر سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل پیش کرنے کا نام لے کر، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ روایت میں نہ کہیں ''علیٰ صدرہ'' ہے اور نہ ہی ''تحت السرہ یعنی ناف کے نیچے'' کا لفظ ہے، لیکن اپنے قیاس غلط سے سینہ کی تائید اور ناف کے نیچے کی تردید کرتے ہیں اور نام دیتے ہیں حدیث کا۔ یعنی وہی ''بات اپنی نام حدیث کا'' جو ان کا وطیرہ ہے۔ یہ سب ان کے قیاسات ہیں۔ جبکہ ان کے نزدیک قیاس حجت ہی نہیں ہے۔ یہاں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں بطور دلیل ''صحیح صریح'' روایت درکار ہے۔ اس لئے تمام غیر صریح روایات مذکورہ مسئلہ میں صرف قیاس کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے غیر مقلدین کی طرف سے بطور دلیل ناقابلِ قبول ہیں۔

بعض مرتبہ غیر مقلدین اپنے استدلال میں ایسی روایات بھی پیش کرتے ہین جن میں فوق السرہ یعنی ناف کے اوپر کے الفاظ ہوتے ہیں۔ جبکہ ان کا دعویٰ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ہے، ناف کے اوپر نہیں، اسلیئے فوق السرہ کی روایات ان کی طرف سے ناقابل قبول ہیں۔

غیر مقلدین کا دعویٰ ''سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل میں'' ایک بھی ''صحیح حدیث'' موجود نہیں ہے، جس سے ثابت ہو سکے کہ کسی نے ایک مرتبہ بھی حضور ﷺ کو سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہو، پھر اسکو ''سنت'' ثابت کرنا تو جوئے شیر لانا

ہے۔ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے ”سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے“، یہ غیر مقلدین کا صرف قیاس ہے، (اور قیاس سے سنت مؤکدہ نہیں ثابت ہوسکتی) لہذا ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور بلا دلیل عمل کرنا ان کے نزدیک شرک ہے، اسلئے رد ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائلین مذکورہ باب میں بہت سی روایات پیش کرتے ہیں، جن میں سے پانچ درج ذیل ہیں۔

(۱) وائل ابن حجرؓ کی روایت (۲) حضرت علیؓ کی روایت (۳) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت
(۴) حضرت ابومجلزؒ کی روایت (۵) حضرت ابراہیم نخعیؒ کی روایت

(۱) **حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت:۔** ●حَدَّثَنَا وَکِیعٌ، عَنْ مُوسَی بْنِ عُمَیْرٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَائِتُ النَّبِیَّ ﷺ وَضَعَ یَمِیْنَهُ عَلٰی شِمَالِهِ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ . **ترجمہ:**۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ”وضع الیمین علی الشمال“ ج ۳ ص ۳۲۱ طبع کراچی)

استدلال پر اعتراضات:۔

تخریج صلوۃ الرسول سے:۔ اس حدیث سے دلیل لینا صحیح نہیں کیونکہ جس سند سے یہ روایت ابن ابی شیبہ میں ہے بعینہٖ اسی سند سے یہ مسند احمد میں بھی ہے اور اس میں ”تحت السرّہ“ (ناف کے نیچے) کی زیادتی نہیں ہے لہذا ابن ابی شیبہ میں زیادتی کسی ناسخ کی طرف سے سہواً ہوئی ہے۔ (تخریج صلوۃ الرسول ص ۲۳۰ حاشیہ، تنبیہ)

آثار السنن سے:۔ علامہ نیموی کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اکثر نسخوں میں موجود ہے لیکن یہ زیادتی ”تَحْتَ السُرّةِ“ کی، ’عَلٰی صَدْرِہٖ‘ کی زیادتی کی طرح غیر محفوظ ہے اس لئے کہ یہ ثقہ راوی کی روایات کی مخالفت ہے۔ اور اس کے ساتھ اس میں اضطراب ہے۔ اور اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن متن کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

(آثار السنن ص ۱۴۹ حاشیہ)

جواب:۔ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت وائل ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھا دیکھا اور اس میں اسکے بعد ”تَحْتَ السُرّةِ“ (ناف کے نیچے) کا لفظ نہیں ہے، لہذا ابن ابی شیبہ میں زیادتی کسی ناسخ کی طرف سے سہواً ہوئی ہے۔ اس کے جواب کے لئے نسخہ جات کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

نسخہ جات:۔ (۱) پہلا نسخہ شیخ قاسم بن قطلو بغا (۸۷۹ھ) کا ہے اس میں ’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کا لفظ موجود ہے۔

(۲) شیخ محمد اکرم نصر پوری کے نسخہ میں ’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کا لفظ موجود ہے۔

(۳) شیخ عبدالقادر مفتی مکہ معظّمہ کے نسخہ میں ’’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کالفظ موجود ہے۔

(۴) مدینہ منورہ میں قبہ محمودیہ میں ’’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کالفظ موجود ہے۔

(۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب ’’عَونُ الْمَعْبُودِ‘‘ کے نسخہ میں بھی ’’تَحْتَ السُرّةِ ‘‘ کالفظ موجود ہے اس کی نقل پیر جھنڈا کے پاس ہے اس میں بھی ’’تَحْتَ السُرّةِ ‘‘ کالفظ موجود ہے اور اس نسخہ کی نقل مدینہ منورہ میں شیخ عابد سندھی کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے اسمیں بھی ’’تَحْتَ السُرّةِ ‘‘ ہے ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں مصنف مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ مطبوعہ ملتان اور مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں بھی موجود ہیں۔ الغرض ان نسخوں میں کوئی نسخہ مصر کا ہے، کوئی مکہ معظّمہ کا، کوئی مدینہ منورہ کا، کوئی سندھ کا، کوئی ہند کا، سب نسخوں میں ’’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کالفظ موجود ہے۔

(۶) ملا قائم سندھی نے الکرام میں لکھا ہے کہ ’’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ لفظ اکثر صحیح نسخوں میں موجود ہے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک صحیح نسخہ میں یہ لفظ دیکھا ہے جس پر تصحیح کرنے والوں کے نشان بھی ہیں۔

(۷) عبداللہ ابن سالم بصری کے نسخہ میں ’’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کالفظ نہیں ہے۔

غرض چھ نسخوں میں ’’تَحْتَ السُرّةِ‘‘ کالفظ ہے اور ایک نسخہ میں نہیں ہے۔ تو سھو (غلطی) ایک نسخہ میں ہوا کہ چھ نسخوں میں؟

(بحث کی مزید تفصیل کیلئے اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۹۷ تا ۲۰۰ حاشیہ، نیز تجلیاتِ صفدر ج ۳ ص ۵۲۵ تا ۵۲۷ ملاحظہ ہو)

(۲) **حضرت علیؓ کی روایت** :۔ ● **حَدَّثنامُحَمَّدُبْنُ مَحْبُوبٍ ثَنَاحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ اَنَّ عَلِيًّا قَالَ: اَلسُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.** **ترجمہ**:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ’’وضع اليمين على الشمال‘‘ ج ۳ ص ۳۲۴، ابوداؤد حدیث ۷۵۶ ص ۱۲۷۹ الکتب الستہ طبع سعودیہ عربیہ، مسند احمد ج ۱: ص ۱۱۰، دار قطنی ۱/۲۸۶/۹/۱۰، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۳۱، مسند بزار ۱/۱۱۰)

یہ روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ سنت سے ہے اسلئے مرفوع کے حکم میں ہے۔

استدلال پر اعتراض :۔ اس کی سند میں ایک روای عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہیں۔ احمد بن حنبل اور ابوحاتم نے انہیں منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن معین نے کہا ہے ’’لَيْسَ بِشَئٍ‘‘ اور امام بخاری نے کہا ہے کہ ان میں نظر ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۰ حاشیہ)

جواب : حضرت عجلیؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق جائز الحدیث ہیں۔ اپنی حدیث لکھتے تھے اسلئے روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ یہ روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے شواہد میں سے ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۹۳ حاشیہ)

(۳)**حضرت ابوهريرةؓ کی روایت**: ●حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنِ زِيَادٍعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اِسْحَاقَ الْكُوفِيِّ عَنْ سَيَّارٍ اَبِى الْحَكَمِ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ قَالَ:قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَؓ :اَخْذُ الْاَكُفِّ عَلَى الْاَكُفِّ فِى الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ **ترجمه**:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز میں ہتھیلیوں کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (ابوداؤد حدیث ۷۵۸ ص۱۲۷۹ الکتب الستہ طبع سعودیہ عربیہ)

یہ روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔

استدلال پر اعتراض:۔ اس کی سند میں بھی عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہیں۔

جواب:۔ حضرت عجلیؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق جائز الحدیث ہیں۔ اپنی حدیث لکھتے تھے اسلئے روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ یہ روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے شواہد میں سے ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج۲ ص۱۹۴ حاشیہ)

(٤)**ابومجلزؒ کی روایت**:۔ ●حَدَّثَنَايَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَخْبَرَنَاالْحَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ اَوْسَاَلْتُهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهٖ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَيَجْعَلُهُمَااَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ . **ترجمه**:۔ حضرت حجاج بن حسانؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو مجلزؒ سے سنا (راوی کہتے ہیں) میں نے ان سے دریافت کیا کہ (حضور اکرم ﷺ ہاتھوں کو) کیسے رکھتے تھے، تو فرمایا کہ حضور ﷺ اپنے دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہری حصہ پر رکھتے تھے اور ان دونوں کو ناف سے نیچے رکھ لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "وضع الیمین علی الشمال" ج۳ ص۳۲۳)

حضرت ابومجلزؒ تابعی کبیر ہیں اور ان کا انتقال صحابہ کے زمانہ میں ہوا۔

(٥)**حضرت ابراهيم نخعیؒ کی روایت**:۔☆حَدَّثَنَاوَكِيْعٌ ،عَنْ رَبِيْعٍ،عَنْ اَبِىْ مَعْشَرٍ،عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَضَعُ يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهٖ فِى الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ . **ترجمه**:۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "وضع الیمین علی الشمال" ج۳ ص۳۲۲)

مشہور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے (انکے اقوال کے حوالے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر بطور دلیل تحریر فرمایا ہے مثلاً وَقَالَ حَمَّادٌعَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ وَاِلَّافَلَا تُسَلِّمْ ۔ اور حماد نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا کہ جب حمام میں ہو اور ازار باندھے ہوئے ہو تو سلام کرے اور ازار نہ باندھے ہوئے ہو تو سلام نہ کرے (صحیح بخاری باب قرأۃ القرآن بعد الحدث ...الخ ج۱ ص۳۰)۔

تحقيق مسئله مذكوره:۔ احادیث دونوں جانب ہیں اگر خدانخواستہ کوئی فریق صرف ایک قسم کے دلائل کو مانتا ہے

اور دوسری قسم کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ احادیث کا انکار کرتا ہے جو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں اجتھاد کیا جائے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات کا جائزہ

(۱) **حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت:** اسکی اسناد میں نظر ہے اور ''عَلیٰ صَدْرِہٖ (سینہ پر)'' کی زیادتی غیر محفوظ ہے

(۲) **حضرت قبیصہ بن ہلبؓ کی روایت:** ۔ اس میں ''عَلیٰ صَدْرِہٖ (سینہ پر)'' کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔ اور اسکی اسناد میں کلام ہے۔

(۳) **حضرت طاؤسؒ کی روایت:** اس کی اسناد ضعیف ہیں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور وہ صحابی کا نام لئے بغیر براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اسلئے یہ روایت مرسل ہے، اور مرسل روایات غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

(۴) سینہ پر ہاتھ باندھنے کے باب میں دوسری تمام روایات ضعیف ہیں۔ اور اس باب میں کچھ ''آثار'' بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ ''آثار'' سلف (صحابہ و تابعین، تبع تابعین) کے اقوال یا افعال ہیں اسلئے غیر مقلدین کو دلائل میں اِن آثار کو پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے اور ان کی طرف سے نا قابل قبول ہیں۔

غرض چاروں قسم کی روایات کا جائزہ لینے سے یہ تحقیق سامنے آتی ہے کہ ان میں کہیں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل میں ایک بھی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ بلکہ روایات غیر محفوظ ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح حدیث حجت ہے۔ نیز غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ ''سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے''، اسکے خلاف جائز نہیں اسلئے سنتِ مؤکدہ کے حکم میں ہے۔ اسکی دلیل میں انہیں صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے۔ لیکن غیر مقلدین کے پاس اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے۔ اسلئے غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ''سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے'' رد ہے۔ مزید یہ کہ بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے اور یہ ان کے نزدیک شرک ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات کا جائزہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ کی حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت میں چھ نسخوں میں ''تحت السرہ یعنی ناف کے نیچے'' کا لفظ موجود ہے۔ صرف ایک نسخہ میں نہیں ہے۔ اور اس کی سند بھی صحیح ہے اسلئے بطور دلیل زیادہ مضبوط ہے۔ لیکن صاحب آثار السنن کی بات تسلیم کی جائے تو روایت غیر محفوظ ہوگی۔ (۲) اور (۳) ابوداؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے حضرت علیؓ کی روایت۔ ابوداؤد سے حضرت ابوھریرہؓ کی روایت۔ اگر چہ حضرت عجلیؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق جائز الحدیث ہیں۔ اپنی حدیث لکھتے تھے اسلئے روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ لیکن صاحب آثار السنن کے قول کے مطابق روایات ضعیف ہیں۔

غرض مرفوع روایات غیر محفوظ ہیں :۔(۴) اور (۵) حضرت ابومجلزؒ کا اثر جید (بہت صحیح) سند کے ساتھ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر حسن سند کیساتھ۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی مرفوع روایات اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی مرفوع روایات دونوں ''غیر محفوظ'' ہیں اسلئے دونوں جانب روایات یکساں درجہ کی ہوگئیں۔ اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ''جب احادیث متساویۃ الاقدام (یکساں درجہ کی) ہوں تو سلف (صحابہ وتابعین کبار) کے اقوال، افعال سے ایک جانب ترجیح دی جائے گی''۔ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں دو جلیل القدر تابعین حضرت ابومجلز کا قول ''صحیح'' سند کے ساتھ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول ''حسن'' سند کے ساتھ موجود ہے۔ حنفی مسلک میں اقوال وافعال سلف حجت ہیں۔

قَوْلُ التَابِعِيّ الْكَبِيْرِ حُجَّتٌ عِنْدَالْاَ حُنَافِ

قَوْلُ التَّا بِعِيّ الْكَبِيْرِ الَّذِىْ ظَهَرَفَتْوَاهُ فِىْ زَمَنِ الصَّحَابَةِ. حُجَّةٌ عِنْدَنَا كَا الصَّحَابِيِّ، كَذَافِىْ "التَّوْضِيْحِ" (ج ۲ ص ۱۷. وَعِبَارَةُ "التَّوْضِيْحِ ")هٰكَذَا("فَهُوَ كَاالصَّحَابِيِّ عِنْدَ الْبَعْضِ. لِاَنَّهٗ بِتَسْلِيْمِهِمْ اِيَّاهُ دَخَلَ فِىْ جُمْلَتِهِمْ") **ترجمہ**:۔ جس تابعی کبیر کے فتوے صحابہ کے زمانہ میں شائع تھے، ہمارے نزدیک ان تابعی کا قول حجت ہے، جیسا کہ ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے (التوضیح ج ۲ ص ۱۷، اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۱۳۲)۔ اور ابومجلز جن کا نام لاحق بن حمید البصری ہے ان کا انتقال صحابہ کے زمانہ میں سن ھجری ۱۰۰ یا ۱۰۱ میں ہوا۔ اسلئے مستحب کی دلیل میں ان کا قول حجت ہے اسی طرح مشہور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے (انکے اقوال کے حوالے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر بطورِ دلیل تحریر فرمایا ہے)، انکا قول بھی حسن سند کیساتھ موجود ہے۔

اسلئے دونوں ''آثار'' کی بناء پر احناف کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا موقف راجح ہوگیا اور اسی کو معمول بہ ٹھہرایا گیا۔ فا الحمد للہ علی ذالک

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائے گا، لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے، اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اس کے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا ہاتھ باندھنے کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے

تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

کوئی بایاں ہاتھ کی کہنی دائیں ہاتھ سے اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو بائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے۔

کوئی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں بغل کے نیچے رکھ کر اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑتا ہے۔

کوئی بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر بائیں ہاتھ کو کہنی کے قریب پکڑتا ہے۔

اور کوئی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی رکھ کر شانے اور پیٹھ سکوڑ کر حلق کے نیچے رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ اور طرح کے بھی دلچسپ مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبطِ ملت ہے۔

سوالات

(۱) سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ایک صحیح صریح حدیث پیش کریں؟

(۲) فرقہ اہل حدیث کا ہاتھ باندھنے کا موقف کیا ہے کہ بایاں ہاتھ نیچے رکھ کر بائیں ہاتھ کی کہنی کو دائیں ہاتھ سے پکڑا جائے؟ یا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں بغل کے نیچے رکھ کر اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑا جائے؟ یا بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر بائیں ہاتھ کو کہنی کے قریب پکڑا جائے؟ یا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی رکھ کر شانے اور پیٹھ سکوڑ کر حلق کے نیچے رکھا جائے؟ یا کوئی اور کیفیت؟

(۳) سینہ پر ہاتھ کیسے باندھا جائے اس کی کیفیت صحیح حدیث سے پیش کیجئے؟

مسئلہ قرأت خلف الامام

انفرادی نمازوں میں قرأت قرآن (سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھنا) جمہور امت کے نزدیک واجب یا فرض ہے۔

اسی طرح مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اس پر بھی سب متفق ہیں (سورۂ فاتحہ کے سوا)۔ لیکن مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے اس میں اختلاف ہے۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک بہر صورت خواہ جہری نماز ہو یا سرّی، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کیلئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

مالکیہ:۔ مالکیہ کے نزدیک بھی جہری نمازوں میں مقتدی کیلئے فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے، خواہ وہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو، اور سرّی نماز میں فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

شوافع: امام شافعیؒ کا قولِ قدیم یہ تھا کہ جہری نماز میں مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے، لیکن وفات سے دو سال پہلے جب آپ مصر میں اقامت پذیر ہوئے تو جدید قول یہ فرمایا کہ جہری نماز میں بھی اور سری نماز میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض ہے

حنابلہ: حنابلہ کے نزدیک جہری نماز میں اگر مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو تو امام کیساتھ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اتنا دور ہو کہ امام کی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو تو فاتحہ پڑھنا جائز ہے، اور جہری نماز میں امام کے سکتوں میں، اسی طرح سرّی نماز میں فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

''مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہے'' اس دعویٰ کی حقیقت

غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (نماز جہری ہو یا سری)۔ 'فرض' کی دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ چاہیئے ('قیاس' سے فرض ثابت نہیں کیا جاسکتا)

غیر مقلدین استدلال میں جو روایات پیش کرتے ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم صریح روایات کی ہے (جن میں نفس مسئلہ الفاظ کیساتھ مذکور ہے۔ مثلاً یہاں جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر ہے)، یہ تمام روایات غیر صحیح ہیں۔ اور دوسری قسم غیر صریح روایات کی ہے (جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر نہیں ہے بلکہ جن میں قیاس کرنا ہوتا ہے)، ایسی روایات قابلِ حجت نہیں اگر چہ صحیح ہوں۔

''مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہے'' اس کی دلیل میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں اس لئے نفس مسئلہ ثابت ہی نہیں ہوتا۔

ایک تو استدلال میں روایات صحیح صریح نہیں ہیں، دوسرے یہ روایات صرف تین صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ (۱) حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایات (۲) حضرت انسؓ سے روایات (۳) حضرت ابوھریرۃؓ سے روایات۔ اسلئے ان روایات کا ''متواترہ'' ہونیکا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب کہ فرض کیلئے دلیل میں روایات صحیحہ صریحہ متواترہ درکار ہیں۔

غرض مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہونے کے سلسلہ میں شرط کے مطابق ایک بھی دلیل نہیں ہے (اگر چہ غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں انکے پاس ایک سو بیس دلیلیں ہے۔ اگر ہے تو صرف ایک ہی صحیح صریح حدیث پیش کر دیں، متواتر تو دور کی بات ہے)۔

غیر مقلدین امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بغیر دلیل کے پڑھتے ہیں، گویا خود ان کے اصول کے مطابق وہ شرک کرتے ہیں، کیونکہ بغیرِ دلیل کے عمل کرنا اُنکے نزدیک شرک ہے۔

”مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے“ اس دعویٰ کے دلائل

قرأت اصطلاح میں، قرآن شریف پڑھنے کو کہتے ہیں چاہے وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورہ یا آیت۔

(۱) مقتدی کو امام کے پیچھے بالکل خاموش رہنا اور کان لگائے رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: **وَاِذَاقُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ترجمه**:۔ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش **رہو تا** کہ تم پر رحم کیا جائے (سورۂ اعراف پ:۹ آیت ۲۰۴)۔ ابن ہمام نے کہا کہ بیہقی نے امام احمدؒ سے نقل کیا کہ ”امت اسلا**میہ کا** اجماع و اتفاق اس بات پر ہے کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارےمیں نازل ہوئی ہے۔

(بحوالہ تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۵۰، نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۴)

(۲) وَعَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىِّ رضی اللہ عنہ **قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ** ﷺ **خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَاسُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَاصَلَاتَنَافَقَالَ اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوْاصُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَفَكَبِّرُوْا (حدثنا اسحا ق بن ابراهيم قال انا جرير عن سليمان التيمى كل هؤلاء عن قتادة فى هذا الا سناد) وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَاقَالَ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ يُجِبْكُمُ اللّٰهُ......رَوَاهُ مُسْلِمٌ. ترجمه**:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا پس ہمارے لئے ہمارا طریقہ کار واضح فرمایا اور ہمیں ہماری نماز سکھائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز شروع کرو تو صفیں خوب اچھی طرح سیدھی کرلیا کرو، پھر تم میں کا ایک شخص امام بنے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو (اور بروایت جریر عن سلیمان عن قتادہ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ) اور جب وہ قرأت شروع کرے تو خاموش ہو جاؤ اور جب وہ **غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء کو قبول کرے گا۔ (صحیح مسلم **باب التشهد فى الصلوٰة** ج ۱ ص ۱۷۴، مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۰)

(۳) حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”امام اسلئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اسکی اقتداء کی جاوے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (مسلم **با ب ائتمام الما موم با لا مام** ج ۱ ص ۱۷۷، ابوداؤد **بـا ب ا لا مـام ليـصـلى من تعوذ** ج ۱ ص ۸۹، نسائی **بـا ب تـا ويـل قـو لـه اذا قرئ القرآن** ج ۱ ص ۱۴۶، ابن ماجہ **با ب اذا قرأ الامام فا نصتو** ص ۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ”**فى ا لا مام اذا رفع راسه من الركوع ،ما ذا يقول من خلفه**“ ج ۲ ص ۴۵۸)

(۴) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔

(**كتاب القرأة للبيهقى** ص ۹۲)

(۵) حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے ”رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے

urdu ownislam.com

میرے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی، ایک شخص نے کہا کہ میں نے پڑھی تھی، اور میں نے اس خیر کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا (آپ ﷺ نے فرمایا میں سمجھ رہا تھا کہ تم میں سے بعض نے اس میں مجھ سے منازعت کی''
(صحیح مسلم باب نهی الماموم عن جهره بالقرأة خلف امامه ج۱ ص۱۷۲)

(۶) پانچ صحابۂ کرام سے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے ''جو شخص مقتدی بن کر نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کیلئے بھی قرأت ہے۔ (ابن ماجہ باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص۶۱، مسند احمد ج۳ ص۳۳۹، موطا امام محمد ص۹۷، کتاب الآثار ج۱ ص۲۰، نصب الرایہ ج۲ ص۶ تا ۱۳)

(۷) حضرت عطاء بن یسارؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا کہ امام کیساتھ مقتدی کو بھی قرأت کرنی چاہیئے یا نہیں؟ تو صحابیٔ رسول ﷺ کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ نے جواب دیا کہ کسی نماز میں مقتدی کو امام کیساتھ قرأت نہیں کرنی چاہیئے (مسلم باب سجود التلاوة ج۱ ص۲۱۵)

(۸) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو (ترمذی باب ما جاء فی ترک القرأة خلف الامام اذا جهر بالقرأة ج۱ ص۷۱، موطا امام مالک باب ما جاء فی ام القرآن ص۶۶، طحاوی باب القرأة خلف الامام ج۱ ص۱۲۸، سنن کبریٰ بیہقی ج۲ ص۱۶۰)

کیا مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہے؟

غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین کے نزدیک نماز (جہری ہو یا سری) میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک بہرصورت خواہ جہری نماز ہو یا سرّی، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

نکتہ اختلاف:۔ غیر مقلدین کے نزدیک جہری یا سری نماز دونوں میں امام کے پیچھے مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس کی دلیل میں انہیں قرآن کریم کی آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہیئے۔

احناف کے نزدیک بہرصورت خواہ جہری نماز ہو یا سرّی، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل میں انہیں نہی الظنی الثبوت او لدلالة پیش کرنا چاہیئے (بحوالہ شامی ج۲ ص۴۰۴)، جو ترک واجب سے ہوتا ہے۔ یعنی احناف کو مکروہ تحریمی کی دلیل میں صحیح حدیث یا قرآن کریم کی آیت پیش کرنا چاہیئے۔

(غیر مقلدین کے نزدیک فرض اور واجب ایک ہی حکم میں ہے اسلئے انہیں قرآن کریم کی آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہیئے جبکہ احناف کے نزدیک واجب کا حکم فرض سے کم درجہ کا ہے اسلئے انہیں واجب کی دلیل میں قرآن کریم کی

آیت یا صحیح حدیث پیش کرنا چاہئے)

مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہے“ اس دعویٰ کے دلائل

غیر مقلدین مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے فرض ہونے کے دلائل میں عام طور پر درج ذیل طرق سے روایات پیش کرتے ہیں۔ (۱) عن عبادہ بن الصامتؓ (۲) عن انسؓ (۳) عن ابی ہریرہؓ۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے غیر صریح روایات:۔ ● حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاصَلوٰةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. **ترجمه:**۔ عبادہ بن صامتؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی (صحیح بخاری باب وجوب القرأۃ لا مام و الما موم ج ا ص ۱۰۴، صحیح مسلم باب وجوب القرأۃ الفا تحۃ فی کل رکعۃ...الخ ج ا ص ۱۶۹)

استدلال پر اعتراضات:۔ اس حدیث سے مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہونے کے سلسلہ میں دلیل پیش کرنا درج ذیل وجوہات کی بناء پر صحیح نہیں ہے۔

(۱) یہ حدیث اس سلسلے میں صریح (جس سے مقتدیوں کو امر وجوب قرأت بطور نص نکلتا ہو) نہیں ہے کیوں کہ اسمیں امام اور مقتدی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ حدیث مقتدی کیلئے صریح نہیں ہے، چونکہ غیر مقلدین مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ فرض قرار دیتے ہیں اسلئے اس غیر صریح حدیث (جس میں قیاس کرنا ہوتا ہے) سے فرض ثابت نہیں ہوسکتا۔

(۲) غیر مقلدین لاصلوٰۃ سے نفی جنس مراد لیتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں، چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی، بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے کسی کی نماز نہیں ہوگی۔ جب کہ ”لَاصَلوٰةَ“ سے صرف ”نفی جنس“ مراد لینا صحیح نہیں ہے کیوں کہ ”لَاصَلوٰةَ“ سے ”نفی کمال“ کا بھی احتمال ہوسکتا ہے مثلاً ۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاصَلوٰةَ لِمَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ (**ترجمه**) جس نے نبی پر درود نہ بھیجا اس کی نماز نہیں (ابن ماجہ ص ۳۲)۔ یہاں لاصلوٰۃ سے نفی کمال مراد ہے یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ پر درود نہیں پڑھا اسکی نماز ناقص ہے، ایسا نہیں کہ اسکی نماز ہی نہیں ہوئی۔ اسی طرح ۲) لَاصَلوٰةَ لِمَنْ لَّمْ يُحِبَّ الْاَنْصَارَ (**ترجمه**) جس نے انصار سے محبت نہیں کہ اسکی نماز نہیں (ابن ماجہ ص ۳۲) ان دونوں روایتوں میں یہاں ”لَاصَلوٰةَ“ نفی کمال کیلئے آیا ہے، فرض کیلئے نہیں آیا ہے۔ اسی طرح اور احادیث میں بھی ہے جیسے لَاصَلوٰةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ (ترجمہ) بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا موجود ہو اور نماز پڑھے تو نماز نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہے۔ ۳) لَاصَلوٰةَ لِمُلْتَفِتٍ (**ترجمه**) نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ”لَاصَلوٰةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْفَعَ الشَّمْسُ وَلَاصَلوٰةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ ترجمہ:۔ صبح کی

نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے (صحیح بخاری **باب الصلوٰۃ بعد الفجر حتیٰ ترتفع الشمس** ج۱ ص۸۲)۔ یہاں پر خود غیر مقلدین حضرات لاصلوٰۃ کو نفئ جنس کیلئے نہیں مانتے بلکہ فجر کی سنت کو اِس سے مستثنیٰ مانتے ہیں اور فجر کی سنت چھوٹ جانے پر اسے فرض کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لیتے ہیں۔

(۳) صحیح مسلم ج۱ ص۱۶۹، ابوداوٗد شریف ج۱ ص۱۱۹، نسائی شریف ج۱ ص۱۴۵ پر امام زہریؒ کے طریق سے اس روایت میں فاتحۃ الکتاب کے بعد لفظ **فصاعداً** (یعنی زائد) بھی موجود ہے۔ اس روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔'' اور یہ زیادتی ثقہ کی ہے اسلئے قابل قبول ہے۔ لاصلوٰۃ کے معنی نفی اصل صلوٰۃ کیلئے لئے جائیں تو اب یہ معنی ہوئے کہ سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد (کوئی سورۃ یا آیت) پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ تو قائلین فاتحہ کے قول کے مطابق ضم سورۃ یعنی سورۂ فاتحہ کیساتھ کوئی اور سورۃ پڑھنا بھی مقتدی پر فرض ہوگی۔ اور سورۂ فاتحہ سے زائد کا پڑھنا غیر مقلدین کے نزدیک ضروری نہیں (یعنی فرض نہیں)۔ اگر مقتدی ضم سورۃ سے مستثنیٰ ہے تو پھر قرأت فاتحہ (فاتحہ خلف الامام) سے بھی مستثنیٰ ہے۔

(۴) ابوداوٗد شریف میں سفیان ابن عیینہ (جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں) کے حوالے سے لکھا ہے کہ سفیان نے کہا کہ یہ اکیلے نمازی کیلئے ہے اس میں مقتدی شامل نہیں۔ نیز امام دارالہجرت امام مالکؒ موطاء میں لکھتے ہیں۔ ''**عَنْ اَبِیْ نُعَیْمٍ وَهْبِ بْنِ کَیْسَانَ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَابْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی رَکْعَةًلَّمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ یُصَلِّیْ اِلَّااَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ** (**ترجمہ**) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی رکعت سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ (موطاء امام مالک ص۲۸)''۔ اور امام ترمذیؒ نقل فرماتے ہیں کہ ''امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس صورت میں ہے جب کہ نماز پڑھنے والا تنہا ہو۔ اور امام احمدؒ نے حضرت جابرؓ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کوئی رکعت سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ (حضرت جابرؓ) ایک صحابی ہیں جنھوں نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد **لاصلوٰۃ لمن .... الخ**۔ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حدیث اس صورت میں ہے جبکہ نمازی منفرد (اکیلا) ہو (ترمذی شریف ج۱ ص۴۲)

غیر مقلدین مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ فرض ہونے کی دلیل میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے دوسری روایات بھی پیش کرتے ہیں مثلاً مسند شافعی (۳۶)، ابن ابی شیبہ (۳۶۰/)، جزء القرأۃ بخاری (۲، ۶، ۸۱)، ابوعوانہ (۱۲۴/، ۱۲۵)، نسائی (۱۳۷/)، ترمذی (۳۴۷)، ابن ماجہ (۸۳۷)، دارمی (۲۸۳/)، ابن خزیمہ (۴۸۸)، دار قطنی (۳۳۱/)، بیہقی (۳۸/)، ابن حزم (۲۳۶/)، وغیرہ وغیرہ۔ اس میں بہت سی روایات غیر صحیح ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کچھ روایات صحیح ہوں، لیکن غیر صریح

ہیں یعنی جن میں قیاس کرنا ہوتا ہے، ان میں امام یا مقتدی کا ذکر نہیں ہے، اسلئے یہ تمام غیر صریح روایات صرف ''قیاس'' کا درجہ رکھتی ہیں اور قیاس سے ''فرض'' ثابت نہیں ہوسکتا اس لئے یہ تمام روایات قابلِ استدلال نہیں ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے صریح روایات: ۔ صاحب آثار السنن علامہ نیموی علیہ الرحمہ نے ج۱ ص۷۹ پر لکھا ہے ''قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے طریق سے تمام صریح روایات ''ضعیف'' ہیں۔ مذکورہ روایات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ج۱ ص۷۹ تا............... حاشیہ، اعلاء السنن، احسن الکلام مصنف حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر، وغیرہ)

● حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ رَبِيْعٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍؓ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَآءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنِّيْ اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِيْ وَاللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَاِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِهَا قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَاَنَسٍ وَّاَبِيْ قَتَادَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَبُوْعِيْسٰى حَدِيْثُ عُبَادَةَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ هٰذَا اَصَحُّ. **ترجمہ:** ۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی پس ان پر قرأت دشوار ہوگئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم پڑھتے ہو امام کے پیچھے ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول (ﷺ) فرمایا کہ تم ایسا مت کرو مگر ام القرآن (سورہ فاتحہ) اسلئے کہ جس نے اسکو نہ پڑھا اس کی نماز نہیں...... کہا ابو عیسیٰ (امام ترمذیؒ) نے کہ عبادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی حدیث حسن ہے اور روایت کیا اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے انہوں نے عبادہ بن صامتؓ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز نہیں۔ اور یہ صحیح ہے۔

(رواہ الترمذی باب ما جاء فی القرأۃ خلف الامام ج۱ ص۶۹)

اس روایت پر امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں ج۱ ص۷۰ پر لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے (یعنی صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتی) اور یہی زیادہ صحیح ہے

اور اس حدیث کو روایت کیا ابوداؤد نے ج۱ ص۱۱۹، پر عبداللہ ابن النفیلی، محمد بن سلمٰی، محمد بن اسحاق، مکحول، محمد بن ربیع، عبادہ بن صامتؓ کے طریق سے۔

اور یہی روایت جزء القراۃ میں ہے، محمد بن اسحٰق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامتؓ کے طریق سے۔

(مذکورہ تمام سندیں ضعیف ہیں کیونکہ ان میں ''محمد بن اسحاق''، ''مکحول''، ''محمود بن ربیع'' وغیرہ ہیں اور ان سب پر کلام ہے۔ اسلئے ان تمام روایات سے مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یہ ثابت نہیں ہوتا)

[اسی روایت کو غیر مقلدین مختلف حوالوں سے پیش کرتے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ (۳۷۳/)، جزء القرأۃ بخاری (۶۴، ۲۵، ۲۵۸)، ابوداوٗد (۸۲۳)، ترمذی (۳۱۱)، ابن خزیمہ (۱۵۸۱)، ابن حبان (۴۶۰)، دار قطنی (۳۱۸/)، حاکم (۲۳۸/)، بیہقی (۱۶۶/)، ابن حزم (۴۳۶/) لیکن ان تمام سندوں میں محمد بن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع وغیرہ ہیں اسلئے یہ تمام روایات بھی ضعیف ہیں]

استدلال پر اعتراضات:۔

تخریج صلوٰۃ الرسول سے:۔ ”اس سند میں محمد بن اسحاق مدلس ہیں مگر دار قطنی وغیرہ میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ لہذا اسند حسن ہے امام دار قطنی اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے“۔

(تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۴۴ حاشیہ)۔ (یعنی ”صحیح“ نہیں ہے)

آثار السنن سے:۔ یہ روایت تین ۳/ وجوہات کی بنیاد پر معلول ہے (جس میں علت ہو)۔

(۱) ایک راوی مکحول ہیں جو مدلّس ہیں۔ (۲) مکحول کے طریق سے محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامتؓ منفرد ہیں۔ (۳) ایک اور راوی محمد بن اسحٰق ہیں جو مدلّس ہیں۔

مکحول:۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے مرسلاً اور ابی بن خشنیؓ سے بھی مرسلاً اور کہا گیا کہ انہوں نے کسی صحابیؓ سے نہیں سنا...............ابن حبان نے کہا ثقات میں سے ہیں اور کتنی مرتبہ تدلیس کی.......اور ابن سعد نے کہا بعض اہل علم نے کہا کہ مکحول اہل کابل میں سے تھے اور ان میں لکنت تھی۔ اور وہ قدریہ کہے جاتے تھے اور ضعیف تھے اپنی حدیث اور رائے میں (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۹ تا ۲۶۱)

وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ النُّخْبَةِ وَكُلُّ مَنْ ثَبَتَ عَنْهُ التَّدْلِیْسُ اِذَا كَانَ عَدْلًا اَنْ لَّا یُقْبَلَ مِنْهُ اِلَّا مَاصَرَّحَ فِیْهِ بِالتَّحْدِیْثِ عَلَى الْاَصَحِّ۝ **ترجمه:۔** حافظ ابن حجر نے شرح النخبۃ میں کہا جس سے تدلیس ثابت ہوگئی اگر وہ عادل بھی ہو تو اسکا حکم یہ ہے کہ اس سے قبول نہیں کیا جائیگا جب تک کہ اسمیں اصح راوی سے تحدیث (حدثنی) کی صراحت نہ کرے (شرح النخبۃ ص ۵۳، آثار السنن ج ۱ ص ۷۶)

مکحول مدلّس ہیں اور یہ حدیث مکحول سے عن محمود بن ربیع سے ہے اور وہ صحابہ میں سے تھے اور ان سے سماع او تحدیث کی صراحت نہیں ہے۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۷۶)

مکحول کی متابعت:۔ دار قطنی نے عبداللہ بن عمرو بن الحارثؒ عن محمود بن ربیع عن عبادہؓ کے طریق سے روایت کی ہے۔ اس سند میں معاویہ بن یحییٰ اور اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں۔ دار قطنی نے کہا کہ یہ دونوں ضعیف ہیں۔ اور انہیں دونوں سے ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کی ہے۔ نیز حاکم نے اپنی مستدرک میں جو روایت پیش کی ہے اس میں ذکر کیا ہے کہ یہ متابع ہیں مکحول کی روایت میں محمود بن ربیع سے۔ تو اس کی سند میں بھی یہ دونوں معاویہ بن یحییٰ اور اسحٰق بن عبداللہ ابن ابی فروہ ہیں۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۷۹)

محمد بن اسحق:۔ (صحاح ستہ میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی جتنی صریح روایات آئی ہیں ان سب کی اسناد میں محمد بن اسحاق ضرور موجود ہیں اور ان کے بارے میں کلام ذیل میں ملاحظہ ہو)

امام دارالہجرت مالکؒ نے کہا دجالوں میں سے ایک دجال ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۵) امام المحدثین بخاریؒ نے کہا محمد بن اسحٰق ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جس میں وہ منفرد ہیں اور یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ میں نے اسے نمیر سے سنا کہتے تھے کہ جب وہ ایسی حدیث بیان کریں کہ کسی نے معروفین سے سنا ہو تو وہ حسن الحدیث ہیں اور اگر وہ مجہولین سے حدیث بیان کریں تو احادیث باطلہ ہیں۔ (تہذیب ج۹ ص۳۶)

ایوب بن اسحٰق بن سامری نے کہا کہ میں نے امام احمد ابن حنبلؒ سے پوچھا کہ اگر کسی حدیث کو صرف محمد بن اسحٰق روایت کریں تو آپ اس کو قبول کریں گے؟ فرمایا کہ بخدا نہیں۔ میں نے انکو دیکھا کہ وہ حدیث کوئی ایک لوگوں سے روایت کرتے ہیں اور ایک کے کلام کو دوسرے کے کلام سے جدا نہیں کرتے (تہذیب ج۹ ص۳۶) حنبل بن اسحٰق نے کہا کہ ہم نے ابوعبداللہ (امام احمدؒ) کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن اسحٰق حجت نہیں ہیں۔ اثرمؒ امام احمد سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق بہت زیادہ تدلیس کیا کرتے تھے، میرے نزدیک انکی اچھی حدیث وہ ہے جس میں وہ اخبرنی اور سمعت کہیں (عیون الاثر ج۱ ص۱۲)

عباس دوری ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اور حجت نہیں ہیں ابن معین نے کہا ضعیف ہیں اور قوی نہیں ہیں (تہذیب ج۹ ص۳۶) میمونی بھی کہتے ہیں کہ ابن معین نے کہا کہ وہ ضعیف ہیں۔ اور نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہیں۔ (تہذیب ج۹ ص۳۷) سلیمان تیمی، یحیٰی قطان اور وہیب بن خالد نے انکی تکذیب کی ہے (تہذیب ج۹ ص۳۷)۔ دارقطنی نے کہا کہ ان (محمد بن اسحٰق) میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے اور وہ حجت نہیں ہیں (تہذیب ج۹ ص۳۸)۔ حافظ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ ابن اسحٰق منفرد ہوں تو ان میں نکارت ہے۔ اسلئے کہ انکے حفظ میں کچھ تھا (آثار ج۱ ص۷۷)۔ یحیٰی بن معین سے مروی ہے کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ محمد بن اسحٰق کی حدیثوں سے احکام میں استدلال کروں (عیون الاثر ج۱ ص۱۲) تقریب التہذیب میں ہے کہ سچ بولنے والے ہیں۔ تدلیس کرتے ہیں یعنی حدیث کی روایت میں کبھی اپنے استاد کا نام نہیں لیتے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لیتے ہیں اور لفظ ایسا اختیار کرتے ہیں جس میں سماع (سننے) کا احتمال رہتا ہے اور شیعہ اور قدریہ ہونے کا ان پر الزام ہے۔ (تقریب التہذیب ج۲ ص۱۴۴)

اس لئے یہ تمام روایات ضعیف ہیں اور ان سے استدلال قابل قبول نہیں ہے۔

ابوداؤد نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے۔

● حَدَّثَنَا رَبِیعُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْاَزْدِیُّ نَاعَبْدُاللّٰہِ بْنُ یُوسُفَ نَاالْھَیْثَمُ بْنُ الْحُمَیْدِ اَخْبَرَنِی زَیْدُ بْنُ وَاقِدٍعَنْ مَکْحُوْلٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ مَحْمُوْدِبْنِ الرَّبِیْعِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ نَافِعٌ اِبْطَأَعُبَادَۃُ بْنُ صَامِتٍ عَنْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ فَاَقَامَ اَبُوْنُعَیْمٍ الْمُوءَذِّنُ .... الخ. **ترجمہ:**۔ نافع نے کہا۔ پس اقامت کہی ابونعیم المؤذن نے پس نماز پڑھائی

ابونعیم نے لوگوں کو اور پھر عبادہؓ متوجہ ہوئے اور میں ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ ہم نے صف بنائی ابونعیم کے پیچھے ابونعیم جہری قرأت کرر ہے تھے عبادہؓ ام القرآن پڑھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عبادہؓ سے کہا کہ میں نے آپ سے سنا کہ آپ سورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے اس حال میں کہ ابونعیم جہر کرر ہے تھے۔ کہا ہاں۔ نماز پڑھائی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے بعض وہ نمازیں جس میں وہ جہری قرأت کرتے تھے۔ فرمایا کہ دشوار ہوگئی ان پر قرأت جب فارغ ہوئے متوجہ ہوئے ہم پر پس فرمایا آپ ﷺ نے کہ کیا تم قرأت کرتے ہو جب میں جہری قرأت کرتا ہوں پس ہم میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے ایسا کیا (یعنی قرأت کی) آپ ﷺ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ اور میں کہہ رہا ہوں کہ کیا ہے میرے لئے منازعت ہو رہی ہے قرآن کے بارے میں۔ پس تم قرآن سے کچھ مت پڑھو جب کہ جہری قرأت ہو مگر سورۂ فاتحہ۔

(ابوداوَد باب من ترک القرأة فی صلوته ج۱، ص۱۱۹)

● حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَهْلٍ الرَّمْلِيُّ نَا اَبُوالْوَلِيْدِ عَنِ ابْنِ جَابِرٍ وَسَعِيْدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ عُبَادَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ الرَّبِيْعِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالُوْا فَكَانَ مَكْحُوْلٌ يَقْرَءُ فِيْ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ كُلِّ رَكْعَتِهِ سِرًّا قَالَ مَكْحُوْلٌ اِقْرَأْ فِيْهَا جَهْرِيَةَ الْاِمَامِ اِذَا قَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسَكَتَ سِرًّا فَاِنْ لَّمْ يَسْكُتْ اِقْرَأْ بِهِمَا قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَبَعْدَهُ لَاتَتْرُكْهَا عَلٰى حَالٍ. **ترجمه**:۔ ربیع بن سلیمان کی حدیث اسی کی مثل ہے انہوں نے کہا کہ مکحول مغرب، عشاء، صبح ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سراً (خاموشی سے) پڑھتے تھے مکحول نے کہا جب امام زور سے پڑھے اور جب سورۂ فاتحہ پڑھ لے اور خاموش ہو جائے تو سراً (خاموشی سے) پڑھے اور جب خاموش نہیں رہے تو پڑھے اسکو اس سے پہلے اور اس کیساتھ اور اسکے بعد اور کسی حال میں نہ چھوڑے اسکو (ابوداوَد باب من ترک القرأة فی صلوته ج۱ ص۱۱۹)

زید ابن واقد:۔ انہیں مرسل کہا گیا ہے (تہذیب التہذیب ج۳، ص۱۷۱)

ھیثم بن حمید :۔ معاویہ بن صالح نے کہا کہ مجھ سے ابومسہر نے کہا کہ وہ (ھیثم بن حمید) ضعیف قدریہ تھے۔ اور محمد بن اسحٰق صنعانی نے ابومسہر سے روایت کی کہ ھیثم بن حمید ضعیف تھے۔ ابوبکر بن ابی خیثمہ نے کہا کہ مجھے خبر دی ابومحمد تیمی نے کہ ابومسہر نے ہم سے بیان کیا کہ وہ صاحب کتب تھے اور ثقہ راویوں میں سے نہیں تھے اور نہ اہلِ حفظ میں سے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج۱۱، ص۸۱)

نافع بن محمود بن الربیع :۔ ابن عبدالبر نے کہا نافع مجہول ہیں (تہذیب التہذیب ج۱۰، ص۳۶۶) علامہ ذہبی نے میزان میں کہا کہ نافع بن محمود بن المقدسی عن عبادة فی قرأت خلف الامام اور ان سے حرام بن حکیم اس حدیث کے سوا نہیں جانے جاتے۔ انکو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، اور کہا ان کی حدیث معلول ہے۔ اور ان سے مکحول نے بھی روایت کی ہے۔ علامہ ابن ترکمانی نے جوہر النقی میں بیہقی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نافع بن محمود کا ذکر نہ بخاری نے ان کی تاریخ میں کیا ہے اور نہ ابن حاتم نے۔ اور شیخین نے ان سے تخریج نہیں کی ہے۔ اور ابوعمر نے کہا کہ وہ مجہول ہیں۔ اور علامہ طحاوی

نے کہا کہ نہیں پہچانے جاتے تو کیسے صحیح ہو سکتے ہیں؟ انکی سند کیسے حسن درجے کی ہو سکتی ہے۔ دار قطنی نے کہا کہ ثقہ ہے اور ابن حبان نے بھی ثقہ کہا ہے۔ میں (علامہ نیموی) کہتا ہوں کہ وہ مجہول العدالت ہیں۔ اور مجہول العین نہیں ہیں۔ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں کہا اور راوی میں جرح وتعدیل نہ ہوئی اور شیخ ان سے روایت کرتے ہوں تو ثقہ ہیں، اور حدیث منکر نہیں لاتے تو وہ ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں اِس میں نظر ہے اسلئے کہ کثیر الروایات مثلاً حسین ابن حسین الاشقر اور وحیم ابن قران اور شرجیل بن سعد اور رصالح بن حساک اور رھارک بن عباد اور یحیٰی بن میمون وغیرہ ان کو ائمہ شان میں سے ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے پس جب مستور (چھپا ہوا) ہے تو ان کی حدیث سے حجت نہیں لی جاسکتی جمہور کے نزدیک۔
(آثار السنن ج۱ص۷۸ سے ۷۹)

بخاری نے جزء القرأۃ میں روایت کی ہے اوزاعی کے طریق سے عن عمروابن شعیب عن ابیہ عن عبادہ۔ شعیب نے عبادہ کو نہیں پایا نیز اس کے ساتھ اسناد مضطرب ہیں۔ کیوں کہ خلاف کیا ہے طریق ”**عمرو بن سعد عن عمروابن شعیب عن ابیہ عن جدّہ**“ بخاری نے جزء القراۃ میں روایت لی ہے اور اسی سے دار قطنی نے روایت لی ہے۔ **عبداللہ بن عمروبن الحارث عن محمود بن الربیع عن عبادہ** کے طریق سے اور اس میں معاویہ بن یحیٰی اور اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں۔ اور دار قطنی نے دونوں کو ضعیف کہا ہے اور اسی سے ابو نعیم الاصفہانی نے تخریج میں کہا ہے حلیۃ الاولیاء میں **عَلِیُّ بْنُ بَکَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ بَکَّارٍ ثَنَا اَبُوْاِسْحَاقَ الْفَزَارِیُّ عَنِ الْاَوْزَاعِیِّ عَنْ عَمْرِوبْنِ سَعْدٍ عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَیْوَۃَ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ :قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ ﷺ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَا تِحَۃِ الْکِتَابِ** . اس میں پہلے محمد وہ ابوبکر محمد بن ابراہیم ہیں جو کہ ابن المقریٔ سے ملقب ہیں اور دوسرے محمد وہ ابن **برکۃ الحبلی** ہیں ان سے ائمہ ستّہ میں سے کسی نے تخریج نہیں کی ہے۔ اور دار قطنی نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ اور **محمد بن برکۃ الحبلی** سے روایت لی ہے ابی نعیم نے۔ (آثار السنن ج۱ص۸۰)

عمروبن شعیب عن ابیہ:۔ دار قطنی نے کہا عمرو بن شعیب تابعی میں سے نہیں ہیں، جب وہ روایت کریں اپنے باپ سے عن سے پس کتنی مرتبہ انہوں نے تدلیس کی جو کچھ کے صحیفے میں ہے لفظ عن سے (تہذیب التہذیب ج۸ص۴۵)۔ ابوبکر بن ابی خیثمہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے ھارون بن معروف سے وہ کہتے تھے نہیں سنا عمرو نے ان کے باپ سے کچھ بھی صرف انہوں نے پایا انکو اپنے باپ کی کتاب میں (تہذیب ج۸ص۵۳)۔ ابن مدینی نے یحیٰی بن سعید کے طریق سے کہا کہ ان (عمرو بن شعیب) کی حدیث ہمارے نزدیک واھی (لغو) ہے۔ اور انہوں نے ابن عیینہ سے روایت کی ہے کہ ان کی حدیث لوگوں کے نزدیک اس میں کچھ ہے۔ ابوعمروابن العلاء نے کہا کہ قتادہ اور عمروابن شعیب انہوں نے کچھ نہیں سنا مگر یہ کہ وہ حدیث سے بیان کریں اور میمونی نے کہا کہ میں نے احمد ابن حنبلؒ سے سنا کہتے تھے کہ ان (عمرو بن شعیب) کے پاس بہت سی منکر اشیاء تھیں (تہذیب ج۸ص۴۹)۔

عن عمر وابن شعیب عن ابیه عن جدّه: ۔ابن ابی خیثمہ ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قوی نہیں تھے۔ آجری نے کہا کہ میں نے ابوداؤد سے کہا کہ عمروابن شعیب آپ کے نزدیک حجت ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں اور نہ نصف حجت۔

اسحٰق بن منصور نے یحیٰ بن معین سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جب بیان کریں عمروابن شعیب عن ابیہ عن جدّہ پس وہ کتاب سے ہے اور وہ اس طریق سے ضعیف ہیں۔

ابوزرعہ نے کہا کہ انہوں نے ثقات سے روایت کی ہے اور انکار کیا ہے ان پر کثرتِ روایت کا عن ابیہ عن جدہ سے (تہذیب ج ۸ ص ۴۲)

ابن عدی نے کہا عمروبن شعیب فی نفسہٖ ثقہ ہیں مگر یہ کہ وہ جب روایت کریں عن ابیہ عن جدہ تو ہوتے ہیں مرسل اسلئے کہ انہوں نے اپنے دادا محمد کو نہیں پایا۔ جب وہ روایت کریں عن ابیہ عن جدہٖ پس شعیب نے نہیں پایا عبداللہ کو پس ہونگے منقطع، اور اگر وہ ارادہ کریں اپنے دادا محمد کا پس نہیں ہے ان کیلئے صحبت اسلئے وہ مرسل ہوجائیں گے (تہذیب ج ۸ ص ۴۴)

اور ساجی نے کہا کہ ابن معین نے کہا کہ وہ فی نفسہٖ ثقہ ہیں اور جب وہ روایت کریں عن ابیہ عن جدہ تو حجت نہیں ہیں۔ اور نہیں ہیں متصل اور وہ ضعیف ہیں اس قبیل سے کہ وہ مرسل ہیں (تہذیب ج ۸ ص ۴۴)۔

حضرت انسؓ سے صریح روایات: ذیل میں حضرتِ انسؓ سے صریح روایات پیش کی جارہی ہیں۔ اگر غیر صریح روایات پیش کی جائیں تو ان کی حیثیت مذکورہ مسئلہ میں قیاس کی سی ہے اور قیاس سے فرض ثابت نہیں کیا جا سکتا اسلئے غیر صریح روایات بطورِ استدلال قابلِ قبول نہیں۔

●وَعَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی بِاَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَیْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَؤُنَ فِیْ صَلٰوتِکُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ فَسَکَتُوْا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ اَوْ قَائِلُوْنَ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْیَقْرَأْ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِهٖ **ترجمه**: ۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کیساتھ نماز پڑھی پس جب نماز سے فارغ ہوئے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کیا تم لوگ اپنی نماز میں پڑھتے ہو؟ جبکہ امام پڑھتا ہے پس صحابہؓ چپ رہے آپ ﷺ نے اس بات کو تین مرتبہ فرمایا ایک شخص یا کئی اشخاص نے کہا بے شک ہم لوگ ایسا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور سورۂ فاتحہ کو آہستہ پڑھو۔ (جزء القرأۃ بخاری)

اور اس کو روایت کیا ابن حبان نے، ابویعلیٰ نے، طبرانی نے اوسط میں، ھیثم نے مجمع الزوائد میں، اور اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ ان سبھوں نے مرفوعاً روایت کی ہے۔

اور اسکی مخالفت کی ہے ایک سے زائد حفاظ نے اصحاب ایوب سے پس انہوں نے اس کو روایت کیا ہے عن ابی قلابه عن رسول الله ﷺ مرسلاً ان میں سے حماد ہیں بخاری کے نزدیک ان کے جزء میں، اور وھیب ہیں بیہقی کے

نزدیک معرفہ میں، اور اسماعیل ابنؒ بخاری کے نزدیک ان کی تاریخ میں، اور دار قطنی نے ان کی سنن میں کہا ابن علیہ وغیرہ کی روایتیں عن ایوب عن ابی قلابہ مرسلاً ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں کہا اور ابن حبان کہ روایت کی ایوب عن ابی قلابہ عن انس (رضی اللہ عنہ) اور یہ گمان کیا کہ دونوں طریقے (عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍؓ اور عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ) محفوظ ہیں۔ جبکہ بیہقی نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ ابی قلابہ عن انس کا طریق محفوظ نہیں۔

حاصل یہ کہ ابو قلابہ عن انسؓ کے طریق کو عبداللہ الرقی کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا اور اگر وہ ثقہ بھی ہوں تو کتنی مرتبہ انہیں وہم ہوا جیسا کہ تقریب التہذیب نمبر ۳۲۶۴ میں ہے۔ اور انکی مخالفت کی ہے حفاظ میں سے ایک سے زیادہ نے۔ اس حدیث میں دوسری علت بیان کی ہے کہ بخاری وغیرہ نے یحییٰ بن یوسف الرقی سے روایت بیان کی ہے اور استثنیٰ (سورۂ فاتحہ) کا ذکر کیا ہے، جبکہ طحاوی نے یوسف ابن عدی عن عبداللہ الرقی کے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس میں استثناء ذکر نہیں۔ (آثار السنن مع التعلیق الحسن ج ۱ ص ۸۰، ۸۱، ۸۲)

● عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَعَلَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ یَّقْرَأَ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِہٖ۔ **ترجمہ**: ۔ محمد ابن ابی عائشہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا شاید کہ جب امام پڑھتا ہے تو تم پڑھتے ہو دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہا انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم ایسا کرتے ہیں فرمایا کہ تم ایسا مت کرو مگر یہ کہ تم میں کوئی پڑھے سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (رَوَاہُ اَحْمَدُ ج ۵ ص ۶۰ وَ آخَرُوْنَ وَاِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ)

حافظ نے تلخیص الحبیر میں کہا ہے کہ اسکی اسناد حسن ہیں اسلئے کہ محمد ابن ابی عائشہ طبقہ چہارم کے رواۃ میں سے ہیں (تابعین)۔ روایت کرتے ہیں عن رجل عن الصحابہ معنعنا اور سماع کے تصریح نہیں ہے تو انقطاع کے گمان سے خالی نہیں ہے۔ اور اسناد کے اتصال کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔

دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ ابی قلابة عن محمد بن عائشه عن رجل عن اصحاب النبی ﷺ کے طریق سے بھی غیر محفوظ ہے اس لئے کہ خالد الحذاء اس میں منفرد ہیں اور ایوب سختیانی نے ان کی مخالفت کی ہے کہ انہوں نے روایت کیا ہے عن قلابہ عن نبی ﷺ مرسلاً اور خالد الحذاء نے بھی ابی بکر بن شیبہ کے طریق سے ارسال کیا ہے۔ انہوں نے اپنی مصنف میں کہا ہے کہ حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ قَالَ اَنَا خَالِدٌ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ صَلّٰی بِاَصْحَابِہٖ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْهِمْ بِوَجْهِہٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ فِیْ صَلٰوتِکُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ فَسَکَتُوْا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ اَوْ قَائِلُوْنَ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْیَقْرَأْ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِہٖ (رواه ابن ابی شیبه) تو سچ یہ ہے کہ عن ابی قلابة عن النبی ﷺ مرسلاً ہے، اور

رکتاب العلل میں اسی طرف گئے ہیں جب کہ ابی قلابۃ عن انس کا ذکر کیا۔ اوران کے خلاف کیا ہے ابن علیہ نے۔ پس روایت کی عن ایوب عن ابی قلابۃ اورانہوں نے روایت کی خالد۔۔۔۔۔۔۔عَنْ اَبِیْ قِلاَبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عَائِشَۃَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَعَلَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُمَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلاَثًا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلاَ تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ یَّقْرَأَ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَآخَرُوْنَ وَاِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ .

عَنْ اَبِیْ قِلاَبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِابْنِ اَبِیْ عَائِشَۃَ عَنْ رَّجُلٍ مِّنَ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اَوْمُرْسَلٌ صَحِیْحٌ ہے اوربیہقی نے معرفہ میں کہا ہے رواہ ایوب عن ابی قلابۃ اورارسال کیا۔ فقیہ کا ارسال راجح ہے طریق وصل ہے اسلئے کہ خالدالحذاء اگرثقہ ہیں۔ لیکن حماد بن یزید نے اشارہ کیا کہ ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا، جبکہ شام سے آئے تھے ابوحاتم نے کہا کہ ان سے صحبت نہیں لی جاتی۔ (آثارالسنن ج۱ص۸۰،۸۱،۹۲)

حضرت ابوھریرہؓ سے روایات:۔ ●عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَّمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَھِیَ خِدَاجٌ ثَلاَثًا غَیْرُتَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْبِھَا فِیْ نَفْسِکَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ قَسَّمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ فَاِذَاقَالَ الْعَبْدُالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَاقَالَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اَثْنیٰ عَلَیَّ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَاقَالَ اِیَّاکَ نَعْبُدُوَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ قَالَ ھٰذَابَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ وَاِذَاقَالَ اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَ قَالَ ھٰذَالِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ.

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی نماز پڑھی اوراس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی وہ ناقص ہے اورغیرتمام ہے۔ پس ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ امام کے پیچھے ہوتے ہیں کہا کہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اسلئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو میرے اور بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کرلی ہے اورمیرے بندے کیلئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اورجب (بندہ) الرحمن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری پاکی بیان کی اورجب (بندہ) مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اورجب (بندہ) ایاک نعبدوا وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اورمیرے بندے کے درمیان ہے اورمیرے بندے کیلئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا اورجب (بندہ) اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب ولا الضالین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا۔

(صحیح مسلم باب **وجوب القرأة فی کل رکعة** ج۱ ص۱٦۹)

غیر مقلدین امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر حجت، روایت کے اس ٹکڑے سے لیتے ہیں "**فَقِيْلَ لِاَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِقْرَأْبِهَا فِیْ نَفْسِكَ** پس ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ کہا کہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو" روایت کا یہ ٹکڑا حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے، اس ٹکڑے سے پہلے "**قال من صلی** ...... **غیر تمام**" اور اس کے بعد "**یقول قال الله** .... **ما سأل**" یہ دونوں احادیث رسول ہیں اور ان دونوں احادیث کے درمیان میں حضرت ابوہریرہؓ کا مذکورہ قول ہے۔ وہ ٹکڑا حدیثِ رسول نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے، اس لئے غیر مقلدین اس روایت سے بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر استدلال نہیں کرسکتے۔

(جواب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احسن الکلام جلد دوم صفحہ نمبر ۵۲ تا ٦۷)

● **وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ اِذَاقَرَأَالْاِمَامُ بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَقْرَأْبِهَا وَاسْبِقْهُ فَاِنَّهٗ اِذَاقَالَ وَلَاالضَّآلِّيْنَ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ اٰمِيْنَ مَنْ وَّافَقَ ذٰلِكَ قَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ بِهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ جُزْءِ الْقِرَآةِ وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ.**

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے پس تو بھی پڑھ اور امام پر سبقت لے جا کیونکہ جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوجائے تو وہ قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ (جزء قرأت بخاری)

پہلی بات تو یہ کہ مذکورہ روایت حضرتِ ابوہریرہؓ کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے اسلئے بطورِ استدلال مذکورہ روایت نا قابلِ قبول ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کی اسناد حسن ہیں یعنی "صحیح" درجہ تک نہیں ہے۔ اس لئے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت **وَاِذَاقَرَءَ فَاَنْصِتُوْا** (صحیح مسلم کی روایت) کے خلاف ہے۔ اس لئے مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی حجت میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

● **اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ اُكَيْمَةَ اللَّيْثِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَفِيْهَابِالْقِرَأةِ قَالَ هَلْ قَرَأَمَعِیْ اَحَدُكُمْ اٰنِفًاقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْآنَ فَانْتَهَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَأةِ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْقِرَأةِ عَنِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ** **ترجمہ**:۔ حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی؟ ایک شخص نے کہا ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا میں کہتا ہوں کیوں مجھ سے جھگڑا کیا جاتا ہے قرآن میں پس لوگ رک گئے قرأت سے جس میں آپ نے جہر کیا جب انہوں نے اس بات کو سنا۔

(ابن ماجہ ص ٦١ باب اذا قرأ الامام فانصتوا)

میرک نے ملقن سے نقل کیا ہے کہ **فانتھی الناس عن القرأة**.........(لوگ قرأت سے رک گئے) یہاں سے زہری کا کلام ہے، مرفوعاً (حضور ﷺ سے) نہیں ہے۔ یہی کہا بخاری نے اور ذھبی نے اور ابن فارس نے اور ابوداؤد نے ،ابن حبان نے اور خطابی وغیرھم نے (مرقاۃ)۔

غیر مقلدین کے نزدیک نماز جہری ہو یا سری دونوں میں سورۂ فاتحہ فرض ہے اسلئے اس روایت سے سری نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے پر استدلال نہیں کر سکتے۔ اور مزید یہ کہ روایت کے جس ٹکڑا سے غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں وہ حدیث رسول نہیں ہے بلکہ راوی کا کلام ہے۔

[قرأۃ خلف الامام کی تمام روایات پر بحث کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ج ا ص ٩٧ تا.....حاشیہ، اعلاء السنن ج ٢، احسن الکلام مصنف حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر، ایضاح الادلہ مصنف شیخ الہندؒ، تجلیات صفدر]

صحابہ وتابعین کے آثار:۔ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے سلسلے میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ غیر مقلدین اس سلسلہ میں صحابہ وتابعین کے کچھ آثار بھی پیش کرتے ہیں، غیر مقلدین کو ان آثار کے پیش کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے کیونکہ غیر نبی کا قول وفعل ان کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ اس لئے غیر مقلدین کی طرف سے بطورِ استدلال ''آثار'' ناقابلِ قبول ہیں۔

قیاسات :۔ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے دلائل میں جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں جو روایات صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اسلئے مذکورہ مسئلہ کی دلیل میں جو غیر صریح روایات (جن میں مقتدی یا امام کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے) اگر استدلال میں پیش کی جاتی ہیں تو بطورِ استدلال وہ صرف قیاس کی حیثیت رکھتی ہیں اور قیاس سے فرض ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔ اسلئے تمام غیر صریح روایات (اگر چہ صحیح ہوں لیکن) بطور دلیل کے ناقابلِ قبول ہیں

غرض مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے (چہ جائیکہ ''فرض'' کے حکم کیلئے متواترہ درکار ہے) اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور بغیر دلیل کے عمل کرنا انکے نزدیک شرک ہے اسلئے انکا دعویٰ رد ہے

''نماز میں مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے'' اس دعویٰ کے دلائل

احناف کے نزدیک مقتدی کو نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے وہ اپنے دعوے کی دلیل میں متعدد دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے چار قسم کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(١) قرآن کریم کی آیت (٢) حدیث شریف اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا (٣) حدیث شریف مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ.....(٤) آثار

(۱)قرآن کریم کی آیت:۔ آیت کریمہ ’’**وَاِذَاقُرِیَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْالَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ**۝

ترجمہ:۔ جب قرآن پاک پڑھا جائے تو تم سب اس کیطرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔
(سورہ اعراف آیت ۲۰۴)

غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ حنفیہ اس آیت کے معنی خلاف مراد مفسرین معترین لے کر اس سے **ثبوت ممانعت قرأت** کرتے ہیں۔

احناف کہتے ہیں تفسیر ابوسعود میں ہے ’’جمہور صحابہ کرامؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے سننے کے بارے میں ہے‘‘ (تفسیر ابوسعود ج ۲ ص ۲۲۴)۔ عبداللہ بن عباسؓ سے **بھی یہی** روایت کی ہے۔ صاحب **معالم التنزیل** نے شان نزول میں چند اقوال لکھ کر فرمایا ہے ’’سب سے **بہتر صورت پہلی صورت** ہے **یعنی** یہ آیت قرأت فی الصلوٰۃ کے بارے میں ہے (معالم بغوی ج ۲ ص ۲۷۲، بر حاشیہ خازن)۔ **مدارک** میں **بھی** وہی ہے جو ابوسعود میں ہے۔ معتبر تفاسیر میں یہی ہے بعض لوگ استماع خطبہ اور **بعض لوگ نسخ کلام فی الصلوٰۃ** اس کا شانِ نزول بتلاتے ہیں مگر جمہور تو یہی کہتے ہیں کہ قرأت **خلف الامام** ہی کے ضمن میں نازل ہوئی ہے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کی پس آیت کریمہ ’’**وَاِذَاقُرِیَ الْقُرْآنُ**‘‘ ....۝ نازل ہوئی۔

(۲) حضرت محمد بن کعب قرظی جو کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ جب نماز میں قرآن کریم پڑھتے تھے تو مقتدی اس کا جواب دیتے تھے جب حضور ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے تو مقتدی بھی یہی کہتے تھے، اسی طرح فاتحہ اور سورۃ کے ختم تک کہتے رہتے تھے، یہ صورتِ حال اللہ نے جہاں تک چاہا چلتی رہی، پھر آیت کریمہ **وَاِذَاقُرِیَ الْقُرْآنُ** ....۝ نازل ہوئی تو حضور ﷺ پڑھتے تھے اور لوگ خاموش رہتے تھے

(۳) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص قرآن پڑھے تو اس کا سننا واجب ہے؟۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ نہیں، پھر فرمایا کہ آیت کریمہ **وَاِذَاقُرِیَ الْقُرْآنُ** ۝ امام کی قرأت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب امام پڑھے تو آپ اس کو سنیں اور خاموش رہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک بار اپنے شاگردوں کو نماز پڑھائی انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ پیچھے قرأت کر رہے ہیں چنانچہ نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ، کیا تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ بوجھو؟ **جب قرآن** کریم پڑھا جائے کرے تو اسے سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔

(۵) حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھاتے تھے تو آپ بھی پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام بھی پڑھتے تھے، پس آیت کریمہ **وَاِذَاقُرِیَ الْقُرْآنُ** ...۝ نازل ہوئی تو لوگ خاموش ہو گئے اور حضور اکرم

ﷺ پڑھتے رہے۔ (مذکورہ تمام روایات درمنثور ج۲ ص۱۵۵ سے لی گئی ہیں)

ابوداؤد کی روایت ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ (زرقانی شرح مؤطا ج۱ ص۱۶۱)

اعتراض:۔ آیت سے فقط استماع وانصات ہی ثابت ہوتا ہے اور یہ بات ایسے سکوت کو مستلزم نہیں کہ مقتدی اپنے نفس میں سرّاً بھی نہ پڑھ سکے اسلئے کہ انصات نام ہی ترک جہر کا.......

جواب :۔ انصات کے معنی ترک جہر کس لغت میں ہے یہ معنی حقیقی ہیں کہ مجازی۔ اگر حقیقی ہیں تو اہل لغت نے یہ معنی نہیں لکھے۔ تمام اہل لغت انصات کے معنی سکوت کے لکھتے ہیں اور سکوت کے معنی عدم تکلم کے ہیں۔ اردو والے خاموشی اور چپ ہونے کے لکھتے ہیں۔ اگر معنی مجازی ہیں تو مجازی معنی چپ لئے جاتے ہیں۔ جب کہ کسی وجہ سے حقیقی معنی مرادنہ ہوسکیں اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ موجود ہو اور مذکورہ آیت میں تو حقیقی معنی یعنی عدم تکلم کا قرینۂ ظاہرہ لفظ ''فاستمعوا'' تو موجود ہے۔

تمام مفسرین انصات کے معنی عدم تکلم اور خاموش ہوجانے کے لکھتے ہیں مثلاً شاہ ولی اللہؒ انصتوا کے معنی خاموش باشید (چپ رہو) فرماتے ہیں اور شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحبان نے ''چپ رہنے اور کان لگانے'' کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

اعتراض :۔ استماع وانصات جہری نماز کے ساتھ مختص ہوگا کیونکہ سرّی نمازوں میں استماع ہو ہی نہیں سکتا تو اب آیت سے فقط جہری نمازوں میں سکوت ثابت ہوا۔

جواب :۔ آیت کے معنی تو فقط یہ ہیں کہ وقتِ قرأت قرآن خوب متوجہ ہوجاؤ اور خاموش رہو۔ خواہ تمہارے کان میں آواز آئے نہ آئے۔ اگر کسی شخص کو دوری کی وجہ سے جہری نماز میں امام کی قرأت کی آواز نہ پہنچ سکے تو کیا آپ اس کو سبکدوش کردیں گے اور اگر سرّی نماز میں استماع نہ رہا تو کیا ہوا، وہ خطاب **انصتوا** سے کیوں کر بری ہوجائے گا اور احادیث منع قرأۃ کو جب اس کے ساتھ بطورِ تغیر ملایا جائے تو پھر کسی قسم کا خفاء ہی نہیں۔

اعتراض:۔ اگر آیت سے استماع وانصات نماز سرّی وجہری دونوں ہی ثابت ہوجائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرأت فاتحہ اس حکم سے خاص ہے۔

جواب :۔ تخصیص کیلئے کسی دلیل وشرط کی ضرورت ہے۔ حدیث عبادہ متفق علیہ ہے تو اس آیت اور دیگر نصوص منع قرأت کے معارض ہی نہیں جو اس سے تخصیص کی جائے۔ اسکے علاوہ ''اِذَا قَرَأَ فَاَ نْصِتُوْا'' اور '' قِرَأۃُ الْاِمَامِ قِرَأۃٌ لَّہٗ'' کس کس کی تخصیص اپنے خیال کے بھروسے پر کروگے

''یہ آیت دربارۂ منع قرأت وہ حکم ناطق ہے کہ جمہور علماء نے اس کو تسلیم کیا ہے''۔

اعتراض:۔ آیت وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْآنُ .... ٥ آیت ''فاقرؤا ماتیسر من القرآن ٥'' کے معارض ہوجائے گی

کیونکہ پہلی آیت ہی تو حنفیہ کے قول کے مطابق قرأت سے مقتدی کو بالکل منع کر دیا گیا ہے اور آیت میں علی العموم مقتدی ہو یا امام یا منفرد سب کو حکم قرأۃ فرمایا گیا۔

جواب :۔ بوجہ شان نزول آیت مذکورہ (**وَاِذَاقُرِئَ الْقُرَآنُ** ....o) خاص ہے کیونکہ دربارۂ تہجد آیت مذکورہ (''**فاقرؤا ماتیسر من القرآن o**'') نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ نماز تہجد اکیلے اکیلے پڑھی جاتی ہے اور ''**فَاقْرَءُوْا**...... ....o'' کے مخاطب صرف امام اور منفرد ہیں۔

اعتراض:۔**وَاِذَاقُرِئَ الْقُرَآنُ**..........o میں حکم استماع اور انصات مومنین کو نہیں بلکہ کفار کو ہے۔

جواب:۔ یہ تفسیر جمہور مفسرین کے خلاف ہے۔ مفسرین کے نزدیک یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کچھ مفسرین کے نزدیک استماع خطبہ اور بعض کے نزدیک نماز میں فسخ کلام کے سلسلے میں نازل ہوئی تو یہ تمام تو مومنین کے حق میں ہوا نہ کہ کفار کے حق میں ۔ (آیت پر بحث کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''احسن الکلام فی ترک القرأۃ خلف الامام مصنف حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ'' اور ''ایضاح الادلہ مصنف شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ'')

(۲) **حدیث شریف** :۔ ''اِذَا قَرَأَ فَاَ نْصِتُوْا'' **ترجمہ**:۔ جب (امام) قرأت کرے تو خاموش رہو۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ خَطَبَنَا فَبَیَّنَ لَنَاسُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَاصَلَاتَنَافَقَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْاصُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمُّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَفَکَبِّرُوْا (حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ اَنَا جَرِیْرٌ عَنْ سُلَیْمَانَ التَّیْمِیِّ کُلُّ ھٰؤُلَآءِ عَنْ قَتَادَةَ فِیْ ھٰذَا الْاِسْنَادِ) وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَاقَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ..... **ترجمہ**:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا پس ہمارے لئے ہمارا طریقہ کا واضح فرمایا اور ہمیں ہماری نماز سکھائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز شروع کرو تو صفیں خوب اچھی طرح سیدھی کرلیا کرو، پھر تم میں کا ایک شخص امام بنے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو (اور بروایت جریر **عن سلیمان عن قتادہ** اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ) اور جب وہ قرأت شروع کرے تو خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء کو قبول کریگا۔.................. (صحیح مسلم **باب التشہد فی الصلوٰۃ** ج۱ ص۱۷۴، مسند احمد ج۴ ص۴۱۰)

مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے وجوب میں یہ حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے۔

استدلال پر اعتراضات:۔ اس میں راوی سلیمان التیمی ہیں اور کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ مدلس ہیں اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ''وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو'' یہ زیادتی غیر محفوظ ہے۔

جواب:۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدثنا وغیرہ الفاظ سے تحدیث کرے تو تدلیس کا الزام اس پر سے رفع ہو جاتا ہے (شرح نخبۃ الفکر ص۵۳، تعلق المغنی ج۱ ص۱۲۰ وغیرہ)۔ صحیح ابو عوانہ ج۲ ص۱۳۳ اور ابو

داؤد ج۱ص۱۴۰ میں سلیمان تیمی کی تحدیث ’’قال حدثنا قتادۃ ہے اس لئے تدلیس کا اعتراض نا قابل قبول ہے۔ دوسرے اگر مدلس روای کا کوئی متابع موجود ہوتو تدلیس کا عیب اور طعن اس سے اٹھ جا تا ہے۔ صحیح ابوعوانہ کی روایت ہی میں سلیمان تیمی کے مطابق ابوعبیدہؒ موجود ہیں۔ اور دار قطنی ج۱ص۱۲۵ اور سنن الکبری ج۲ص۱۵۶ میں دو اور متابع عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ موجود ہیں۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں اعتراض کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ کیا غیر مقلدین کے نزدیک صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی روایات بھی صحیح نہیں ہیں؟

سلیمان التیمی:۔ (تہذیب التہذیب ج۴ص۱۵۸)

سلیمان تیمیؒ بلا اختلاف، ثقہ اور ثبت، متقن اور حافظ تھے۔ اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہے اسلئے ”**واذا قرأ فانصتوا**“ کی زیادتی محفوظ ہے۔

اعتراض: کچھ غیر مقلدین کہتے ہیں ’**واذا قرأ فانصتوا**‘ کی زیادتی صحیح ہے مگر اس سے مرادُ ما زادعلی الفاتحہ یعنی سورۂ فاتحہ کے بعدُ کی قرأت ہے۔

جواب :۔ یہ توجیہ اور تاویل قطعاً باطل ہے اسلئے کہ مسلم کی روایت میں اور ابوعوانہ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ’’جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیہم والا الضالین کہے تو تم آمین کہو......... ‘‘ دیکھئے ان روایات میں سورۂ فاتحہ کیلئے لفظ قرأۃ صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ (کچھ غیر مقلدین بیہقی کتاب القرأۃ کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ یہ روایت ایسے ہے ’’واذا قرأ فانصتوا الا الفاتحۃ الکتاب یعنی جب امام قرأۃ کرے تو خاموش رہو مگر سورۂ فاتحہ۔‘‘ مگر اس روایت میں راوی یونس وغیرہ بہت ضعیف ہیں اس لئے یہ تاویلات بھی محض طفل تسلی ہیں۔)

اعتراض :۔ اس روایت کو ابوداؤد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابوداؤد نے ایک راوی ابوخالد احمر کی طرف وہم کی نسبت کی ہے۔

جواب :۔ اس روایت کو ابوداؤد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے مگر جبکہ اس کی سند صحیح ہے اور اسکے راوی ثقہ ہیں تو اس کا لحاظ نہ ہوگا اور یہی وہ شاذ مقبول حدیث ہے۔ (فتح القدیر ج۲ص۲۹۷) امام عینی نے شرح بخاری میں شبہات معترضین کو دفع کیا ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں ’’تمہید میں امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے یعنی حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثیں۔ اور اعتراض تو امام ابوداؤد پر ہے کہ انہوں نے ابوخالد احمر کی طرف وہم کی نسبت کی ہے حالانکہ وہ بلاشبہ ثقہ ہیں‘‘۔ آگے لکھتے ہیں ’’رہے ابوخالد تو ان کی روایت صحاح ستہ کے تمام مصنفین نے لی ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور امام اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت وکیعؒ سے انکے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ابوخالد بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے احوال پوچھے جائیں؟ اور ابوھاشم بن محمد بن یزید رفاعی کہتے ہیں کہ ہم

سے حدیث بیان کی ابوخالد احمر نے جو ثقہ اور قابل اطمینان ہیں۔" (عمدۃ القاری ج٦ ص١٥) نیز ابوخالد روایت میں منفرد نہیں بلکہ محمد بن سعد الانصاری نسائی کی روایت میں انکے شریک ہیں اور امام منذری نے بھی ابوداوٗد کے قول کا انکار کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احسن الکلام ص٢٣٥ تا ٢٦٧)

(٣) **حدیث شریف:** ●مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَآءَ ةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَآءَ ةٌ. **ترجمه:** جس شخص کیلئے امام ہو (یعنی وہ مقتدی بن کر نماز پڑھے) تو امام کی قرأت اس کیلئے بھی قرأت ہے (ابن ماجہ ص٦١، مسند احمد، ج٣ ص٣٣٩، مؤطا امام محمد ص٩٧، کتاب الآثار ج١ ص٢٠، نصب الرّایۃ ج٢ ص٦ تا ١٣)

اعتراض: یہ حدیث ضعیف ہے اس حدیث کے جمیع طرق معلول اور ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مذکور مرسل ہے

جواب:۔ اس حدیث کی نسبت بعض محدثین کا قول یہ ہے کہ حدیث مذکور کا رسول اللہ ﷺ تک مرفوع ہونا اور حدیث مذکور کا مرسل ہونا (دونوں) متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ جب کہ حدیث مرسل بھی ہمارے، بلکہ اکثر ائمہ کے نزدیک معتبر ہے۔ نووی ج١ ص١٣٢ مقدمۂ مسلم میں فرماتے ہیں کہ "امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ اور بہت سے فقہاء نے حدیث مرسل سے استدلال کو جائز قرار دیا ہے۔

امام ابن ہمام فتح القدیر میں حدیث مذکور کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

"یہ حدیث متعدد سندوں سے حضرت جابر بن عبداللہؓ کے واسطے سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور اس حدیث کے مرفوع ہونیکو ضعیف کہا گیا ہے مگر ضعیف کہنے والے حضرات مثلاً دار قطنی بیہقی اور ابن عدی اعتراف کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مرسل ہونا صحیح ہے کیونکہ بہت سے حفاظ حدیث مثلاً دونوں سفیان، ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل شریک ابوخالد والالی، جریر، عبدالحمید، زائدہ اور زہیر نے اس حدیث کو موسیٰ بن ابی عائشہ کے حوالہ سے عبداللہ بن شداد کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ یعنی ان سب حضرات نے اس حدیث کو مرسل نقل کیا ہے نیز امام ابوحنیفہؒ نے بھی ایک سند میں اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔ بہر حال اگر حدیث کو مرسل ہی مانا جائے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے (فتح القدیر ج١ ص٢٩٥)۔

اعتراض:۔ حدیث مذکور کو سوائے ابوحنیفہؒ و حسن بن عمارہ کے کسی نے مسند نہیں بیان کیا اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

جواب:۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معینؒ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو امام صاحب کی تضعیف کرتے ہوئے نہیں سنا۔

اور جب امام صاحب کا اورع الناس ہونا اقوال اکابر سے ظاہر ہو گیا تو اب ان کی روایت کے صحیح بلکہ اصح ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اگرچہ روایت میں وہ منفرد ہی ہوں کیونکہ ثقہ کی روایت بالاتفاق سب کے نزدیک معتبر ہے گو منفرد ہوں۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو امام صاحب کے علاوہ اور ثقات نے بھی روایت کیا ہے۔

● اَخْبَرَنَا اَبُوالْحَسَنِ مُوْسَی ابْنُ اَبِیْ عَائِشَةَ ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَأةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَأةٌ . اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں اور معتبر ہیں۔

(موطا امام محمد ص ۹۸)

قَالَ اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ فِیْ مُسْنَدِهٖ :

(۱) ● اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ الْاَزْرَقُ، ثَنَا سُفْیَانُ وَشَرِیْکٌ عَنْ مُوْسَی بْنِ اَبِیْ عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَأةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَأةٌ .

(۲) ثُمَّ قَالَ وَرَوَاهُ عَبْدُبْنُ حُمَیْدٍ ثَنَا اَبُوْنُعَیْمٍ، ثَنَا الْحَسَنُ ابْنُ صَالِحٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فَذَکَرَهٗ. **ترجمہ**:۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اسکی بھی قرأت ہے، نمبر۲ حدیث اور دوسری سند سے منقول حدیث کا مضمون بھی یہی ہے ....اور حدیث جابرؓ کی پہلی سند شیخین کی شرط کیموافق ہے اور دوسری سند مسلم کی شرط کیمطابق ہے۔

حدیث کو مرفوع بیان کرنا بھی ایک زیادتی ہے جس کو اگر ثقہ بھی بیان کرتا ہے تو اس کو قبول کرنا لازم ہے چہ جائیکہ وہ منفرد بھی نہ ہو۔ (فتح القدیر ج ا ص ۲۹۵)

اس کے سوا اس حدیث کے طرق متعددہ اور بھی موجود ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ وغیرہم سے حدیث مذکور منقول ہے اور روایت کرنے والے ابن ماجہ، طبرانی، دارقطنی، ابن حبان وغیرہ ہیں، اگر کسی حدیث کے طرق متعددہ ضعیفہ موجود ہوں تو حدیث مذکور بوجہ تعدد طرق حسن بن جاتی ہے اور قوی سمجھی جاتی ہے۔ سو جب طرق ضعیفہ رل مل کر قوی شمار ہوتے ہیں تو طرق ضعیفہ کا صحیحہ کے ساتھ مل کر اعلیٰ واقویٰ ہونا امر بدیہی ہے۔

حدیث عبادہؓ اور حدیث من کان لہ امام کی سندوں میں موازنہ:۔ مولانا بحرالعلوم ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں ’’حدیث من کان لہٗ امام..........کی سند حضرت عبادہؓ کی حدیث کے متعلق صاحبِ فتح القدیر فرماتے ہیں ’’حدیث من کان لہ امام، کو ترجیح دی جائے گی اس وجہ سے کہ بوقت تعارض علی الاطلاق ممانعت کو ترجیح دی جاتی ہے اور قوت سند کی وجہ سے بھی، کیونکہ ممانعت کی حدیث یعنی من کان لهٗ امام.........اصح ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۲۹۶)

علامہ عینیؒ کہتے ہیں ’’حضرت عبادہؓ کی حدیث کی سند میں محمد ابن اسحٰق ہیں اور وہ مدلس ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان میں صرف تدلیس کا عیب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مدلس جب عن فلاں کہہ کر روایت کرے تو باجماع محدثین اسکی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور‘‘ یہاں تو مزید یہ بات ہے کہ امام مالک نے ان کو جھوٹا قرار دیا ہے اور امام احمد نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس روایت سے حدیث ثابت نہیں ہے اور زرعہ رازی نے فرمایا ہے کہ اسکی موافقت

میں کوئی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۷)

دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں:۔ حدیث عبادہ متفق علیہ حدیث **من کان لهٗ امام** کی معارض ہی نہیں ہے۔

کیونکہ ادلّہ شرعیہ میں اصل عدم تعارض ھے: اصل یہی ہے کہ ادلہ شرعیہ اور احادیث نبوی ﷺ میں حتی الوسع تعارض نہ مانا جائے ہاں جب کوئی صورتِ تطبیق ممکن نہ ہو تو بمجبوری نصوص شرعیہ میں تعارض و تناقض مان کر فکر ترجیح کرتے ہیں۔ خبر واحد نص قرآنی کی معارض نہیں ہوسکتی

حدیث اول جو بروایت ترمذی وغیرہ سے منقول ہے وہ تو بے شک نصوص منع قرأۃ خلف الامام کے معارض ہے مگر اسکی صحت میں کلام ہے اسلئے وہ حدیث احادیث صحیحہ بالخصوص نص قرآنی کے مزاحم نہیں ہوسکتی بلکہ ان نصوص صحیحہ اور متواترہ کے مقابلہ میں حدیث مذکور ہی کو ترک کرنا پڑیگا

دوسری حدیث جو متفق علیہ ہے اس کو اگر نصوص منع قرأت کے معارض مان لیں تو متفق علیہ حدیث پھر بھی خبر واحد ہے اور اسے نص قرآنی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

اور اگر اسے نصوص منع قرأت کے معارض ہی نہ مانا جائے تو پھر حدیث عبادہؓ احناف کے مقابلہ میں غیر مقلدین کو کسی طرح مفید نہیں ہوسکتی

حدیث من کان لهٗ امام ....، حدیث عبادہ کی مفسّر ہے:۔ حدیث **من کان لهٗ امام** ......حدیث **لاصلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب** کے معارض نہ ہوگی بلکہ اسے مبیّن و مفسّر کہنا ہوگا یعنی حدیث عبادہ سے فقط اس قدر ثابت ہوا تھا کہ ہر مصلّی کو قرأت فاتحہ لازم ہے اور اس سے ساکت تھی کہ خود مقتدی کو بالذات پڑھنی چاہئے یا امام اسکی طرف سے اسے انجام دے سکتا ہے تو حدیث من کان لہٗ امام ......نے اس کی خوب توضیح فرمادی۔

حدیث عبادۃ اور حدیث من کان لہٗ امام میں تعارض نہیں ہے:۔ **من کان لهٗ امام**، **حدیث من کان لهٗ امام** ....کی معارض نہیں اسلئے کہ لاصلوٰۃ ....کا ماحصل تو صرف یہ ہے کہ ہر ایک مصلّی کے حق میں قرأت فاتحہ ضروری ہے لیکن یہ بات کہ بالخصوص ہر ایک شخص کو بذات خود فاتحہ کا پڑھنا لازم ہے اور بغیر اس کے وجوب قرأت سے بری الذمہ نہ ہوگا یا کوئی اور بھی اس کی طرف سے پڑھ سکتا ہے کہ جس کے پڑھنے سے یہ سبکدوش ہوجائے اور اس کا پڑھنا بعینہٖ اسکا پڑھنا سمجھا جائے اس حکم سے حدیث مذکور ساکت ہے۔ ہاں حدیث **من کان لهٗ امام** ....نے اس امر کی تشریح کردی ہے کہ ہر ایک شخص کی طرف سے اس کا امام حکم قرأت انجام دے کر اس کو سبکدوش کردے گا اور بحکم حدیث مذکورہ قرأت امام بعینہٖ مقتدی کی قرأت سمجھی جائے گی جیسا کہ درباب ضم سورت امام کے ہوتے ہوئے مقتدی کو نہ پڑھنا چاہیے باوجودیکہ خود حضرت عبادہؓ کی روایت میں جو امام مسلم نے بیان کی ہے "فصاعداً" بھی موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور اس کے سوا اور کلام اللہ نہ پڑھے یعنی ضم سورت نہ کرے اس کی نماز نہ ہوگی، لیکن بوجہ حدیث سابق امام

کاضم سورت کرنا بعینہٖ مقتدی کا پڑھنا ہے ایسا ہی قرأت فاتحہ کے بارے میں، امام کی قرأت ہے بعینہٖ مقتدی کی قرأت ہے اس صورت میں حدیث عبادہؓ ترمذی، مسلم، اور حدیث قرأت الامام میں اصلاً تعارض نہ ہوگا۔ ہاں غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق حدیث مسلم کو تو ضرور ہی منسوخ ومتروک کہنا پڑے گا۔

اعتراض :۔ احناف کہتے ہیں کہ حدیث لاصلوٰۃ...... منفرد کیلئے ہے جبکہ ایک حدیث ہے لاصلوٰۃ لمن لاوضوء لہٗ۔ یعنی جو شخص بھی وضو نہ کرے اس کی نماز نہیں (سنن دارمی) جب یہ حدیث تمام نمازیوں کیلئے ہے کہ جو شخص وضو نہ کرے اس کی نماز نہ ہوگی اسی طرح یہ حدیث بھی تمام نمازیوں کیلئے ہوگی چاہے وہ امام ہو یا مقتدی۔

جواب :۔ اگر پانی نہ ملے تو وضو کا قائم مقام تیمّم ہوسکتا ہے جس طرح تیمّم کرنے والا حدیث سے مستثنیٰ ہے اسی طرح مقتدی کی قرأت کا قائم مقام امام ہے۔ حدیث ''**من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ**'' کے حکم سے۔ اسی طرح حدیث معارض نہ ہوگی ورنہ تعارض لازم آئے گا۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایضاح الادلہ ص ۱۳۹ تا ۱۵۸، احسن الکلام ص ۳۱۸ تا ۳۲۷)

(۴) **آثار**: مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنیکی ممانعت سلف (صحابہ وتابعین) کے اقوال سے بھی ثابت ہے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) ☆ حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے زید بن ثابتؓ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ ''امام کے ساتھ کسی نماز میں قرأت نہیں''۔ (صحیح مسلم **باب سجود التلاوۃ** ج ۱ ص ۲۱۵)

(۲) ☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا جاتا کہ کیا امام کی اقتداء میں قرأت کی جائے تو فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے، تو اس کو امام کی قرأت **کافی ہے، اور جب** تنہا پڑھے تو قرأت کرے، حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے **تھے** (**موطا امام مالک** ص ۳۸)۔

(۳) ☆ ابن ابی شیبہ نے سعد ابن وقاصؓ اور زید بن ثابتؓ **کا قول** نقل کیا ہے، کہ جس نے امام کے پیچھے نماز میں پڑھا اس کی نماز جائز نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ''**من کرہ القرأۃ خلف ا لا مام**'' ج ۳ ص ۲۷۹)

(۴) ☆ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میری ستر (۷۰) بدری صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی ہے، جو سب کے سب مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے سے منع کرتے تھے (روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۲)۔

(۵) ☆ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ہم نے کسی مسلمان سے نہیں سنا ہے کہ جب امام جہری قرأت کرے تو اس مقتدی کی نماز نہیں ہوتی جو قرأت نہ کرے اور امام احمد بن حنبلؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ہیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور یہ امام مالک ہیں حجاز میں اور سفیان ثوری ہیں عراق میں اور یہ امام اوزاعی ہیں شام میں اور لیث بن سعد ہیں مصر میں ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ اس شخص کے بارے میں جس نے نماز پڑھی اور اس کے امام نے قرأت کی، اور خود اس نے قرأت

نہیں کی کہ اس کی نماز باطل ہے (المغنی ج ا ص ۶۰۲)۔

(۶) ☆ امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی بات جو لوگوں نے نئی چیز پیدا کی وہ امام کے پیچھے پڑھنا ہے، اور سلف صالحین نہیں پڑھا کرتے تھے۔ (الدر المنثور، ج ۳ ص ۱۵۶)

تحقیق مسئلہ مذکورہ:۔ احادیث دونوں جانب ہیں اگر خدانخواستہ کوئی فریق صرف ایک قسم کے دلائل کو مانتا ہے اور دوسری قسم کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ احادیث کا انکار کرتا ہے جو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں اجتھاد کیا جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ :۔ غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (نماز جہری ہو یا سری) ''فرض'' کی دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا احادیثِ صحیحہ صریحہ متواترہ چاہیئے (کیونکہ ''قیاس'' سے فرض ثابت نہیں کیا جاسکتا)۔

غیر مقلدین استدلال میں جو روایات پیش کرتے ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم صریح روایات کی ہے (جن میں نفس مسئلہ الفاظ کیساتھ مذکور ہو۔ مثلاً یہاں جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر ہو)، یہ تمام روایات غیر صحیح ہیں۔ اور دوسری قسم غیر صریح روایات کی ہے (جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر نہ ہو بلکہ جن میں قیاس کرنا ہوتا ہے)۔ ایسی روایات قابلِ حجت نہیں اگرچہ صحیح ہوں۔ ''مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہے'' اس کی دلیل میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں اسلئے نفس مسئلہ ثابت ہی نہیں ہوتا۔

ایک تو استدلال میں روایات صحیح نہیں ہیں دوسرے یہ روایات صرف تین صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ (۱) حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایات (۲) حضرت انسؓ سے روایات (۳) حضرت ابوھریرۃؓ سے روایات۔ اسلئے ان روایات کا ''متواترہ'' ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

غرض مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہونیکے سلسلہ میں شرط کیمطابق ایک بھی (صحیح صریح حدیث) دلیل نہیں ہے۔ اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ رد ہے

احناف کے دلائل کا جائزہ :۔ احناف کے نزدیک بہرصورت خواہ جہری نماز ہو یا سری، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

احناف اپنے دعوے کی دلیل میں (۱) قرآن کریم کی آیت (۲) حدیث شریف اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا (۳) حدیث شریف مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ .. .. (۴) آثار پیش کرتے ہیں۔

احناف استدلال میں آیت ''واذا قرئ القرآن .....'' پیش کرتے ہیں۔ آیت قطعی ہوتی ہے اور حدیثِ واحد ظنی، اور قطعی کے مقابلہ میں ظنی پر عمل جائز نہیں ہے۔

”واذا قرأ فانصتوا “ حدیث، صحیح مسلم ج۱ ص۱۷۴، نسائی ج۱ ص۱۴۶، ابوداؤد ج۱ ص۱۴۰، ابن ماجہ ص۶۱، مسند احمد ج۴ ص۴۱۰، صحیح ابوعوانہ وغیرہ میں صحیح سند ومتن کے ساتھ مروی ہے یہ حدیث صحیح صریح ہے اس لئے قابل قبول ہے۔

حدیث شریف مَنْ کَانَ لَهُ اِمَامٌ .... ”حدیث عبادہؓ ”لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ ......“ کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کیلئے مفسر ہے۔ یعنی حدیث عبادہؓ سے تو فقط اس قدر ثابت ہوا تھا کہ ہر مصلی کو قرأت فاتحہ لازم ہے لیکن اس سے ساکت تھی کہ خود مقتدی کو بالذات پڑھنی چاہیئے، یا امام بھی اس کی طرف سے اس مہم کو سرانجام دے سکتا ہے؟ اور حدیث مَنْ کَانَ لَهُ اِمَامٌ..... نے اس کی خوب توضیح فرمادی کہ امام مقتدی کی طرف سے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر مکلّف ہے۔

مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض ہونیکی دلیل میں غیر مقلدین کو قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہیئے جب کہ انکے پاس ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے، اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ رد ہے۔ جبکہ حنفی مسلک میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا اس سے زیادہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ احناف کے پاس قرآن پاک کی آیت اور صحیح مسلم کی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے حدیث موجود ہے جو صحیح صریح حدیث ہے ان دونوں (آیت اور حدیث) سے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنیکا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور ترکِ واجب مکروہ تحریمی ہے۔

اسلئے مقتدی کیلئے نماز (چاہے جہری ہو یا سری) میں امام کے پیچھے قرأۃ (سورۂ فاتحہ یا اس سے زیادہ پڑھنا) مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا، لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کیمطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے، اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانیوالے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا

اگر کوئی غیر مقلد جہری نماز کی جماعت میں شروع ہی سے شامل ہوتا ہے تو امام کیساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے

کوئی امام سے پہلے ہی سورۂ فاتحہ ختم کر دیتا ہے تو اپنی ولا الضالین پر آمین سراً (آہستہ) کہتا ہے، اور جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو یہ جہراً (بلند آواز سے) آمین کہتا ہے، اس طرح ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور دو مرتبہ آمین کہتا ہے۔

کوئی امام کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور ایک مرتبہ آمین کہتا ہے۔

اگر کوئی درمیان میں آکر جماعت میں شامل ہوتا ہے تو امام کے سورۂ فاتحہ ختم ہونے تک انتظار کرتا ہے اور امام کی سورۂ فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتا ہے اور پھر سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور اپنی سورۃ ختم ہونے پر بھی آمین کہتا ہے۔

اور اگر سری نماز کی جماعت میں شامل ہوتا ہے تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد صرف ایک مرتبہ آمین کہتا ہے۔

بعض غیر مقلدین جب امام کو رکوع میں پاتے ہیں تو جلدی سے اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں اور اس رکعت کو پوری مانتے ہیں اور بعض غیر مقلدین پوری نہیں مانتے۔

اگر مزید توجہ سے جائزہ لیا جائے تو اور بھی مختلف مناظر نظر آئینگے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے اور تقلید میں نظم وضبطِ ملت ہے۔

سوالات

(۱) 'امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے' اسکی دلیل میں غیر مقلدین کو 'احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ' پیش کرنا چاہیئے لیکن ان کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے آسان مطالبہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ کی دلیل میں صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کردیں۔

(۲) جب مقتدی جماعت میں شامل ہو تو اسے کب سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرنا چاہیئے اسکی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں

(۳) مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھے اس کی دلیل میں صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟

۴) جب امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کیلئے کافی نہیں ہے تو مقتدی امام کی ولا الضالین پر آمین کہنے کا کیوں مکلّف ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔

مسئلہ آمین

احناف:۔ احناف کے نزدیک قرأت جہری ہو یا سری مقتدی کا سراً آمین کہنا سنت ہے۔

مالکیہ:۔ مالکیہ کے نزدیک قرأت جہری ہو یا سری مقتدی کا سراً آمین کہنا سنت ہے۔

شوافع:۔ شوافع کے نزدیک جہری قرأت میں جہراً آمین کہنا سنت ہے۔

حنابلہ:۔ حنابلہ کے نزدیک جہری قرأت میں جہراً آمین کہنا سنت ہے۔

ائمۂ اربعہ میں اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے جائز اور ناجائز کا نہیں ہے۔

"مقتدی کا جہراً آمین کہنا سنت ہے" اس دعویٰ کی حقیقت

[نماز میں ولا الضالین کہنے کے بعد آمین سراً (آہستہ) کہنے کے جمیع اہلسنت والجماعت قائل ہیں غیر مقلدین بھی سری نمازوں میں سراً کہنے کے قائل ہیں۔ اور جہری نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعتوں میں بھی سراً کہنے کے قائل ہیں۔ لیکن جہری نمازوں میں پہلی اور دوسری رکعتوں میں امام کے **ولا الضالین** کہنے کے بعد غیر مقلدین ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ مقتدی زور سے آمین کہے انکے نزدیک یہی سنت ہے اور وہ اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور اپنے اس "قیاس"

کو ''عمل بالحدیث'' کا نام دیتے ہیں جب کہ مذکورہ مسئلہ کی حقیقت ملاحظہ ہو]

احادیث کی کسی روایت میں ایسا نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہو یا آپ کا قول ہو کہ جب امام ولا الضالین کہے تو مقتدی جہراً (بلند آواز سے) آمین کہے۔

آمین بالجہر کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث استدلال میں پیش کی جاتی ہیں (وہ یا مضطرب ہیں یا غیر صحیح) ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ فاتحہ جہراً پڑھی اور پھر اسکے بعد جہراً آمین کہا۔ حضور ﷺ کی اتباع کا نام لیکر ''آمین'' کے سلسلہ میں جہر (بلند آواز) کا استدلال کیا جاتا ہے اور ''سورۂ فاتحہ'' کے سلسلہ میں جہر کا استدلال چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی مقتدی سورۂ فاتحہ تو آہستہ پڑھے اور آمین زور سے کہے یہ ''انوکھا قیاس'' نا قابل فہم ہے۔ اس سلسلہ میں غیر مقلدین کو صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کرنا چاہئے کہ امام سورۂ فاتحہ جہراً پڑھے گا اور مقتدی سراً پڑھے گا۔ اور امام جہراً آمین کہے گا۔ اور مقتدی بھی جہراً آمین کہے گا۔

نیز غیر مقلدین کو اپنے طرز استدلال پر دلیل دینا چاہئے کہ ایک ہی روایت سے جہاں امام کیساتھ جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے کو چھوڑ دیا جائے وہاں سے سراً (آہستہ) پڑھا جائے اور اسی مقام سے جہراً (بلند آواز سے) آمین کہنے کی دلیل لی جائے یہ عمل بالحدیث ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ ''قیاس غلط'' ہے جو نا قابل قبول ہے۔

سراً آمین کہنے کی روایات

☆مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؒ نے کہا ''آمین'' دعا ہے۔ (بخاری بَابُ الْجَهْرِ بِالتَّامِيْن ج ۱ ص ۱۰۷) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً'' یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۵) اور حدیث شریف میں ہے ''اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمًّا وَّلَا غَائِبًا'' یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيْر ج ۱ ص ۴۲۰) آیت اور احادیث مشیر ہیں کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور چونکہ آمین دعا ہے اسلئے اسمیں بھی اصل اخفا. (آہستہ، خفیہ) ہے۔ چنانچہ جمیع اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں، جیسا کہ گذر چکا ہے اسلئے اس کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے عملاً فریق مخالف بھی اس پر عمل کرتا ہے لیکن استحساناً چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)● حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھاتے تھے فرماتے تھے امام سے جلدی مت کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ والا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی کرو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم کہو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، بَابُ اِئْتِمَامِ الْمَامُوْمِ بِالْاِمَام ج ۱ ص ۱۷۷)

(۲)● حضرت حسنؓ سے روایت ہے حضرت سمرہ بن جندبؓ اور عمران بن حصینؓ نے آپس میں بحث کی پس حضرت سمرہ بن

جندبؓ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دوسکتوں (خاموشیوں) کو یاد رکھا ایک سکتہ تو وہ ہے کہ جب تکبیر کہے اور دوسرا سکتہ وہ ہے کہ **غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ** پڑھنے سے فارغ ہوئے پس سمرہؓ نے اس کو یاد رکھا اور عمران بن حصینؓ نے اس کا انکار کیا دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ سمرہؓ نے یاد رکھا۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ السَّکْتَۃِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ ج ۱ ص ۱۱۴)

(۳) ● حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی پس جب **غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ** پڑھا آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۶، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، **بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّامِیْنِ** ج ۱ ص ۵۸، ابوداؤد الطیالسی ص ۱۳۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، **بَابُ التَّامِیْنِ فِی الصَّلوٰۃِ** ج ۱ ص ۳۳۴، مستدرک حاکم کتاب التفسیر، **بَابُ آمِیْنَ یُخْفَضُ الصَّوْتُ** ج ۲ ص ۲۳۲)

(۴) ● حضرت ابووائلؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** اور تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، **بَابُ قِرَ أَۃِ بِسْمِ اللّٰہِ فِی الصَّلوٰۃِ** ج ۱ ص ۱۴۰)

(۵) ● حضرت ابرہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ امام ان کو آہستہ سے پڑھے گا۔ **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** اور تعوذ اور **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** اور آمین اور **اَللّٰھُمَّ رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ**.

(مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَا یُخْفِی الْاِمَامُ ج ۲ ص ۸۷)

کیا مقتدی کے لئے جہراً آمین کہنا سنت ہے؟

غیر مقلدین: غیر مقلدین کے نزدیک امام کی جہری قرأت میں ولا الضالین کہنے پر مقتدی کو جہراً (زور سے) آمین کہنا سنت ہے، سراً کہنا جائز نہیں ہے۔

احناف: ۔ احناف کے نزدیک بہرصورت قرأت جہری ہو یا سری مقتدی کا سراً آمین کہنا سنت ہے۔

نکتہ اختلاف: ۔ غیر مقلدین کے نزدیک جہری نمازوں کی جہری قرأت میں امام کے ولا الضالین کہنے پر مقتدی کیلئے جہراً (زور سے) آمین کہنا سنت ہے، سراً کہنا جائز نہیں ہے۔ اسلئے یہ (بلند آواز سے آمین کہنا) غیر مقلدین کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کی دلیل میں انہیں صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے۔

احناف کے نزدیک جہری سری دونوں نمازوں میں مقتدی کیلئے سراً (آہستہ سے) آمین کہنا سنت ہے۔ اور یہ ”سنت، سننِ زوائد میں سے ہے (جیسا کہ شامی کتاب الصلوۃ / باب صفۃ الصلوۃ ج ۲ ص ۱۷۰ تا ۱۷۲ پر ہے)۔ اور سننِ زوائد ضعیف احادیث سے بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

صحیح احادیث میں نماز میں سورۂ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد ''ولا الضالین'' کہنے کے بعد ''آمین'' کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر جمیع اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ جب آمین کہنے کا حکم دیا گیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آمین آہستہ (سراً) کہا جائے یا بلند آواز سے (جہراً) کہا جائے۔ مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؒ نے کہا ''آمین'' دعا ہے۔ (بخاری بَابُ الْجَهْرِ بِالتَّامِيْن ج ا ص ۱۰۷) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً'' یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۵) نیز حدیث شریف میں ہے ''اِنَّكُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمًّا وَّلَا غَائِبًا'' یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد بَاب مَايُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيْر ج ا ص ۴۲۰) آیت اور احادیث مشیر ہیں کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور چونکہ آمین دعا ہے اسلئے اسمیں بھی اصل اخفاء (آہستہ، خفیہ) ہے۔ چنانچہ جمیع اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ جب منفرد نماز پڑھ رہا ہو تو **ولا الضالین** کہنے کے بعد سراً (یعنی خاموشی، خفیہ) آمین کہنے پر اتفاق ہے۔ اسی طرح جب جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو تو سری نمازوں میں آمین سراً کہنے پر بھی اتفاق ہے۔ اگر جہری نماز پڑھ رہا ہو تو بھی سراً آمین کہنے پر بھی اجماع ہے۔ جمیع اہل سنت والجماعت ان تمام مواقع پر سراً آمین کہنے پر متفق ہیں سوائے شوافع اور حنابلہ کے۔ کیونکہ شوافع اور حنابلہ ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ ''جہری نمازوں میں جہری قرأت میں جب امام **ولا الضالین** کہے تو مقتدی زور سے آمین کہے یہ اولیٰ ہے، لیکن سراً (آہستہ) کہنا جائز ہے۔'' لیکن احناف اور مالکیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ ''اس وقت مقتدی سراً (آہستہ) آمین کہے، جہراً کہنا جائز ہے''۔ پس ائمہ اربعہ میں اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، جواز و عدم جواز کا نہیں ہے۔

جب کہ غیر مقلدین جہراً آمین کہنے کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے (جیسا کہ ایک امر زائد رفع یدین عند الرکوع میں قائل ہیں) تو انہیں چاہئے کہ روایات صحیحہ صریحہ سے آمین بالجہر ہی کا سنت ہونا ثابت کریں اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے (۱) یا تو دوام جہر ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ آنحضورﷺ ہمیشہ زور سے آمین کہتے تھے، یہ بات ثابت کئے بغیر جہر کا اصل سنت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضورﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں زور سے آمین کہی ہے تا کہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے۔ اور یہ دونوں باتوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں کیونکہ آمین بالجہر کے سلسلے میں جو صحیح روایات ہیں وہ صریح (جس میں نفس مسئلہ الفاظ کیساتھ مذکور ہوں) نہیں ہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ پھر ان سے نہ دوام فعل ثابت ہوتا ہے نہ آخری عمل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جہراً آمین کہنے کی روایات

جہراً آمین کہنے کی جتنی روایات موجود ہیں ان میں سے کوئی ایسی روایت نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ آمین زور سے کہو بلکہ غیر مقلدین بعض فعلی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا طرزِ استدلال انوکھا ہے۔

استدلال کا انوکھا طرز:۔ آمین بالجہر کے سلسلے میں جتنی روایات بھی استدلال میں پیش کی جاتی ہے ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورۂ فاتحہ جہراً پڑھی اور پھر اس کے بعد جہراً آمین کہا۔ حضور ﷺ کی اتباع کا نام لیکر ''آمین'' کے سلسلہ میں جہر پر استدلال کیا جاتا ہے اور سورۂ فاتحہ کے سلسلہ میں جہر پر استدلال چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی مقتدی سورۂ فاتحہ تو آہستہ پڑھے اور آمین زور سے کہے، یہ انوکھا استدلال ناقابل فہم ہے۔ اس سلسلہ میں انہیں مرفوع حدیث پیش کرنا چاہئے کہ امام جہراً سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور مقتدی سراً پڑھے گا، اور امام جہراً آمین کہے گا اور مقتدی بھی جہراً آمین کہے گا، ورنہ ان کا استدلال ناقابل قبول ہے۔

جہراً آمین کے سلسلہ میں تین قسم کی روایات پیش کی جاتی ہیں (۱) حضرت وائل بن حجرؓ، حضرت ابوھریرۃؓ، حضرت ام حصینؓ اور حضرت علیؓ کی روایات (۲) غیر صریح روایات سے قیاس (۳) صحابہ اور تابعین کے آثار۔

(۱) **پہلی قسم کی روایات**:۔

حضرت وائل ابن حجرؓ کی روایات:۔ ●حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ نَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ قَالَا نَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِبْنِ عَنْبَسَ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالَا الضَّآلِّيْنَ وَمَدَّبِهَا صَوْتَهٗ. **ترجمہ**:۔ حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے سنا نبی ﷺ سے کہ انھوں نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن پڑھا پھر آمین کہا (اور) دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی۔ (ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّامِيْن ج۱ ص۵۷، ابوداؤد بَابُ التَّامِيْنِ وَرَاءَ الْاِمَامِ ج۱ ص۱۳۴، ابن ماجہ بَابُ الْجَهْرِ بِآمِيْنَ ص۶۲، نسائی بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ حِيَالَ الْاُذُنَيْنِ ج۱ ص۱۴۰، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۵۵ بَابُ مَنْ كَانَ يُسَلِّمُ......، دارمی ج۱ ص۱۴۷، جزء القراٰۃ بخاری ص۱۱۶، دارقطنی ج۱ ص۳۳۴، بیھقی ج۲ ص۵۷)

استدلال پر اعتراضات:۔ (الف) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں استدلال اسلئے صحیح نہیں ہے کہ '' آثار السنن ص۱۸۷ پر علامہ نیمویؒ نے لکھا ہے وَهُوَ حَدِيْثٌ مُضْطَرِبٌ اس حدیث میں اضطراب ہے''۔ نیز ص۱۸۵ حاشیہ پر مذکور ہے ''اگر چہ یہ حدیث ایک سے زائد اہل علم کے نزدیک صحیح ہے لیکن تحقیقاً ضعیف ہے اس کے اضطراب کی وجہ سے''۔

وجہ اضطراب:۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت حضرت سفیان ثوریؒ کے طریق سے ہے ''قَالَ آمِيْنَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ

اَوْمِثْلَ ذَالِکَ ''یعنی آمین کہا اور اپنی آواز کو بلند کیا یا اسی کے مثل کہا۔ اور انہیں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں حضرت شعبہؒ کے طریق سے ہے ''اَخْفٰی بِھَا صَوْتَہٗ اَوْنَحْوَ ذَالِکَ ''یعنی اپنی آواز کو پست کیا یا اسی طرح کہا (ترمذی ج ا ص ۵۷)۔ اسی طرح حضرت وائل بن حجرؓ کی بہت سی روایات جہر اور سر دونوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے جہراً اور سراً آمین کے سلسلہ میں مضطرب ہیں اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں۔

مذکورہ روایت میں جہر اور سر کے سلسلہ میں تو اضطراب ہے ہی، لیکن وہ روایات جو صرف جہر کے سلسلہ میں ہیں خود ان میں بھی اضطراب ہے۔ ملاحظہ ہو

حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات:۔

حدیث کی کتاب:	جہر کے سلسلہ میں الفاظ
ابوداؤد	قَالَ آمِیْنَ رَفَعَ صَوْتَہٗ
ترمذی	فَقَالَ آمِیْنَ مَدَّ بِھَاصَوْتَہٗ
ابن ماجہ	قَالَ آمِیْنَ فَسَمِعْنَاھَامِنْہُ
نسائی	قَالَ آمِیْنَ یَرْفَعُ بِھَاصَوْتَہٗ
ابن ابی شیبہ	جَھَرَ بآمِیْنَ
جزء القرأت بخاری	یَمُدُّ بِھَا صَوْ تَہٗ آمِیْنَ
دار قطنی	قَالَ آمِیْنَ وَاَخْفٰی بِھَاصَوْتَہٗ
بیہقی	قَالَ آمِیْنَ رَافِعاً بِھَاصَوْتَہٗ
طبرانی معجم کبیر	قَالَ آمِیْنَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ
طبرانی وبیہقی	قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ آمِیْنَ

ان تمام وجوہات کی بناء پر حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت جہراً آمین کہنے کے سلسلے میں مضطرب ہیں، اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں

[درج بالا روایات کے حوالوں سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں مذکورہ الفاظ کے ثبوت میں درج ذیل کچھ روایات ملاحظہ ہوں

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ کَثِیْرٍ اَنَا سُفْیَانُ عَنْ سَلَمَۃَ عَنْ حُجْرٍ عَنْ اَبِی الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِیِّ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَاقَرَأَ وَالاَالضَّآلِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ رَفَعَ بِھَاصَوْتَہٗ **ترجمہ**:۔ محمد بن کثیر، سفیان، سلمہ، حجر ابی العنبس، وائل بن حجر سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین پڑھتے اس کے بعد بلند آواز سے آمین

کہتے۔ (ابوداؤد بَابُ التَّامِیْنِ وَرَاءَ الْاِ مَام ج۱ ص۱۳۴)

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَاحِ وَعَمَّارُ بْنُ خَالِدِ الْوَاسِطِیُّ قَالَا ثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ عَیَّاشٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ فَسَمِعْنَا هَامِنْهُ.
ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے میں نے نماز پڑھی آنحضرت ﷺ کیساتھ آپ نے جب ولا الضالین کہا تو فرمایا آمین، اور ہم نے اس کو آپ سے سنا (یعنی آپ نے پکار کر آمین کہی تھی) (ابن ماجہ بَابُ الْجَهْرِ بِآمِیْن ص۶۲)

● اَخْبَرَنَا قُتَیْبَةُ ثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ ابْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی حَاذَیَا اُذُنَیْهِ، ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا قَالَ آمِیْن یَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ. **ترجمہ**:۔ وائل بن حجرؓ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے جب نماز شروع کی تو تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے پھر سورۂ فاتحہ پڑھی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے آمین کہی۔ (نسائی بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ حِیَالَ الْاُذُنَیْنِ ص۱۴۰ ج۱ بحوالہ نصب الرایہ ج۱ ص۳۷۱)

● حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ فُضَیْلٍ عَنْ حُجْرِ بْنِ عَنْبَسٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهٗ صَلّٰی خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا قَرَأَ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ جَهَرَ بِآمِیْنَ قَالَ وَسَلَّمَ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ یَسَارِهٖ حَتّٰی رَأَیْتُ بَیَاضَ خَدَّیْهِ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی تو زور سے آمین کہی راوی کہتے ہیں پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دائیں اور بائیں سلام پھیرا یہاں تک کہ میں نے آپ کے گالوں کی سفیدی کو دیکھا۔
(ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ ج۳ ص۵۵ بَابُ مَنْ کَانَ یُسَلِّمُ فِی الصَّلٰوةِ تَسْلِیْمَتَیْنِ)

● عَنْ سَلَمَةَ بْنِ کُهَیْلٍ عَنْ حُجْرٍ اَبِی الْعَنْبَسِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِیْهِ أَنَّهٗ ﷺ صَلّٰی فَلَمَّا بَلَغَ (غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ) قَالَ آمِیْنَ وَاَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ **ترجمہ**:۔ حضرت علقمہ بن وائلؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی پس جب آپ (غیر المغضوب علیهم ولا الضالین) پر پہنچے تو آمین کہی اور اپنی آواز کو پست کیا۔ (داری قطنی ج۱ ص۱۲۴، بحوالہ نصب الرایہ ج۱ ص۳۶۹)

● قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ یَعْقُوْبَ ثَنَا اِبْرَاهِیْمَ مَرْزُوْقُ الْبَصْرِیُّ ثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ کُهَیْلٍ قَالَ سَمِعْتُ حُجْرًا اَبَا الْعَنْبَسِ یُحَدِّثُ عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِیِّ اَنَّهٗ صَلّٰی خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ رَافِعًا بِهَا صَوْتَهٗ **ترجمہ**:۔ حضرت سلمہ بن کہیلؓ سے روایت ہے کہ میں نے حجر ابو العنبسؓ سے سنا وہ حضرت وائل حضرمیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ نے ولا الضالین کہا تو زور سے آمین کہا (بیہقی ج۲ ص۵۷، بحوالہ آثار السنن ص۱۹۵)۔]

(ب) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں استدلال اسلئے بھی صحیح نہیں ہے کہ ان روایات میں جس "جہر" کا ذکر کیا گیا ہے وہ اصلاً نہیں ہے بلکہ تعلیماً ہے یا آواز کے بلند ہو جانے پر بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تعلیماً:۔ (ا) حضرت وائل بن حجرؓ کا تعلق یمن سے تھا وہ صرف ایک یا دو مرتبہ مدینہ تشریف لائے حضور ﷺ نے ان کیلئے تعلیماً جہراً آمین کہی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے خود انہیں سے منقول ہے جس کو محدث ابو البشر دولابی نے "کِتَابُ الْاَسْمَاءِ وَالْکُنٰی" میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے "فَقَالَ آمِيْنَ يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ مَا اُرَاهُ اِلَّا لِيُعَلِّمَنَا"

ترجمہ:۔ حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آمین کہی اور آمین کہتے وقت اپنی آواز کھینچی جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضور ﷺ کا مقصد ہمیں تعلیم دینا تھا۔ (کتاب الاسماء ج ۱ ص ۱۹۷ بحوالہ معارف السنن ج ۲ ص ۴۰۶)

صحیح روایات میں صحابہ کرام سے بھی تعلیماً جہر کا ثبوت ہے جیسا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نماز کے آغاز میں ثناء کو جہراً پڑھا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے تعوذ اور آمین تعلیماً کہا چنانچہ حافظ ابن القیم زاد المعاد میں باب قنوت النوازل میں کہا کہ اگر کبھی کبھی امام مقتدیوں کو تعلیم کیلئے جہر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے مقتدیوں کو سکھانے کیلئے آغاز نماز میں جہر کیا اور حضرت ابن عباسؓ سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا تعلیماً جہراً پڑھنا منقول ہے اور اسی طریقے سے امام کا آمین جہراً پڑھنا بھی ہو سکتا ہے۔)

آواز کا بلند ہو جانا:۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جہر اصلی نہ ہو کیونکہ بعض مقامات پر صحیحین میں منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ سری نماز میں (مثلاً ظہر میں) بعض آیات کبھی کبھی جہراً پڑھ دیتے تھے اور اسی طرح طبرانی میں ابو مالک اشعریؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی پس سورۂ فاتحہ پڑھی یہاں تک کہ ان کے قریب والوں نے سن لیا۔ اور اسی طرح بِسْمِ اللّٰہ جہراً پڑھنے کی بحث میں بھی ہے غرض نبی ﷺ جس طرح تکبیرات بلند آواز سے کہتے تھے اس طرح جہراً نہیں کہا بلکہ انکی آواز بلند ہو گئی۔

(ج) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں استدلال اسلئے بھی صحیح نہیں ہے کہ ان روایات سے دوام فعل (حضور اکرم ﷺ کا ہمیشہ زور سے آمین کہنا) ثابت نہیں ہوتا (اسلئے کہ خود مذکورہ احادیث میں ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے)۔ اور نہ مذکورہ احادیث سے فعل آخر (حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں زور سے آمین کہی ہے تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے) کا ثبوت ہے۔ اور جب تک دوامِ فعل یا فعل آخر ثابت نہ ہو تب تک غیر مقلدین کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا، اور مذکورہ احادیث میں دونوں میں سے کسی کا ثبوت نہیں ہے۔

مذکورہ تمام وجوہات کی بناء پر جہراً آمین کے سلسلہ میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات:۔

دار قطنی کی روایت:۔ ● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْفَارِسِيُّ ثَنَا يَحْيٰى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ صَالِحٍ ثَنَا

اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ حَدَّثَنِیْ عَمْرُوْابْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَیْدِیّ حَدَّثَنِیْ الزُّهْرِیُّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ وَسَعِیْدٍعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَافَرَغَ مِنْ قِرَآءَ ةِاُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ آمِیْنَ . **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور کہتے آمین۔ اور کہا(دارقطنی نے)**هٰذَا اِسْنَادٌ حَسَنٌ** یعنی یہ اسناد حسن ہے یعنی دارقطنی کو خود اعتراف ہے کہ یہ حدیث صحیح درجہ تک نہیں پہنچی ہے۔(**رواہ دارقطنی بَابُ التَّامِیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ ج ۱ ص ۳۳۵**)

مستدرک حاکم کی روایت:۔ اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسطرح سند بیان کی ہے ● **اَخْبَرَنَا اَبُوْاَحْمَد بَکْرُبْنُ مُحَمَّدِ الصَّیْرَفِیُّ بِمَرْوٍ قَالَ حَدَّثَنَااَبُوْالاَحْوَصِ مُحَمَّدُ بْنُ الْهَیْثَمِ الْقَاضِیُّ قَالَ حَدَّثَنَااِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ الْعَلاءِ الْزُّبَیْدِیّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُوبْنُ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِاللّٰه بْنِ سَالِمٍ الْزُّبَیْدِیّ عَنِ الْزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ الَّنبِیُّ ﷺ اِذَافَرَغَ مِنْ قِرَآءَ ةِاُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ آمِیْنَ** (مستدرک حاکم **بَابٌ کَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ اُمِّ الْقُرْآنِ** ج ۱ ص ۲۲۳) **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور کہتے آمین۔

استدلال پر اعتراضات:۔ دارقطنی اور مستدرک حاکم کی مذکورہ روایات کے بارے میں صاحب آثار السنن نے ص ۱۸۸ حاشیہ میں تحریر کیا ہے وَفِیْ اِسْنَادِہِ لِیْنٌ ان دونوں کی اسناد میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی بن زبریق ان سے بخاری اور مسلم نے صحیحین میں اور ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایات نہیں لی ہیں۔ نسائی اور ابوداؤد نے انہیں ضعیف کہا ہے اور محمد ابن عوف الطائی نے انکی تکذیب کی نسائی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔

اسحاق بن ابرهیم بن العلاء الزبیدی بن زبریق :۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۶ میں آجری نے ابوداؤد سے روایت کی ہے کہ محمد بن عوف نے کہا کہ بے شک اسحاق بن زبریق جھوٹ بولتے تھے اور تقریب میں ہے سچے تھے لیکن کثیر وہم کرتے تھے۔

پس ثابت ہوا کہ انکی اسناد وہم سے خالی نہیں۔

نیز یہ حدیث غیر محفوظ ہے اسلئے کہ خود زبیدی سے اسکی سند میں اسکے متن میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو **عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَیْدِیّ عَنِ الزُّهْرِیّ عَنْ سَعِیْدٍوَاَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِذَافَرَغَ مِنْ قِرَأَةِ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِآمِیْنَ** اور بقیہ دوسروں نے روایت کیا ہے **عَنِ الزُّبَیْدِیّ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ (وَحْدَہ) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِذَااَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا** اور کہا زہری سے محفوظ اتنا ہی ہے یعنی بلند آواز سے آمین غیر محفوظ ہے تو اس حدیث کے سلسلہ میں امام حاکم نے جو گمان کیا ہے کہ یہ حدیث شرطِ شیخین پر ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

اس لئے ان رویات سے بھی جہراً آمین پر استدلال صحیح نہیں۔

ابن ماجه کی روایت:۔ ●حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسیٰ ثَنَا بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمِّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ تَرَکَ النَّاسُ التَّامِيْنَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاقَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَ اَهْلُ الصَّفِ الْاَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَاالْمَسْجِدُ.

ترجمه :۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے چچا کے لڑکے سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ جب کہتے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّيْنَ تو کہتے آمین یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے پس اس سے مسجد گونج جاتی (ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، بَابُ الْجَهْرِ بِآمِيْنَ ص ٦٢)

استدلال پر اعتراضات:۔ آثار السنن ص ۱۸۹ حاشیہ میں ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ سند اس طرح ہے۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسیٰ ثَنَا بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمِّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ.

اس میں بشر بن رافع ایک راوی ہیں۔

بشر بن رافع :۔ بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کے متابع نہیں ہیں۔ احمد نے کہا ضعیف ہیں۔ ابی معین نے کہا انکے پاس مناکیر ہیں۔ نسائی نے کہا قوی نہیں ہیں۔ ابن حبان نے کہا اسنادِ موضوعہ روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۴۰۹)۔

ابن عبد البر نے کنیٰ میں کہا وہ ضعیف ہیں منکر الحدیث ہیں۔ کتاب الانصاف میں ہے کہ اِتَّفَقُوْا عَلٰی اِنْکَارِ حَدِيْثِهٖ وغیرہ۔

اسناد کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے۔

اسی طرح متن کے اعتبار سے بھی یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ ابوداوٗد میں بشر بن رافع کے طریق سے روایت میں "فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ" نہیں ہے۔ ابو یعلی کی سند میں بشر بن رافع سے روایت یہیں تک ہے کہ حَتّٰى يَسْمَعَ اَهْلُالصَّفِ الْاَوَّلِ : یعنی فَيَرْتَجُّ بِهَاالْمَسْجِدُ نہیں ہے اسی لئے جو ابن ماجہ نے فَيَرْتَجُّ بِهَاالْمَسْجِدُ کے ساتھ روایت بیان کی ہے وہ بھی غیر محفوظ ہے۔

اور نہ ہی مذکورہ روایات دوامِ فعل یا آخرِ فعل پر حجت ہیں، اسلئے ان روایات سے جہراً آمین کہنے پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت ام حصینؓ کی روایات:۔ ●وَعَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِؓ اَنَّهَاصَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّاقَالَ وَلَاالضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ فَسَمِعَتْهُ وَهِیَ فِیْ صَفِّ النِّسَآءِ **ترجمه**:۔ حضرت ام حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں

نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ ﷺ نے والا الضالین کہا تو آمین کہا پس انہوں نے اسکو سنا اور وہ عورتوں کی صف میں تھیں۔ (رواہ بن راہویہ فی مندہ بَابُ صِفَةِ الصَّلوٰةِ، والطبرانی فی الکبیر ج ۲۵، ص ۱۵۸)

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) صاحب آثار السنن نے ص ۱۹۰ پر کہا ہے وَفِيْهِ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ الْمُسْلِمِ الْمَكِّيِّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ یعنی اس میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

احمد اور دوسروں نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہیں۔ نسائی وغیرہ نے کہا وہ متروک ہیں۔ ابن مدینی نے کہا کہ میں نے یحیٰی سے سنا کہ ان سے اسماعیل بن مسلم مکی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ مختلط رہے ہیں، اور وہ ہم سے ایک ہی حدیث تین طریقے سے بیان کرتے تھے۔ اور ابن معین سے ہے کہ لَيْسَ بِشَيْءٍ۔ سعدی سے ہے کہ وَاهٍ جداً

(المیزان ج ۱ ص ۱۱۵ بحوالہ اعلاء السنن ج ۲ ص ۲۵۸)

تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۹۹

(۲) تخریج صلوٰۃ الرسول میں ص ۲۴۰ حاشیہ میں ہے "یہ حدیث طبرانی کبیر میں ہے اور اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہیں دیکھو مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴ اور نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۲۲"۔

اس لئے اس روایت سے بھی غیر مقلدین کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت:۔ ●عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ آمِيْنَ اِذَا قَرَءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ . **ترجمہ**:۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتا تو (اس وقت) آمین کہتے ہوئے سنا۔ (مستدرک حاکم ص ۲۲۳)

استدلال پر اعتراضات:۔ تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۹ پر اس حدیث پر حاشیہ میں ہے ضعیف حدیث ہے ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے اسے "علل الحدیث" میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو وہ فرمانے لگے کے یہ میرے نزدیک خطا ہے، اور یہ حدیث حجر بن عنبس عن وائل سے ہے سَلَمَةُ عَنْ حُجَيَّةَ عَنْ عَلِيٍّ نہیں ہے اس سند میں محمد بن ابی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے۔ ابو حاتم نے اسے سَيِّئُ الْحِفْظِ کہا ہے۔ بوصیری نے کہا ہے کہ جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شعبہ ابن ابی لیلیٰ کے متعلق کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر سَيِّئُ الْحِفْظِ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے۔

یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ اس لئے اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) **دوسری قسم کی غیر صریح روایات**:۔ آمین بالجہر کے باب میں جو روایات صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں

آمین بالجہر کے استدلال میں بعض حضرات ایسی روایات پیش کرتے ہیں جو صرف "آمین" کہنے کے بارے میں

urdu.ownislam.com

ہیں اس میں جہر یا سر کی صراحت نہیں ہے۔ لیکن ایسی روایات سے جہر کا ’’قیاسِ غلط‘‘ کرتے ہیں اسلئے وہ روایات آمین بالجہر کے سلسلہ میں قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ غیر صریح روایات استدلال میں محض قیاسات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ذیل میں مثال ملاحظہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اسلئے کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہوگئی تو اسکے تمام گناہ معاف ہوگئے۔ (بخاری کتاب الاذان، بَابُ جَهْرِ الْمَا مُوْمِ بِا لتَّا مِيْنِ ج ا ص ۱۰۸ مسلم کتاب الصلوٰۃ، بَابُ التَّسْمِيْعِ وَالتَّحْمِيْدِ وَ التَّا مِيْنِ ج ا ص ۱۷۶)

اس روایت میں کہیں ’’آمین بالجہر (زور سے)‘‘ کا ذکر تک نہیں ہے پھر بھی غیر مقلدین کہتے ہیں کہ چونکہ آمین کہنے کیلئے کہا گیا اسلئے زور سے آمین کہو۔ ’’زور‘‘ سے کا لفظ غیر مقلدین کی طرف سے اضافہ ہے۔

جبکہ کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کی آمین کسی کو سنائی نہیں دیتی اس لئے سراً آمین کہنا چاہئے جب توافق ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

غیر مقلدین اسی قسم کی دیگر غیر صریح روایات پیش کرتے ہیں اور ان سے قیاس کرتے ہیں جو حجت نہیں ہیں۔

(۳) **تیسری قسم کی روایات** :۔

صحابہ وتابعین کے آثار :۔ ☆ غیر مقلدین صحابہؓ و تابعینؒ یا غیر نبی کے اقوال و افعال دلیل میں پیش ہی نہیں کرسکتے اسلئے کہ یہ تقلید ہے اور تقلید ان کے نزدیک شرک ہے۔ مثلاً

صحیح بخاری میں ہے۔ ☆ اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَّرَآءَهٗ حَتّٰى اِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً ۔ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر اور انکے مقتدی اتنی بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے کہ مسجد گونج اُٹھتی تھی (صحیح بخاری بَابُ الْجَهْرِ بِا لتَّا مِيْنِ ج ا ص ۱۰۷)

☆ اسی طرح بیہقی اور ابن حبان سے عطاء ابن رباح تابعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔ ’’میں نے دو ۲۰۰ سو صحابہؓ کرام کو پایا کہ وہ اس مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) میں جب امام ولا الضالین کہتا تو سب بلند آواز سے آمین کہتے‘‘ جب کہ ’’تخریج صلوٰۃ الرسول ’’صفحہ ۲۴۱ حاشیہ میں ہے ’’یہ اثر مجھے صحیح ابن حبان میں جہاں آمین بالجہر کہنے کی روایات ہیں وہاں نہیں ملا‘‘۔ اس کی سند کی بھی خبر نہیں کہ کیسی ہے؟

غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول اور فعل حجت نہیں ہے اسلئے مذکورہ روایات اور دیگر آثار، آمین بالجہر کے سلسلہ میں قابل قبول نہیں ہیں۔

یہودیوں کا آمین سے چِڑنا :۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس قدر یہود آمین سے چِڑتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں چڑتے پس تم آمین زیادہ کہا کرو (ابن ماجہ بَابُ الْجَهْرِ بِآ مِيْنِ ۶۲)

اس روایت میں نماز میں آمین کا ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق آمین کا ذکر ہے غیر مقلدین اپنی طرف سے بلند آواز

کا اضافہ کر کے احناف کیخلاف یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ بلکہ ایک طرح سے یہ روایت غیر مقلدین کے خلاف جاتی ہے کہ جب اجتماعی دعا میں احناف آمین آمین کہتے ہیں تو انکا حال دیکھنا چاہئے۔

تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۴۲، ایضاح الادلہ ص ۸۰ حاشیہ میں اسی روایت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "اَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عُمَرٍ وعَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ" یہ سند ضعیف ہے بلکہ طلحہ بن عمر کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

علامہ نیمویؒ نے آثار السنن کے ص ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ جہراً آمین کہنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اور نہ خلفاء اربعہ سے ثابت ہے اور جو کچھ اس باب (آمین بالجہر کے سلسلہ) میں آیا ہے وہ کسی علت سے خالی نہیں ہے۔

سراً آمین کہنے کی روایات

☆ مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؒ نے کہا "آمین" دعا ہے۔ (بخاری ج ا بَابُ الْجَهْرِ بِالتَّامِيْن ص ۱۰۷) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً" یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۵) اور حدیث شریف میں ہے "اِنَّكُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمًّا وَّلَا غَائِبًا" یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيْرِ ج ا ص ۴۲۰)۔ آیت اور احادیث مشیر ہیں کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور چونکہ آمین دعا ہے اسلئے اسمیں بھی اصل اخفاء (آہستہ، خفیہ) ہے۔ چنانچہ جمیع اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں، جیسا کہ گذر چکا ہے اس لئے اس کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے عملاً فریق مخالف بھی اس پر عمل کرتا ہے لیکن استحساناً چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

(ا) ● حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ خَشْرَمٍ قَالَا انَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ قَالَ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا يَقُوْلُ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھاتے تھے فرماتے تھے امام سے جلدی مت کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ والا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی کرو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم کہو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، بَابُ اِئْتِمَامِ الْمَأْمُوْمِ بِالْاِمَام ج ا ص ۱۷۷)

علامہ نیمویؒ نے کہا کہ اس روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام آمین بالجہر نہ کہے۔ بلکہ یہ روایت تو مقتدی کو بھی آہستہ آمین کہنے پر مشیر ہے، کیونکہ اس روایت میں کہا گیا ہے "فَقُوْلُوْا" یعنی تم کہو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سِرّاً (آہستہ) کہنے پر جمیع اہل سنت والجماعت متفق ہیں، بالکل انہیں الفاظ میں اسی روایت میں کہا گیا ہے

”فَقُوْلُوْا آمِیْنَ“ تو آمین بھی سراً ہی کہنا چاہئے۔

(٢) ●حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ نَا اِسْمَاعِیْلُ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ سَمُرَۃَ بْنَ جُنْدُبٍؓ وَعِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍؓ تَذَاکَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَۃُ بْنُ جُنْدُبٍؓ اَنَّہٗ حَفِظَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ سَکْتَتَیْنِ سَکْتَۃً اِذَا کَبَّرَ وَسَکْتَۃً اِذَا فَرَغَ مِنَ قِرَآءَۃِ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَحَفِظَ ذٰلِکَ سَمُرَۃُ وَاَنْکَرَ عَلَیْہِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ فَکَتَبَا فِیْ ذٰلِکَ اِلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍؓ فَکَانَ فِیْ کِتَابِہٖ اِلَیْھِمَا اَوْفِیْ رَدِّہٖ عَلَیْھِمَا اَنَّ سَمُرَۃَ قَدْ حَفِظَ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدُ وَآخَرُوْنَ وَاِسْنَادُہٗ صَالِحٌ . **ترجمہ**:۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے حضرت سمرہ بن جندبؓ اور عمران بن حصینؓ نے آپس میں بحث کی پس حضرت سمرہ بن جندبؓ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتوں (خاموشیوں) کو یاد رکھا ایک سکتہ تو وہ ہے کہ جب تکبیر کہے اور دوسرا سکتہ وہ ہے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھنے سے فارغ ہوئے پس سمرہؓ نے اس کو یاد رکھا اور عمران بن حصینؓ نے اس کا انکار کیا دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ سمرہؓ نے یاد رکھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ السَّکْتَۃِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ ج١ ص١١٣)

اس کی اسناد صالح ہیں، اسلئے کہ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حسن نے حضرت سمرہؓ سے نہیں سنا حالانکہ کتاب البیوع میں امام بخاری نے حسن عن سمرہ سے حجت لی ہے۔ اور بخاری نے تاریخ اوسط میں کہا ہے کہ حسن کا سماع سمرہ سے صحیح ہے۔

اس روایت میں سمرہ بن جندبؓ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ ثناء کے وقت خاموش رہا کرتے تھے اور آمین کے وقت خاموش رہا کرتے تھے

ابوداؤد نے قتادہؓ کے طریق سے حضرت حسنؓ سے روایت کی ہے اور یونس بن عبید نے دارقطنی میں ان کی متابعت کی ہے اور ایسے ہی منصور نے یونس کی مسند احمد میں۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو دو سکتہ کرتے ایک جب نماز شروع کرتے دوسرا جب والا الضالین کہتے جب بھی خاموش رہتے پس ان پر اسبات کا انکار کیا انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو لکھا تو حضرت ابیؓ نے جواب میں لکھا کہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ سمرہ نے کہا ہے۔ (مسند احمد ج٥ ص٢٣، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَوْضَعِ سَکْتَاتٍ ج١ ص٣٣٦)

صاحبِ آثار السنن نے صفحہ١٩٢ پر لکھا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(٣) ●حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ کُھَیْلٍ عَنْ حُجْرٍ اَبِی الْعَنْبَسِ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَۃَ بْنِ وَائِلٍ یُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ وَسَمِعْتُ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَلَمَّا قَرَأَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ وَاَخْفٰی بِھَا صَوْتَہٗ وَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی

وَسَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ. **ترجمه**:۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی پس جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۶، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّامِيْنِ ج ا ص ۵۸، ابوداؤد الطیالسی ص ۱۳۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ التَّامِيْنِ فِي الصَّلٰوةِ ج ا ص ۳۳۴، مستدرک حاکم کتاب التفسیر، بَابُ آمِيْنَ يُخْفَضُ الصَّوْتُ ج ۲ ص ۲۳۲)

صاحبِ آثار السنن نے صفحہ ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔

(اس روایت کی اسناد اور متن کی بحث آثار السنن مع التعلیق الحسن ص ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵ کے حاشیہ پر، نیز سیف المقلد ص ۲۲۹ پر، نیز تخریج ص ۲۳۸ کے حاشیہ پر، اور اعلاء السنن ص ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو)

(۴) ●وعَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عُمَرُؓ وَعَلِيٌّؓ لَايَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِآمِيْنَ **ترجمه**:۔ حضرت ابووائلؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمُ اور تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ قِرَأَةِ بِسْمِ اللّٰهِ فِي الصَّلٰوةِ ج ا ص ۱۴۰)

صاحبِ آثار السنن نے صفحہ ۱۹۷ پر لکھا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

(۵) عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ خَمْسٌ يُخْفِيْنَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَالتَّعَوُّذُ، وَبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمَ، وَآمِيْنُ، وَاَللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ. **ترجمه**:۔ حضرت ابرہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ امام ان کو آہستہ سے پڑھے گا۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور تعوذ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمُ اور آمین اور اللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ.

(مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَا يُخْفِي الْاِمَامُ ج ۲ ص ۸۷)۔ اس کی اسناد صحیح ہیں

تحقیق مسئله مذکوره:۔ احادیث دونوں جانب ہیں اگر خدانخواستہ کوئی فریق صرف ایک قسم کے دلائل کو مانتا ہے اور دوسری قسم کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ احادیث ہی کا انکار کرتا ہے جو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں اجتہاد کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

جهراً آمین کهنے کی روایات کا جائزه:۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات مضطرب ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ان روایات میں جہر اصلاً نہ ہو بلکہ تعلیماً ہو یا آواز بلند ہو جانے پر ہو جیسا کہ تفصیل میں گذر چکا۔ اور ان روایات سے دوامِ فعل یا فعلِ آخر ﷺ نہیں ثابت ہوتا۔ اسلئے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے جہراً آمین کہنے پر استدلال صحیح نہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ سے جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں وہ "صحیح" درجہ تک نہیں پہنچتیں۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح روایات ہی حجت ہیں۔ اور ان روایات سے دوامِ فعل یا آخرِ فعل ﷺ نہیں ثابت ہوتا۔ اسلئے ان روایات سے

استدلال نا قابل قبول ہے۔

حضرت ام حصینؓ سے روایت کی اسناد ضعیف ہیں اسلئے نا قابل استدلال ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت کی اسناد بھی ضعیف ہیں اس لئے نا قابل استدلال ہیں۔

دوسری قسم کی روایات غیر صریح ہیں یعنی ان میں آمین بالجہر کا تذکرہ نہیں ہے، غیر مقلدین ان روایات سے قیاس کرتے ہیں اور قیاس سے سنت (سنتِ مؤکدہ) کا استدلال نا قابل قبول ہے۔

تیسری قسم کی روایات آثارِ صحابہ و تابعین ہیں جو غیر نبی کے اقوال و افعال ہیں اور غیر مقلدین کو استدلال میں آثار پیش کرنیکا حق ہی نہیں ہے

جمیع اہل سنت والجماعت متعدد مواقع پر سراً (خاموشی، خفیہ) آمین کہنے پر متفق ہیں۔ مثلاً جب اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، جماعت سے پڑھ رہا ہو اور سری نمازوں میں اور جہری میں بھی تیسری اور چوتھی میں وغیرہ لیکن فرقۂ اہل حدیث ایک امر زائد کا قائل ہے وہ یہ کہ جہری نمازوں میں پہلی اور دوسری رکعتوں میں جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو بلند آواز سے آمین کہنا سنت ہے اس وقت سراً آمین کہنے کو جائز نہیں کہتے۔ اسلئے ان کے ذمہ لازم ہے کہ روایاتِ صحیحہ و صریحہ سے آمین بالجہر ہی کا سنت ہونا ثابت کریں اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہوسکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے (۱) یا تو دوام جہر ثابت کیا جائے کہ آنحضورﷺ ہمیشہ زور سے آمین کہتے تھے یہ بات ثابت کئے بغیر جہر کا اصل سنت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضورﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں زور سے آمین کہی تا کہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے اور یہ دونوں باتوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں کیونکہ آمین بالجہر کے سلسلے میں جو صحیح روایات پیش کی جاتی ہیں وہ صریح نہیں ہیں یعنی مسئلہ صراحت کے ساتھ ان میں مذکور نہیں بلکہ قیاس کیا جاتا ہے اور قیاس بھی خلاف واقعہ ہے۔ اور آمین بالجہر کے سلسلہ میں جو صریح روایات ہیں وہ صحیح نہیں ہیں پھر ان سے نہ دوامِ فعل ثابت ہوتا ہے اور نہ آخری عمل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ غرض آمین بالجہر کے سلسلہ میں ایک بھی روایت شرط کے مطابق نہیں ہے اس لئے ان کا دعویٰ آمین بالجہر رد ہے۔

غرض غیر مقلدین کے پاس آمین بالجہر کی ''سنیت'' جو کہ سنتِ مؤکدہ ہے اسکی دلیل میں کوئی روایت (صحیح صریح حدیث) موجود نہیں ہے اسلئے ''امام کی جہری قرأت میں ولا الضالین کہنے پر مقتدی کو جہراً (زور سے) آمین کہنا سنت ہے، سراً کہنا جائز نہیں ہے''۔ انکا یہ دعویٰ رد ہے

سراً آمین کہنے کی روایات کا جائزہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ''اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً'' یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۵) یہ آیت اس بات پر مشیر ہے کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور آمین چونکہ دعا ہے اسلئے اس میں بھی اصل اخفاء ہے اور حدیث شریف میں ہے ''اِنَّکُمْ

لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّاوَّلَاغَائِباً ’’یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد، بَا بُ مَا یُکْرَہُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِی التَّکْبِیْر ج ۱ ص ۴۲۰) یہ حدیث تائید کرتی ہے کہ ادعیہ میں اخفاء اصل ہے۔ اور لفظ ’’لَا تَدْعُوْنَ‘‘ اس پر شاہد ہے۔ (علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس حدیث شریف کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنا مکروہ ہے عینی ج ۱۴ ص ۲۴۴)

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے ابوداؤد کی روایت حسن درجہ کی ہے اور مسند احمد اور دار قطنی کی روایت کی اسناد صحیح ہیں۔ مسند احمد وغیرہ کی حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کی اسناد صحیح ہیں اور متن میں اضطراب ہے۔ اور حضرت وائل بن حجرؓ سے طحاوی کی روایت کی سند ضعیف ہے۔ اگرچہ کچھ روایات حسن ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔ احناف کے نزدیک جو آمین آہستہ سے کہنا سنت ہے وہ دراصل سنن زوائد میں سے ہے اور سننِ زوائد کی دلیل ضعیف احادیث بھی ہو سکتی ہیں۔

مصنف عبدالرزاق کا حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر (جسکی اسناد صحیح ہیں) اور صحیح مسلم کی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے قیاس آمین بالسر (آہستہ آمین کہنے کو) راجح کرتا ہے۔

اسلئے احناف کا آہستہ آمین کہنے کا موقف راجح ہو گیا اور اسی کو معمول بہ ٹھہرایا گیا ۔ فالحمدللہ علی ذالک

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانیوالے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

اگر کوئی غیر مقلد جہری نماز کی جماعت میں شروع ہی سے شامل ہوتا ہے تو امام کیساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے، جب امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو امام کی ولا الضالین پر صرف ایک مرتبہ آمین کہتا ہے اور وہ بھی جہراً،

اگر کوئی امام سے پہلے ہی سورۂ فاتحہ ختم کر دیتا ہے تو اپنی ولا الضالین پر آمین سراً (آہستہ) کہتا ہے اور جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو یہ جہراً (بلند آواز سے) آمین کہتا ہے۔ اس طرح ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور دو مرتبہ آمین کہتا ہے

اگر کوئی درمیان میں آ کر جماعت میں شامل ہوتا ہے تو امام کے سورۂ فاتحہ ختم ہونے تک انتظار کرتا ہے اور امام کی سورۂ فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتا ہے اور پھر سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور اپنی سورۃ ختم ہونے پر بھی آمین کہتا ہے۔

اور اگر سری نماز کی جماعت میں شامل ہوتا ہے تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد صرف ایک مرتبہ آمین کہتا ہے۔

اگر مزید توجہ سے جائزہ لیا جائے تو اور بھی مختلف مناظر نظر آئینگے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبطِ ملت ہے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے جس میں حضورؐ نے بلند آواز سے آمین کے کہنے کا حکم دیا ہو؟

(۲) مقتدی بلند آواز سے آمین کہے اس کی دلیل میں صرف ایک صحیح حدیث پیش کیجئے؟

(۳) مقتدی سورۂ فاتحہ تو آہستہ پڑھے اور آمین بلند آواز سے کہے اس کی دلیل میں صرف ایک صحیح حدیث پیش کیجئے؟

(۴) قرآن یا حدیث سے اپنے استدلال کے طریقے پر دلیل دیجئے کہ ایک ہی روایت سے امام کے جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے کو چھوڑ دیا جائے وہاں سراً پڑھا جائے اور اسی مقام سے جہراً آمین کہنے کی دلیل لی جائے؟

(۵) جہری قرأت میں ہر رکعت میں دو مرتبہ آمین کہتے ہیں اور سری نمازوں میں ایک مرتبہ۔ کس حدیث کی رو سے؟

(۶) خیر القرون کی ایک مثال پیش کی جائے کہ کسی صحابیؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ نے آہستہ سے آمین کہنے پر تشدد کا رویہ اختیار کیا ہو اور اسے جائز اور ناجائز کا مسئلہ اختیار کیا ہو اور ایسا نہیں ہے تو یہ تشدد بدعت ہے یا نہیں؟

کیا مقتدی امام کی قرأت کا جواب دے سکتا ہے؟

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نماز میں مقتدی کو امام کی قرأت میں مخصوص آیات کا جواب دینا چاہئے اور اسکی دلیل میں چند روایات پیش کرتے ہیں

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب پڑھتے (نماز میں) (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی)۔ (اپنے بلند رب کی پاکی بیان کر)۔ تو (تعمیل حکم کرتے ہوئے) فرماتے. سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ (میں اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کرتا ہوں)۔

اس روایت کو مرفوع بیان کرنے میں وکیع متفرد ہیں کیونکہ تین رواۃ نے ابواسحاق سے اس روایت کو موقوف بیان کیا ہے۔ (۱) ابو وکیع نے اسے موقوف بیان کیا۔ (۲) شعبہ نے ابواسحاق سے اسے موقوف بیان کیا۔ (۳) معمر نے بھی ابو اسحاق سے موقوف بیان کیا۔ (ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۶ حاشیہ)

غرض یہ روایت موقوف ہے اور موقوف روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جو شخص کہ پڑھے تم میں سے سورۂ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پس پہنچے اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ تک (کیا اللہ سب حاکموں کا بڑا حاکم نہیں؟) پس چاہئے کہ کہے۔ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ (ہاں) (اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں) اور جو شخص پڑھے لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ پس پہنچے اس آیت تک اَلَیْسَ ذَالِکَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی (کیا یہ خدا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟) پس چاہیئے کہ (سننے والا) کہے بلیٰ۔ (ہاں قادر ہے)۔

حدیث ضعیف ہے کیونکہ اعرابی مجہول ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صرف اسی سند سے مروی ہے اور اعرابی کا نام مذکور نہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر چہ ہمارے اصحاب (شوافع) نے اس حدیث سے دلیل لی ہے مگر ضعیف ہے۔
(المجموع ۴/۶۷)

مصنف عبدالرزاق (۴۰۵۲) میں یہ روایت ہے اور معضل ہے۔

ابوداوٗد، بیہقی اور شرح سنہ میں بھی یہ روایات موسیٰ ابی عائشہ سے ہے۔ شیخ شعیب نے کہا ہے کہ اسکے سب راوی ثقہ ہیں مگر یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ موسیٰ بن ابی عائشہ نے یہ حدیث صحابی سے سنی ہو۔
(ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۷ حاشیہ)

ان تمام علتوں کی بناء پر اس روایت سے استدلال درست نہیں

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے صحابہؓ پر سورہ الرحمٰن تمام پڑھی اور صحابہ خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ میں نے جنوں پر پڑھی۔ فَکَانُوا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْکُمْ تو وہ تم سے جواب دینے میں اچھے تھے۔ جب ہر بار میں اس آیت پر پہنچا تھا۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَان (اے جن وانس! اپنے پروردگار کی نعمتوں سے کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟) تو وہ جواب میں کہتے۔ لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعْمَتِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ (اے رب ہمارے! تیری نعمتوں میں سے کوئی چیز ہم نہیں جھٹلاتے پس سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے)۔ (ترمذی)

ترمذی نے اور حاکم نے اسے اَلْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا زُھَیْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍؓ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ تخریج صلوۃِ الرسول کے مصنف نے تحریر کیا ہے ’’اہلِ شام نے زہیر بن محمد سے منکر روایات بیان کی ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور امام بخاریؒ نے صراحت کی ہے ملاحظہ ہو ترمذی۔ ولید بن مسلم شامی ہے لہذا یہ حدیث منکر ہے‘‘ (ملاحظہ ہو تخریج صلوۃ الرسول ص ۲۵۸ حاشیہ)

خود کچھ غیر مقلدین بھی اسکے قائل نہیں ہیں کہ نماز میں مقتدی امام کی قرأت کا جواب دے چنانچہ تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۸، ۲۵۹ حاشیہ پر ہے

’’واضح رہے کہ ان احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لینا صحیح نہیں کہ جب امام چند مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیں اور اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) حدیث ابن عباس یہ موقوفاً صحیح ہے مرفوعاً نہیں جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے اگر اسے مرفوعاً بھی صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس میں یہ کہاں صراحت ہے کہ سامع یا مقتدی بھی (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی) کہیں۔

(۲) حدیث ابو ہریرہؓ یہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ اگر اسے مرفوعاً بھی کرلیا جائے تو اس میں جواب

دینے کا حکم قاری کو ہے۔ سامع کے لئے نہیں ہے فَا فْهَمْ وَتَدَ بَّرْ۔ تیسری بات اس حدیث میں یہ کہاں صراحت ہے کہ یہ جواب بحالتِ نماز بھی دیئے جائیں۔ رہی موسیٰ بن ابی عائشہ والی روایت تو اس میں انقطاع کا خدشہ ہے لہٰذا اس سے بھی حجت لینا درست نہیں۔

(۳) حدیث جابرؓ اس حدیث میں قطعاً یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ نے سورۂ رحمٰن بحالتِ نماز تلاوت فرمائی تھی۔ لہٰذا اس سے بھی حجت لینا ضعیف ہے

(۴) حدیثِ عائشہ اس حدیث سے ''حِسَا بُهُمْ '' کے بعد ''اَللّٰهُمَّ حَا سِبْنِیْ حِسَا بًا یَّسِیْرً ا'' کہنے پر دلیل لینا نہ صرف اضعف ہے بلکہ ابعد بھی ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ آپ نے یہ کلمات ''اَللّٰهُمَّ حَا سِبْنِیْ...... ''حِسَا بُهُمْ '' تلاوت کرنے پر کہے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بعض نماز میں یہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔ ''اَللّٰهُمَّ حَا سِبْنِیْ حِسَا بًا یَّسِیْرً ا'' بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ کلمات بطورِ دعا پڑھ رہے تھے

الحاصل ہمارے ہاں جو مروج ہے کہ جب امام چند مخصوص آیات تلاوت کرتا ہے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیتے ہیں۔ اس بارے میں کوئی مرفوع صحیح صریح روایت نہیں ہے۔

مصنف عبدالرزاق (باب الر جل يد عو و يسمى فى دعا ئه ۴۰۵۰) مصنف ابن ابی شیبہ (مَنْ كَانَ اِذَا قَرَأَ: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَ عْلٰى قَالَ: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَ عْلٰی ج۵ ص۵۲۷) اور بیہقی (ج۲ ص۳۱۱) میں عمیر بن سعید سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے نماز جمعہ میں (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَ عْلٰى) آیت پڑھی تو ''سُبْحَا نَ رَبِّیَ الْاَ عْلٰی '' کہا۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

مصنف عبدالرزاق (باب الر جل يد عو و يسمى فى دعا ئه ۴۰۴۹) مصنف ابن ابی شیبہ (مَنْ كَانَ اِذَا قَرَأَ: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَ عْلٰى قَالَ: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَ عْلٰی ج۵ ص۵۲۷) اور بیہقی (ج۲ ص۳۱۱) میں اَلسُّدِّیُّ عَنْ عَبْدِ خَيْرِ بْنِ يَزِيْدَ الْهَمْدَا نِيِّ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز میں (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَ عْلٰى) پڑھنے کے بعد ''سُبْحَا نَ رَبِّیَ الْاَ عْلٰی '' کہا ان آثار کے پیشِ نظر اگر کوئی نماز (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَ عْلٰى) پڑھنے کے بعد ''سُبْحَا نَ رَبِّیَ الْاَ عْلٰی '' کہہ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر مقتدیوں کے کہنے پر یہ آثار دلیل نہیں ہیں۔

(تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۸، ۲۵۹)

احناف کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ یہ آیتِ کریمہ '' وَاِذَا قُرِیَ الْقُرَآنُ فَاسْتَمِعُوْ الَهٗ وَاَنْصِتُوْ الَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ **ترجمه** :۔ جب قرآن پاک پڑھا جائے تو تم سب اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۃ اعراف آیت ۲۰۴) اور ''اِذَا قَرَأَ فَا نْصِتُوْا'' **ترجمه** :۔ جب (امام) قرأت کرے تو خاموش رہو۔ کے وجوبِ حکمی کے خلاف ہے۔ جبکہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ

پڑھنے کی دلیل میں کچھ صریح روایات بھی ہیں (اگر چہ ضعیف ہیں) اسکے بعد بھی چونکہ مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے دلائل اس درجہ کے نہیں ہیں اسلئے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ پھر امام کی قرأت کا جواب دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ امام کی قرأت کی جواب دینے کے دلائل میں درجِ ذیل علتیں ہیں۔

(۱) اس بارے میں کوئی مرفوع صحیح صریح روایت موجود نہیں ہے۔ (۲) مذکورہ روایات سے اس مسئلہ پر دلیل لینا صحیح نہیں کہ جب امام چند مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیں۔ (۳) اس سلسلہ میں کچھ ''آثار'' ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ غیر مقلدین کے نزدیک آثار حجت نہیں ہیں دوسری بات یہ کہ مقتدیوں کے جواب دینے پر یہ آثار دلیل نہیں ہیں۔

ان تمام علتوں کے ہوتے ہوئے، امام کی قرأت جاری رہتے ہوئے مقتدی امام کی قرأت کا جواب کس دلیل سے دے سکتا ہے جب کہ مذکورہ روایات میں یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ جواب بحالتِ نماز ہے۔ پھر مزید یہ کہ مقتدی بلند آواز سے جواب دیتا ہے جس سے اس کی خود کی نماز کے فساد کا تو مسئلہ ہے ہی ساتھ ہی ساتھ دوسرے مقتدیوں کی بھی توجہ منعطف ہوتی ہے اور نماز میں خلل ہوتا ہے۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر مقتدی کا امام کی قرأت کا جواب دینا مکروہِ تحریمی ہے اور بلند آواز سے دینا دیگر مقتدیوں کی نماز میں خلل ہے۔

سوالات

(۱) امام کی قرأت کے جواب کے سلسلہ میں کوئی ایک صحیح صریح مرفوع روایت پیش کیجئے۔

(۲) امام کی قرأت کے جواب کے سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں دلیل پیش کیجئے کہ وہ حالتِ نماز کے لئے ہیں۔

(۳) قرأت کے جواب کے سلسلہ میں غیر مقلدین جو آثار پیش کرتے ہیں (حالانکہ آثار پیش کرنیکا حق ہی نہیں ہے) ثابت کریں کہ یہ مقتدیوں کیلئے دلیل ہیں۔

حصہ دوّم

رفع یدین کا مسئلہ

رکوع کے وقت رفع یدین کے دعویٰ کی حقیقت

مصلی جب نماز میں ایک ''ہیئت'' سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتا ہے (جسے رفع وخفض یعنی اونچ نیچ کہتے

ہیں) تو تکبیر کہتا ہے اس پر جمیع اہل سنت والجماعت متفق ہیں اور یہ تکبیرات بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے (بغیر رفع یدین کئے) کہنے پر بھی متفق ہیں۔ لیکن غیر مقلدین ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں ان تکبیرات کے ساتھ رفع یدین (ہاتھ اٹھانے) کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے (آمین بالجہر کی طرح)۔ اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہوسکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے۔

(۱) یا تو دوام رفع یدین ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ مذکورہ مقامات پر ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے، یہ بات ثابت کئے بغیر رفع یدین کا ''اصل سنت'' ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

(۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کیا تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہوجائے۔

غیر مقلدین رکوع کے وقت رفع یدین کے استدلال میں جتنی بھی روایات پیش کرتے ہیں ان سے صرف رکوع کے وقت کا اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے، لیکن رفع یدین کی سنت کا باقی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اثباتِ رفع یدین عندالرکوع کی روایات کے موجود ہونے سے رفع یدین کرنا لازم نہیں آتا، ورنہ سجدہ کے وقت اور ہر اونچ نیچ کے وقت اثبات رفع یدین کی روایات بھی موجود ہیں (مثلاً نسائی ج ا ص ۱۲۹، وغیرہ کی روایات)۔ اثبات رفع یدین کی روایات موجود ہونے کے بعد بھی غیر مقلدین سجدہ کے وقت اور ہر اونچ نیچ کے وقت رفع یدین نہیں کرتے اور نہ اس کو سنت سمجھتے ہیں (پھر رکوع کے وقت اثبات رفع یدین کے حوالے سے احناف سے رفع یدین کا مطالبہ کیوں؟)۔

اثباتِ رفع یدین کی تمام روایات سے دوام یا فعلِ آخر ﷺ نہیں ثابت ہوتا۔ ان روایات سے صرف یہ ''قیاس'' ہو سکتا ہے کہ رفع یدین آخر تک باقی ہوگا۔ لیکن ''قیاس'' کے مقابلے میں ترک رفع یدین کی ''صریح روایات (حدیث اور آثار)'' موجود ہیں اسلئے حدیث و آثار کو قیاس پر ترجیح ہوگی، جس کی بناء پر ترک رفع یدین مستحب ہوگا۔

ترک رفع یدین کی روایات

● حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہم پر نکلے (اور نسائی میں ہے اس حال میں کہ ہم نماز میں ہاتھوں کو اٹھا رہے تھے یعنی رفع یدین کر رہے تھے) تو فرمایا کیا بات ہے کہ تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں گویا وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ (صحیح مسلم بَابُ الْاَمْرِ بِالسُّکُوْنِ فِی الصَّلٰوۃِ ج ا ص ۱۸۱، سنن نسائی بَابُ السَّلَامِ بِالْاَیْدِیْ فِی الصَّلٰوۃِ ج ا ص ۱۷۶، ابوداؤد بَابٌ فِی السَّلَامِ ج ا ص ۱۴۳)

● سالم بن عبداللہ اپنے والد (عبداللہ بن عمرؓ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھے کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے، اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان۔ (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷)۔

● حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے تھے۔ (مدونہ کبریٰ ج ۱ ص ۷۱)۔

● حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کرنیکے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں فرمایا۔ (ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَنْ لَّمْ یَذْ کُرِ الرَّ فعَ عِنْدَ الرُّ کُوعِ ج ۱ ص ۱۰۹، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ عِنْدَ الرُّ کُوعِ ج ۱ ص ۵۹، نسائی کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ رَفْعُ الْیَدَیْنِ وَالرُّخْصَۃُ فِیْ تَرْکِ ذَا لِکَ ج ۱ ص ۱۶۱)

● حضرت عاصم بن کلیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں پہلی تکبیر میں (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین فرماتے تھے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ التَّکْبِیْرَاتِ ج ۱ ص ۱۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ ج ۲ ص ۴۱۶، سنن الکبریٰ للبیھقی کتاب الصلوٰۃ، مَنْ لَّمْ یَذْ کُرِ الرَّ فعَ اِلَّا عِنْدَ ا لِا فْتِتَا حِ ج ۲ ص ۸۰)

☆ حضرت اسودؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے اپنی نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا اور کہیں رفع یدین نہیں کیا۔ عبدالملک نے کہا کہ میں نے شعبیؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور ابو اسحاقؒ کو دیکھا کہ تکبیر تحریمہ کے سوا کہیں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ، ج ۲ ص ۴۱۷ نمبر ۲۴۶۹)

☆ عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد کہیں نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ ج ۳ ص ۴۱۶ نمبر ۲۴۵۷)

کیا نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد، رفع یدین سنت ہے؟

مصلِّی جب نماز میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتا ہے (جسے رفع و خفض یعنی اونچ نیچ کہتے ہیں) تو تکبیر کہتا ہے، اس پر جمیع اہل سنت والجماعت متفق ہیں۔ اور یہ تکبیرات بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے (بغیر رفع یدین کئے) کہنا چاہئے اس پر بھی سب متفق ہیں۔ لیکن شوافع اور حنابلہ اس میں ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد، یہ تکبیرات رفع یدین کرتے ہوئے کہنا چاہئے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ رفع الیدین عندالرکوع کو مسنون کہتے ہیں۔ لیکن ائمہ کا یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے

جائز اور ناجائز کا نہیں۔

غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین کے نزدیک رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔ بلکہ بعض تو واجب اور فرض بھی کہتے ہیں اور رفع یدین نہ کرنے سے نماز کے ناقص بلکہ باطل ہو جانے کے مدعی ہیں۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک رفع یدین عندالرکوع اور تیسری رکعت کے شروع میں یا کسی بھی اونچ نیچ کے موقع پر سنت نہیں ہے، بلکہ ترک رفع یدین مستحب ہے۔

[امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں ”تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے پر امت کا اجماع ہے“ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۸)، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے تکبیر تحریمہ کے وقت کا رفع یدین اس بحث سے خارج ہے]

نکتہ اختلاف:۔ احناف کے نزدیک رفع یدین عندالرکوع اور تیسری رکعت کے شروع میں یا کسی بھی اونچ نیچ کے موقع پر سنت نہیں ہے۔ جب کہ غیر مقلدین رفع یدین عندالرکوع اور تیسری رکعت کے شروع کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے۔

جب غیر مقلدین رفع یدین عندالرکوع اور تیسری رکعت کے شروع کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے تو انہیں چاہئے کہ رفع یدینِ مذکورہ کا اصل سنت ہونا ثابت کریں۔ اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے۔ (۱) یا تو دوام رفع یدین ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ مقاماتِ مذکورہ پر ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں مقاماتِ مذکورہ پر رفع یدین کیا تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے۔ کیونکہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے بغیر مدعا ثابت نہیں ہو سکتا اور ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی غیر مقلدین کے پاس بطورِ دلیل، ایک بھی صحیح صریح حدیث نہیں ہے۔

رفع یدین کی بحث کو سمجھنے کیلئے تین نکات کا جاننا ضروری ہے (۱) نماز میں سکون کے احکامات بتدریج نافذ ہوئے۔ مثلاً پہلے نماز میں سلام کا جواب دینا جائز تھا، اشارات میں بات کرنا بھی جائز تھا، لیکن یہ اجازت منسوخ ہوتی گئی۔ اسطرح نماز میں سجدہ میں بھی رفع یدین تھا اور سلام کے وقت بھی رفع یدین تھا یہاں تک کہ ہر اونچ نیچ کے وقت بھی رفع یدین تھا (صحیح احادیث سے منقول ہے)، لیکن آہستہ آہستہ منسوخ یا متروک ہوتا گیا۔ (۲) ہم ترک رفع کے قائل ہیں نسخ کے نہیں (۳) جاننا چاہئے کہ ثبوتِ رفع یدین فِی وَقْتِ مَّا (یعنی کسی وقت میں رفع یدین کرنیکے ثبوت میں) کسی کو کلام نہیں ہے۔ یعنی ہم (احناف) بھی اسکے قائل ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی وقت متعدد مقامات پر رفع یدین کیا ہے۔ بحث تو یہ ہے کہ سنیت رفع یدین عندالرکوع اب باقی ہے یا نہیں۔ اسلئے دلیل مبقی (یعنی باقی رہنے والی سنت) کے دلائل مطلوب

ہیں نہ کہ ثبوت رفع یدین فِی وَقْتِ مَا کے دلائل (یعنی اثباتِ رفع یدین کے دلائل مطلوب نہیں)۔ اور دلیل مبقی، یا تو روایتِ دوامِ رفع سے ثابت ہوگی یا فعلِ آخر سے۔

رفع یدین عندالرکوع کی روایات

عام طور پر غیر مقلدین رکوع سے پہلے اور بعد نیز تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کی دلیل میں تین اقسام کی روایات پیش کرتے ہیں

(الف) پہلی قسم غیر صریح روایات: یہ روایات رکوع کے وقت دوامِ رفع یدین پر صریح نہیں ہیں بلکہ صرف اثباتِ رفع یدین میں ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوحمید ساعدیؓ، حضرت مالک بن حویرثؓ، حضرت وائل بن حجرؓ وغیرھم سے

(ب) دوامِ رفع یدین پر صریح روایات۔

(ج) رفع یدین کے سلسلہ میں مختلف آثار واقوال۔

(الف) پہلی قسم کی روایات: (یہ تمام روایات دراصل اثباتِ رفع یدین کی دلیل ہیں، دوامِ رفع یدین کی یا فعلِ آخر ﷺ پر دلیل نہیں ہیں)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایات: ۔● عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَذْوَمَنْکِبَیْهِ اِذَافْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ وَاِذَرَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَهُمَا کَذٰلِکَ اَیْضاً وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ **ترجمہ**: ۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کیلئے تکبیر کہتے تو اسی طرح جب آپ سر اٹھاتے اور ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہتے (البتہ) سجدے میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے (صحیح بخاری بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ فِی التَّکْبِیْرَةِ الْاُوْلٰی ج ۱ ص ۱۰۲، صحیح مسلم بَابُ اِسْتِحْبَابِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ حَذْوَ الْمَنْکِبَیْنِ ج ۱ ص ۱۶۹)

استدلال پر اعتراضات: ۔ (۱) اس روایت سے اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین عندالرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہئے جن سے دوام رفع یدین ثابت ہو یا فعل آخر ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رکوع کے علاوہ دیگر مقامات پر رفع یدین منقول ہے مثلاً امام بخاریؒ کے رسالہ جزء القرأة (ص ۱۰) اور مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۱۰۲) وغیرہ میں مذکورہ مقامات کے علاوہ سجدہ کے لئے بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ نیز امام طحاویؒ کی کتاب ”مشکل الآثار“ میں ہر اونچ نیچ کے وقت (رکوع، سجود، قیام، قعود اور سجدوں کے درمیان) رفع یدین کا ذکر

ہے(فتح الباری ج ۲ص ۱۸۵ بحوالہ معارف السنن ج ۲ص ۴۷۴)۔ جب کہ غیر مقلدین کا اصرار ہوتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث موجود ہیں تو ان پرعمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اب یہ روایات موجود ہیں تو ان پرعمل کیوں نہیں؟ کیا یہ روایات منسوخ ہیں؟ اگر منسوخ ہیں تو کس دلیل سے؟

(۳) مدونِ کبریٰ ج ۱ص ۸۸ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی روایت کی بناء پر امام مالکؒ نے ترکِ رفع یدین کا مسلک اختیار کیا ہے۔ نیز ابوعوانہ میں چار سندوں کیساتھ، خلافیاتِ بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ترکِ رفع یدین کی روایات منقول ہیں۔

(۴) خود اس حدیث کے راوی حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ روایت ہے جو مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد تھے اور ان کی خدمت میں تقریباً دس سال تک رہے اور یہ روایت صحیح سند کے ساتھ منقول ہے (اسی سند سے امام بخاریؒ صحیح بخاری کتاب التفسیر ج ۲ص ۷۲۵ میں روایت لائے ہیں)۔ ”عَنْ اَبِیْ بَکْرِبْنِ عَیَّاشٍ عَنْ حُصَیْنٍ عَنْ مُجَاھِدٍقَالَ : مَارَأَیْتُ ابْنَ عُمَرؓ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّافِیْ اَوَّلِ مَا یَفْتَتِحُ ۔**ترجمه**:۔ امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو (نماز میں کبھی) تکبیر تحریمہ کے سوا کہیں رفع یدین کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْد ج ۲ص ۴۱۷ حدیث نمبر ۲۴۶۷)“۔ اور جب راوی کا عمل، اپنی روایت کردہ روایت کے خلاف ہو تو منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی روایات: ۔●عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیّؓ قَالَ سَمِعْتُہٗ وَھُوَفِیْ عَشْرَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیْ ﷺ اَحَدُھُمْ اَبُوْقَتَادَۃَ ابْنِ رِبْعِیٍّ یَقُوْلُ اَنَا اَعْلَمُکُم بِصَلوٰۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالُوْا مَا کُنْتَ اَقْدَمَنَا لَہٗ صُحْبَۃً وَلَا اَکْثَرَنَا لَہٗ اِتْیَانًا قَالَ بَلٰی قَالُوْا فَاعْرِضْ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلوٰۃِ اِعْتَدَلَ قَائِماً وَرَفَعَ یَدَیْہِ حتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَامَنْکِبَیْہِ فَاِذَااَرَدَاَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ حتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَامَنْکِبَیْہِ .... مُتَوَرِّکاً ثُمَّ سَلَّمَ **ترجمه**:۔ ابوحمید ساعدی سے روایت ہے، کہ وہ دس صحابیوں میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں ابوقتادہ بھی تھے، ابوحمید نے کہا میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جانتا ہوں ان لوگوں نے کہا کیونکر قسم خدا کی تم ہم سے زیادہ پیروی نہیں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کی نہ ہم سے پہلے آپ کی صحبت میں آئے تھے، ابوحمید نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے، ان لوگوں نے کہا اچھا بیان کرو ابوحمید نے کہا رسول اللہ ﷺ جب نماز کو کھڑے ہوتے دونوں ہاتھ اٹھاتے اپنے مونڈھوں تک پھر تکبیر کہتے، جب ہر ایک ہڈی اپنے مقام پر آجاتی اعتدال سے تو آپ قرأت شروع کرتے پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے مونڈھوں تک پھر رکوع کرتے اور دونوں ہتھیلیاں اپنے اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور پیٹھ سیدھی کرتے (اور سر کو پیٹھ کے برابر کرتے) نہ جھکاتے نہ اونچا رکھتے پھر سر اٹھاتے اور فرماتے سمع

اللہ لمن حمدہ پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے اپنے مونڈھوں تک سیدھے کھڑے ہو کر پھر اللہ اکبر کہتے اور زمین کیطرف جھکتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے، پھر اٹھاتے اپنا سر سجدے سے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اور سجدہ کے وقت انگلیوں کو کھلا رکھتے، پھر دوسرا سجدہ کرتے اللہ اکبر کہہ کے پھر سر اٹھاتے سجدے سے اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اتنی دیر تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آجاتی (بعد اس کے کھڑے ہوتے) اور دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے، پھر جب دو رکعتوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے مونڈھوں تک جیسا کہ شروع نماز کے وقت اٹھاتے تھے، پھر باقی نماز میں ایسا ہی کرتے یہاں تک کہ جب اخیر سجدے سے فارغ ہوتے جس کے بعد سلام ہوتا ہے نکالتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے بائیں کولے پر، پھر سلام پھیرتے۔ (ابوداؤد بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ج ا ص ١٠٦، ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِیْ وَصْفِ الصَّلٰوۃِ ج ا ص ٦٧، دارمی ج ٣ ص ١٦٣ وغیرہ)

استدلال پر اعتراضات:۔ (ا) اس روایت سے اثباتِ رفع یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین عندالرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہیئے جن سے دوامِ رفع یدین ثابت ہو یا فعلِ آخر ﷺ ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(٢) اس روایت کے کچھ راویوں پر کلام ہے اور یہ روایت غیر محفوظ ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے ابوداؤد، ترمذی، دارمی وغیرہ کی شرحیں۔) اس لئے استدلال میں یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایات: ● حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ الْوَاسِطِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ اَنَّهٗ رَاٰی مَالِکَ بْنَ الْحُوَیْرِثِ اِذَا صَلّٰی کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَحَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَنَعَ هٰکَذَا **ترجمہ:۔** حضرت ابوقلابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مالک بن حویرثؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نماز پڑھی تو تکبیر پڑھی پھر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر جب رکوع کا قصد کیا تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر جب رکوع سے سر اٹھایا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ اِذَا کَبَّرَ وَاِذَا رَکَعَ وَاِذَا رَفَعَ ج ا ص ١٠٢)

استدلال پر اعتراضات:۔ (ا) اس روایت سے اثباتِ رفع یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین عندالرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہیئے جن سے دوامِ رفع یدین ثابت ہو یا فعلِ آخر ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(٢) حضرت مالک بن حویرثؓ سے رکوع کے علاوہ دیگر مقامات پر رفع یدین منقول ہے مثلاً سنن نسائی (ج ا ص ١٦٥) کی ایک روایت میں سجدہ سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی جگہ ایک روایت میں پانچ جگہ رفع یدین کا ذکر ہے۔

غیر مقلدین ان روایات کے ہوتے ہوئے ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ کیا یہ منسوخ ہیں؟ اگر ہیں تو کس دلیل سے؟

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں ”میں سجدہ میں رفع یدین کی جن احادیث سے واقف ہوں ان میں سے سب سے صحیح وہ ہے جس کو روایت کیا نسائی نے۔

●سَعِیْدُ ابْنُ اَبِیْ عَرُوْبَۃَ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ نَضْرِبْنِ عَاصِمٍ عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ اَنَّہٗ رَأی النَّبِیَّ ﷺ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ صَلٰوتِہٖ اِذَارَکَعَ وَاِذَارَفَعَ رَأسَہٗ مِنْ رُکُوْعِہٖ وَاِذَا سَجَدَوَاِذَارَفَعَ رَأسَہٗ مِنْ سُجُوْدِہٖ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَافُرُوْعَ اُذُنَیْہِ“ **ترجمہ**:۔ مالک بن حویرثؓ نے نبی ﷺ کو دیکھا ہاتھ اٹھاتے ہوئے (رفع یدین کرتے ہوئے) انکی نماز میں جب کہ رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا یہاں تک کہ وہ دونوں (ہاتھ) کانوں کی لو کے برابر آگئے (نسائی ج ا ص ۱۴۰) اور مسلم نے اسی سند سے اسکے اخیر حصے کو روایت کیا ہے اور سعید منفرد نہیں ہیں ان کی متابعت کی ہمام نے قتادہ سے صحیح ابوعوانہ میں بلکہ قتادہ کے اصحاب میں سے ایک سے زائد لوگوں نے ان کی متابعت کی ہے ہمام سے۔ احمد کے نزدیک اور ابوعوانہ اور شعبہ اور ہشام نسائی کے نزدیک پس اس میں شک نہیں ہے کہ رفع یدین کی زیادتی سجدہ میں صحیح اور محفوظ ہے اور شاذ نہیں ہے جیسا کہ ان میں سے بعض نے کہا“۔

رکوع کے وقت رفع یدین کی احادیث کا حوالہ دے کر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب رفع یدین کی احادیث موجود ہیں تو رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو ان سے سوال ہے کہ جب صحیح اور محفوظ روایت میں سجدہ کے وقت رفع یدین منقول ہے تو پھر غیر مقلدین سجدہ کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے نزدیک سجدے کے وقت کا رفع یدین منسوخ ہے؟ اگر منسوخ ہے تو کس حدیث کی رو سے؟۔

حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات:۔ ●حَدَّ ثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَا صِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قُلْتُ لَاَ نْظُرَنَّ اِلیٰ صَلٰو ۃِ رَسُوْلِ ا للّٰہِ ﷺ کَیْفَ یُصَلِّیْ قَالَ فَقَامَ رَسُوْلُ ا للّٰہِ ﷺ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ فَکَبَّرَفَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذَتَااُذُنَیْہِ ثُمَّ اَخَذَ شِمَالَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَلَمَّااَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَھُمَامِثْلَ ذٰلِکَ الخ......... حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ قبلہ رخ کھڑے ہوئے تکبیر کہی۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے کانوں کے برابر پھر اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا پھر آپ ﷺ نے رکوع کا ارادہ کرتے وقت بھی دونوں ہاتھ اُسی طرح اٹھائے۔ (ابوداؤد باب رَفْعِ الْیَدَیْنِ ج ا ص ۱۰۵، نسائی بَابٌ مَوْضَعُ الْیَمِیْنِ مِنَ الشِّمَالِ فِی الصَّلوٰۃِ ج ا ص ۱۴۱)

استدلال پر اعتراضات:۔ (ا) اس روایت سے اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین عندالرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہئے جن سے دوام رفع یدین ثابت ہو یا فعل آخر ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ

بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) یہ روایت ضعیف ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول حاشیہ حدیث نمبر ۳۳۹ ص ۲۸۲، ۲۸۳) اس لئے غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

غیر مقلدین رکوع کے وقت رفع یدین کے سلسلہ میں دیگر بہت سی ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں صرف رکوع کے وقت کا رفع یدین نہیں ہے بلکہ انمیں اور دیگر مقامات پر رفع یدین کا بھی ذکر ہے اور بعض تو ایسی ہیں جن میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت کے رفع یدین کا ذکر ہے اور غیر مقلدین رفع یدین کے نام سے ان روایات کو بھی رکوع کے وقت کے رفع یدین کے استدلال میں پیش کر دیتے ہیں جب کہ ان میں سرے سے رکوع کے وقت کے رفع یدین کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔ غرض غیر مقلدین رکوع کے وقت کے رفع یدین کی دلیل میں جتنی روایات پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک روایت سے بھی دوامِ رفع یدین یا فعلِ آخر ﷺ نہیں ثابت ہوتا اسلیئے یہ تمام روایات ان کے دعوے کی دلیل میں نا قابلِ قبول ہیں۔

جب غیر مقلدین دوامِ رفع یدین کی صریح روایات نہیں پیش کر سکتے تو وہ ''قیاس'' سے دوامِ رفع یدین ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں مثلاً تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۹ پر ہے اور ''کَانَ یُصَلِّی'' استمرار کیلئے آتا ہے جس کے معنی ہیں حضور ﷺ ہمیشہ کرتے تھے۔ ''کَانَ یَرْفَعُ'' کے الفاظ میں بھی استمرار یعنی ہمیشگی پائی جاتی ہے کہ حضور ﷺ ساری عمر رفع یدین کرتے رہے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے بذریعہ قواعد جو مسائل استنباط کئے جاتے ہیں وہ صراحتاً نہیں ہوتے بلکہ قیاساً ہوتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حدیث بیان کرنیوالوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ صرف چند مرتبہ کے فعل کو بھی لفظ ''کان'' سے بیان کرتے ہیں اس سے صراحتاً استمرار کے معنی لینا صحیح نہیں ہے۔ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضور ﷺ کے حج کے سلسلہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب منیٰ میں ٹھہرتے تھے تو کَانَ یَقِفُ عِنْدَ الصَّخَرَاتِ السُّوْدِ بِعَرَفَةَ یعنی رسول اللہ ﷺ عرفات کے میدان میں کالے پتھروں کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اسی طرح صحیح بخاری کتاب الحج، بَابُ الطِّیْبِ عِنْدَ الْاِحْرَامِ.... ج ا ص ۲۰۸ پر حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے ''کُنْتُ اُطَیِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِاِحْرَامِهٖ حِیْنَ یُحْرِمُ وَلِحِلِّهٖ...... **ترجمہ:**۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب احرام باندھتے تو احرام باندھتے اور کھولتے وقت طواف کعبہ سے پہلے آپ کو خوشبو لگاتی تھی''۔ حالانکہ فرضیت کے بعد حضور ﷺ سے صرف ایک ہی مرتبہ حج کرنا ثابت ہے اور روایات میں کان یعنی استمرار کا صیغہ آیا ہے تو کیا صرف ایک مرتبہ سے استمرار ثابت ہوتا ہے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث میں ''کان'' ہمیشہ استمرار کیلئے نہیں آتا۔ غیر مقلدین کے ذمہ لازم ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں دوامِ رفع یدین کیلئے صریح روایات پیش کریں۔ اثبات رفع یدین کی روایات ثبوت بقاء کے سلسلہ میں نہیں پیش کر سکتے اسلیئے رفع یدین عندالرکوع کی بقاء کے دلائل میں مذکورہ تمام روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ نیز جن صحابہ کرام سے

رفع یدین عندالرکوع کی دلیل میں روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں سے کچھ کا فعل ترک رفع یدین تھا۔ اور ان اصحاب سے رکوع کے سوا دیگر مقامات پر بھی مثلاً سجدہ وغیرہ میں بھی رفع یدین کی روایات منقول ہیں۔

اسلئے رکوع کے وقت رفع یدین کی دلیل میں غیر مقلدین کی تمام ہی پیش کردہ روایات نا قابلِ قبول ہیں

(ب) دوسری قسم کی روایات :۔ یہ روایات دوامِ رفع یدین پر صریح تو ہیں لیکن صحیح نہیں ہیں۔

پھلی روایت:۔ تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۳ پر ہے ''رسول اللہ ﷺ وفات تک رفع یدین کرتے رہے''

۳۲۹۔ ●عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَاافْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَارَكَعَ وَاِذَارَفَعَ رَأسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَكَانَ لَايَفْعَلُ ذَالِكَ فِي السُّجُوْدِ فَمَازَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ حَتىٰ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالىٰ **ترجمہ** :رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب اٹھاتے سر اپنا رکوع سے، اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ سے ملتے دم تک آپ ﷺ کی نماز اسی طرح رہی۔'' **(تلخیص الحبیر للعسقلانی)**

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ تَلْخِيْصُ الْحَبِيْر مختلف احادیث کا مجموعہ تو ہوسکتا ہے لیکن اصل حدیث کی کتاب نہیں، کیونکہ حدیث کی کتاب اسے کہتے ہیں جسکا مؤلف اس کتاب میں درج کی ہوئی احادیث کا خود ایک راوی ہوتا ہے مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ۔ اصولاً بطور حوالہ حدیث کی اصل کتابوں کا تذکرہ کرنا چاہئے۔ اب دیکھئے ۳۲۹ کا حاشیہ کہ ان کی دوام کی روایت کا کیا حال ہے کہ ہر ایک اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کا حوالہ دیتا ہے خود ذمہ داری نہیں لیتا ہے۔ 'صلوٰۃ الرسول'' نامی کتاب کی تخریج کرنے والے غیر مقلد کا مذکورہ روایت پر حاشیہ ملاحظہ ہو

''حافظ ابن حجر نے تَلْخِيْصُ الْحَبِيْر (ج۱ ص۲۱۸) میں اس روایت کو بیہقی کیطرف منسوب کیا ہے۔ مگر مجھے یہ سنن بیہقی میں نہیں ملی۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ (ج۱ ص۴۰۹) میں اسے سنن بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نصب الرایہ کے محقق نے کہا ہے کہ یہ روایت سنن بیہقی کے مطبوع نسخہ میں نہیں ہے۔ شاید کہ یہ کتاب المعرفہ وغیرہ میں ہو۔ علی کل حال یہ روایت انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اسکی سند میں عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہے اور یہ مُتَّهَمْ ہے'' (حاشیہ تخریج ۲۷۳)

تجلیات صفدر ج۳ ص۳۴۹ پر مولانا محمد امین صفدر صاحب درجِ بالا روایت کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں ''دوسری حدیث'' کہ عنوان سے۔

●عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰه الْحَافِظِ عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدِبْنِ نَصْرٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قُرَيْشِ بْنِ خُزَيْمَةَ الْهَرَوِيّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَحْمَدَالدَّمْجِيّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ حَمْدَانَ الرَّقِيّ ثَنَاعَصَمَةُ بْنُ مُحَمَّدِ الْاَنْصَارِيّ ثَنَامُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَاافْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَارَكَعَ وَاِذَارَفَعَ رَأسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَكَانَ ذَالِكَ لَايَفْعَلُ فِي السُّجُوْدِفَمَازَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ حَتىٰ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالىٰ. (بیہقی بحوالہ نصب الرایہ ج۱ ص۴۱۰)

(١) یہ حدیث اسی سند کیساتھ سب سے پہلے شیخ ابن دقیق العید مقلد الشافعی نے اپنی کتاب ''الامام'' میں ''سنن کبریٰ بیہقی'' کے حوالہ سے لکھی مگر ''سنن کبریٰ بیہقی'' کے کسی بھی نسخہ میں یہ حدیث موجود نہیں ہے اور ابن السبکی نے الطبقات ج٦ ص٢٠ پر مستقل باب باندھا ہے کہ امام ابن دقیق العیدؒ نے ''الامام'' میں بہت سی احادیث لکھی ہیں، جن میں ان کی طرف نسبت کرنے میں خطاء کی ہے۔ اس لئے ان کا کسی حدیث کا کسی کتاب کی طرف نسبت کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے۔ پھر بیہقی کی کسی اصل کتاب سے نہیں بلکہ شیخ کی ''الامام'' سے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو ان کے شاگرد امام زیلعی (٧٢٦ھ) نے اپنی کتاب نصب الرایہ میں درج کیا ہے، یہ حنفی مقلد ہیں۔ پھر ''نصب الرایہ'' کا خلاصہ کرتے وقت اس حدیث کو حافظ ابن حجر (٨٥٢ھ) نے الدرایہ میں اور پھر ''تلخیص الحبیر'' میں درج کر دیا۔ اصل کتاب کو کسی نے نہیں دیکھا پھر بعض غیر مقلدین نے رجماً بالغیب یہ کہنا شروع کیا کہ یہ حدیث بیہقی کی سنن کبریٰ میں نہیں، ان کی دوسری کتاب معارف السنن والآثار میں ہے جو ابھی چھپی نہ تھی لیکن یہ کتاب بھی بارہ جلدوں میں چھپ کر آ گئی ہے، اس میں بھی یہ حدیث نہیں ہے اب پیر بدیع الدین راشدی المعروف پیر آف جھنڈا نے اپنے رسالہ ''جلاء العینین'' میں لکھا کہ یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب الخلافیات میں ج١ ص٧٦ پر ہے جو ابھی چھپی نہیں۔ اب مختصر خلافیات چھپی ہے، اس کی جلد دوم میں یہ بے سند روایت درج ہے۔ ایسی احادیث جو بعض محدثین نے کسی کتاب کے حوالہ سے نقل کیں، مگر جب اصل کتاب چھپی اس میں وہ حدیث نہ ملے تو اس حدیث کا غیر مقلد نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ فوراً موضوع، جھوٹی، بناوٹی تک کہہ جاتے ہیں۔ اس کی صرف دو مثالیں ذکر کرتا ہوں: ایک مالکی عالم نے دعا بعد نماز پر رسالہ لکھا، اس میں ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کے حوالے سے حضرت اسود عامریؓ کی حدیث نقل کی کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اس حدیث سے اسی حوالے سے میاں نذیر حسین دہلوی نے فتاویٰ نذیریہ اور فتاویٰ ثنائیہ میں بھی استدلال کیا اور کتنے ہی حنفی اور غیر مقلدین علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا، مگر جب ''مصنف ابن ابی شیبہ'' چھپ کر بازار میں آ گئی، اس میں اس حدیث میں بعد نماز ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر نہیں ملا۔ اس دن سے غیر مقلد پورے زور شور سے اس حدیث کا انکار کر رہے ہیں، اسی طرح محدث قسطلانی الشافعی شارح بخاری اور محدث زرقانی مالکی شارح موطا نے عبدالرزاق کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی تھی: یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُّوْرِہٖ (الحدیث) لیکن جب سے مصنف عبدالرزاق چھپ کر بازار میں آئی ہے اور اس میں یہ حدیث نہیں ملی، اسی دن سے غیر مقلد شور مچا رہے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ یہی حال اس حدیث کا ہے کہ بیہقی کی اصل کتاب میں اس کا نام و نشان نہیں اور کسی اور حدیث کی مستند کتاب میں بھی اس کا اتا پتا نہیں ملتا۔ مگر پھر بھی پوری ڈھٹائی سے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی۔ حالانکہ غیر مقلدین کو چاہئے تھا کہ جس طرح پہلی دو حدیثوں پر شور مچاتے ہیں یہاں بھی اپنے مولویوں کا ناطقہ بند کر دیتے کہ اصل کتاب میں حدیث دکھاؤ! ورنہ اس حدیث کے جھوٹے ہونے کا تقریری اور تحریری اعلان کرو۔

(٢) دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ دلیل وہ ہے جس میں مکمل دعویٰ آئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ایک سنت چھوڑ نے

سے بھی نماز خلاف سنت ہو جاتی ہے۔ چار رکعت نماز میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین پر اجماع ہے اور یہ غیر معارض رفع یدین ہے۔ باقی تین رکعت کے بارے میں غیر مقلدین کا قول و فعل یہ ہے کہ دو سجدوں سے کھڑے ہو کر یعنی دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھوں کو کانوں تک نہ اٹھانا سنت ہے اور دو رکعتوں سے اٹھ کر تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھوں کا کانوں تک اٹھانا سنت ہے۔ مگر ان تینوں سنتوں کا اس حدیث میں ذکر نہیں، تو اگر اس حدیث کو صحیح مانا جاتا تو یہ بھی اعلان تقریری اور تحریری طور پر کرنا لازم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ معاذ اللہ آخری عمر میں خلاف سنت نماز پڑھا کرتے تھے یا ان تینوں سنتوں (ایک مثبت اور دو منفی) کی صراحت اس حدیث میں دکھاؤ۔ اسی طرح اس حدیث میں اِذَاافْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کے بعد تو رَفَعَ یَدَیْہِ کی جز اندکور ہے اگر چہ یہ صراحت نہیں ہے کہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے لیکن اِذَارَکَعَ وَاِذَارَفَعَ رَاْسَہُ مِنَ الرُّکُوْعِ کے بعد رَفَعَ یَدَیْہِ کی صراحت نہیں ہے اور کَانَ لَایَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ کا مطلب یہ ہے کہ عین حالت سجدہ میں ہاتھ اوپر کو نہ اٹھائے بلکہ زمین پر رکھے۔ سجدوں سے پہلے یا سجدوں سے اٹھ کر رفع یدین کی نفی کی صراحت یہاں نہیں ہے، جس کا دکھانا غیر مقلدین کا فرض تھا، اس لئے نہ پوری دس کا اثبات ہے نہ ۱۸ کی نفی، تو دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہوئی۔

(۳) اب یہ بات بھی ضروری ہے کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ تو ضروری ہے کہ اسکا صحیح ہونا دلیل شرعی سے ثابت کیا جائے اور غیر مقلدین کے ہاں دلیل شرعی صرف اور صرف خدا کا فرمان یا رسول کا فرمان ہے۔ اسلئے ان کا فرض ہے کہ یا تو خدا تعالیٰ کا فرمان دکھائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا رسول اللہ ﷺ کا اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں اور قیامت تک نہ کر سکیں گے، تو اگر کسی امتی کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے کا ارادہ ہو تو پہلے تو یہ تحریر لکھ دیں کہ ہم اہلحدیث نہیں رہے بلکہ اہل الرائے بن گئے ہیں۔ پھر جس کی رائے پیش کریں پہلے ثابت کریں کہ کیا احناف نے اسکی تقلید کا التزام کیا ہے؟ اور یہ بھی وضاحت کریں کہ اس امتی کو آپ نے اللہ مانا ہے یا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں شامل کیا ہے اور اس کی تقلید جناب پر فرض ہے یا واجب اور اس کی دلیل شرعی کیا ہے؟

(۴) اس سند کا پہلا راوی امام بیہقی ہے، اسکا ذکر طبقات الشافعیہ میں ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ امام شافعیؒ کا مقلد ہے اور غیر مقلدین کے ہاں تقلید شخصی شرک ہے، تو بتایا جائے کہ کیا مشرک کی روایت کردہ حدیث حجت ہے؟ امام بیہقی شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور دس جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو فوت ہوئے۔ آپکے ہاں سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ نہیں تھیں۔ امام الحرمین فرماتے تھے کہ بیہقی کے علاوہ ہر شافعی المسلک پر امام شافعیؒ کا احسان ہے۔ آپ امام حاکم کے کبار تلامذہ میں سے تھے، ان سے پہلے اس حدیث کی غلط نسبت بھی کسی کتاب کی طرف ثابت نہیں۔

(۵) اس سند کے دوسرے راوی امام حاکم ہیں۔ جس طرح علامہ زمخشری تفسیر کے بہت بڑے امام تھے مگر عقیدتاً معتزلی تھے، اسی طرح حاکم بھی حدیث کے امام تھے۔ حافظ محمد بن طاہر جنہوں نے سب سے پہلے صحاح ستہ کا لفظ ایجاد کیا، کہتے ہیں کہ

میں نے ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا، تو کہنے لگے: حدیث میں ثقہ اور لائق اعتماد تھے لیکن خبیث قسم کے رافضی ہیں۔ ابن طاہر کہتے ہیں: باطن میں متعصب شیعہ ہیں اور ظاہر میں شیخین کی فضیلت اور انکی خلافت کے برحق ہونے میں اہل السنۃ کے ہم نوا ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور انکے اخلاف سے سخت منحرف ہیں، اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ صفر ۴۰۵ھ میں پائی۔ (تذکرہ) ساری دنیا میں اس حدیث کا یہی ایک راوی ہے، نہ کوئی اسکا متابع ہے نہ شاہد۔ خود مستدرک میں موضاعات تک لائے ہیں، مگر اس حدیث کو مستدرک میں بھی جگہ نہ مل سکی۔ افسوس! کہ غیر مقلدوں کے یتیم اور لاوارث مذہب کا سہارا ایسی ہی بے سر پا روایات ہیں۔

(۶) اس سند کا تیسرا راوی جعفر بن محمد بن نصر ہے، حاکم اس سے عن سے روایت کرتا ہے اور وہ بھی اوپر عن سے روایت کررہا ہے۔ متعصب شیعہ کے اس استاد کی تعدیل اور سند کا اتصال ثابت کرنا ضروری ہے، جس کا شاگرد رافضی ہے اور استاد مُتَّھَمُ بِالْوَضْعِ ہے۔

(۷) اس سند کا چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ الہروی ہے۔ محدث سلیمانی فرماتے تھے کہ یہ جھوٹی احادیث گھڑنے سے متہم ہے (میزان الاعتدال) اور اس کے علاوہ اس گھڑنتو حدیث کو کسی نے روایت نہیں کیا۔

(۸) اس سند کا پانچواں راوی عبداللہ بن احمد الدجی ہے جو اس گھڑنتو یار کا استاد ہے۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی اپنی کتابوں میں اس سے حدیث روایت نہیں کی۔ اس کی توثیق اور عنعنہ کا اتصال ثابت کیا جائے۔

(۹) اس حدیث کا چھٹا راوی الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ہے، یہ آنیوالے کذاب کا اکلوتا شاگرد ہے۔ اصحاب ستہ میں سے کسی ایک نے بھی اس کی روایت نہیں لی، اس کی توثیق بھی بطریق محدثین ثابت کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) اس سند کا ساتواں راوی عصمۃ بن محمد انصاری ہے، امام الجرح والتعدیل امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں............وہ بڑا جھوٹا تھا خود جھوٹی حدیثیں گڑھتا............ باطل روایتیں سچوں کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا، (میزان، بغداد)

(۱۱) اس سند کے آٹھویں راوی موسیٰ بن عقبیٰ ہیں، جو صحاح ستہ کے راوی ہیں اور مغازی کے امام ہیں۔ ان کی روایت نافع کے ہی طریق سے بخاری ج اص اے سند کیساتھ ہے جس میں یہ الفاظ: فَمَازَالَتْ تِلْکَ صَلٰوتُہٗ حتیّٰ لَقِیَ اللّٰہَ. نہیں ہیں

(۱۲) اس سند کے نویں راوی نافع کے ۹ شاگرد اس کو روایت کرتے ہیں: عبیداللہ، ایوب، مالک، ابن جریج، لیث، صالح بن کیسان، زید بن واقد، موسیٰ بن عقبیٰ، عمر بن زید (جلاء العینین) مگر کسی نے بھی یہ جملہ بیان نہیں کیا کہ حضرت ﷺ آخر عمر تک یہی نماز ادا فرماتے رہے۔

(۱۳) اس سند کے دسویں راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں جو خود تحریمہ کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(محمد، ابن ابی شیبہ، طحاوی)

(۱۴) غیر مقلدین یہ بھی جھوٹ بولا کرتے ہیں کہ عشرہ مبشرہؓ نے حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ آخر عمر تک اختلافی رفع

یدین کرتے رہے۔ جب کہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک سے نہ صحیح سند سے نہ حسن سند سے اور نہ ہی ضعیف سند سے یہ جملہ ثابت ہے: فَمَازَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰه۔

(۱۵) غیر مقلد یہ بھی جھوٹ بولا کرتے ہیں کہ عشرہ مبشرہؓ کے علاوہ چالیس اور صحابہ نے بھی حضور ﷺ سے آخر عمر تک اختلافی رفع یدین کرنا روایت کیا ہے مگر یہ سفید جھوٹ بلکہ سیاہ جھوٹ ہے، کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے۔............

(۱۸) علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں اسکو ضعیف بلکہ موضوع کہا تو عبدالرحمٰن مبارک پوری نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ ہمارے استدلال کی بنیاد یہ حدیث نہیں۔ (ابکار المنن) (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۴۹........تا ۳۶۰)

دوسری روایت:۔ تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۳۶ پر ہے

ابن اعرابی فرماتے ہیں ● ’’نَامُحَمَّدُ بْنُ عَصَمَةَ نَاسَوَارُبْنُ عُمَارَةَنَارَدِيْحُ بْنُ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ ابْنِ اَبِیْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ مِصْبَحٍ قَالَ رَأَيْتُ اَبَا هُرَيْرَةؓ فَقَالَ لَاُ صَلِّيَنَّ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا اَزِيْدُ فِيْهِ وَلَااَنْقُصُ فَاَقْسَمَ بِاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ هِيَ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا. فَقُمْتُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ لَاَ نْظُرَ كَيْفَ يَصْنَعُ فَابْتَدَأَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَهٗ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَوَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَثُمَّ سَجَدَ وَ كَبَّرَحَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ هِيَ صَلَاتُهٗ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا‘‘ **ترجمہ:۔** حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں ضرور تمہیں نبی پاک ﷺ والی نماز پڑھاؤں گا نہ کچھ کم کروں گا نہ کچھ زیادہ پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آپ ﷺ یہی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا چھوڑ گئے۔ تو میں (ابوزرعہ) ان (ابوہریرہ) کے دائیں طرف کھڑا ہوا تو انہوں نے نماز شروع تو تکبیر کہی اور اپنا ایک ہاتھ اٹھایا (نامعلوم کہاں تک) پھر کچھ دیر بعد رکوع کیا تو (رکوع میں جا کر) اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (نامعلوم کہاں تک) پھر سجدہ کیا پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ کیا اور تکبیر کہی یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے، پھر خدا کی قسم کھائی اور فرمایا نبی پاک ﷺ کی نماز آخری عمر تک یہی رہی۔ (معجم ج ۱ ص ۲۶۶ نمبر ۱۴۲)

اس روایت کا ایک راوی سوار بن عمارہ ہیں اور ایک ردیح بن عطیہ ہیں انکے بارے میں تجلیات صفدر سے اقتباس ملاحظہ ہو

(۴) سند کا دوسرا راوی سوار بن عمارہ ہے اس کو بعض نے ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے وہ اکثر ثقات کے خلاف روایت کرتا ہے پھر تہذیب میں نہ اس کے اساتذہ میں ردیح کا ذکر ہے اور نہ تلامذہ میں ردیح کا (۵) ازدی نے کہا ہے کہ وہ ایسی روایت بیان کرتا ہے کہ جن میں اسکا کوئی بھی متابع نہیں ہوتا یہ بھی اسی قسم کی ہے (۶) زبیر علی زئی نے اپنے رسالہ نور القمرین میں بہت بڑا جھوٹ لکھا ہے کہ عباد بن عباد الخواص اسکا متابع ہے مگر نہ وہ سند صحیح ہے اور نہ اسکے متن میں لفظ ’’فارق الدنیا‘‘ ہے

اس روایت میں رکوع کی رفع یدین کا نام و نشان تک نہیں ہے، اس لئے دلیل میں یہ روایت پیش کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے

دراصل یہ روایت اس طرح ہے کہ امام محمدؒ ’’موطا‘‘ میں یہ حدیث ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

● اَخْبَرَنَامَالِكُ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَبْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّيْ

بِهِمْ فَكَبَّرَ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ ثُمَّ اِذَا انْصَرَفَ قَالَ: وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاُ شْبِهُكُمْ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. **ترجمہ**:۔ مالک ابن شھاب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ ان کو نماز پڑھاتے اور ہر اونچ نیچ پر تکبیر کہتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر فرماتے: خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ رسول اقدس ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتا ہوں۔ (بخاری کتاب الاذان، بَابُ اِتْمَامِ التَّكْبِيْرِ فِى الرُّكُوْعِ ج ۱ ص ۱۰۹)

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۴۸/۳۴۹)

غرض جتنی صریح روایات غیر مقلدین دوام کے سلسلہ میں پیش کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں بلکہ موضوع کے درجے تک ہیں اس لئے ایک بھی قابل قبول نہیں۔

آثار و اقوال:۔ غیر مقلدین رفع یدین عندالرکوع کے دلائل میں آثار پیش کرتے ہیں حالانکہ غیر نبی کے اقوال و افعال سے دلیل لینا تقلید ہے اور تقلید غیر مقلدین کے نزدیک شرک ہے، اسلئے غیر مقلدین کو آثار و اقوال پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے، اس لئے ان کی طرف سے آثار و اقوال قابلِ توجہ نہیں ہیں، لیکن عوام کی دل چسپی کیلئے کچھ آثار و اقوال پیش کرتے ہیں تا کہ وہ ان کی حقیقت سے واقف ہو سکیں۔

☆قَالَ الطَّبْرَانِىُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُوْسٰى ثَنَا اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمُقْرِىُ عَنِ ابْنِ اَبِىْ لَهِيْعَةَ ثَنِىْ اَبِىْ هُبَيْرَةَ اَنَّ اَبَا الْمُصْعَبِ مِشْرَحَ بْنَ عَاهَانَ الْمُعَافِرِىَّ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرِ الْجُهَنِىِّ يَقُوْلُ اِنَّهٗ يُكْتَبُ فِىْ كُلِّ اِشَارَةٍ يُشِيْرُهَا الرَّجُلُ بِيَدِهٖ فِى الصَّلٰوةِ بِكُلِّ اِصْبَعٍ حَسَنَةٌ اَوْ دَرَجَةٌ. (معجم کبیر طبرانی ج ۱۷ ص ۲۹۷)

ترجمہ:۔ طبرانی نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی بشر بن موسیٰ نے انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو عبدالرحمٰن المقری نے ابن ابی لہیعہ سے انہوں نے نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوھبیرہ نے کہ ابوالمصعب مشرح بن عاھان المعافری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عقبہ بن عامر جھنی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر اشارہ کے عوض جو آدمی اپنے ہاتھ سے کرتا ہے ایک نیکی یا ایک درجہ لکھا جاتا ہے۔

یہ روایت موقوف ہے لھذا غیر مقلدین کا اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

☆ جزء رفع یدین میں امام بخاری نے حمیدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جو شخص رکوع میں جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتا تھا حضرت عمرؓ اسے کنکریاں مارا کرتے تھے۔

امام احمد صرف رفع یدین کا لفظ روایت کرتے ہیں لیکن محل رفع یدین سے خاموش ہیں۔

حمیدی اور عیسیٰ بن عمران محل رفع یدین پر اونچ نیچ بیان کرتے ہیں۔

یہاں تدلیس کی گئی ہے کہ سند تو حمیدی کی لگا دی گئی اور رکوع کی رفع یدین

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۶۴ تا ۳۶۶)

☆**سَعِیدُعَنْ قَتَادَۃَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ ﷺ کَانَّمَااَیْدِیھُمْ اَلْمَرَاوِحَ یَرْفَعُوْنَھَا اِذَارَکَعُوْا وَاِذَارَفَعُوْارُؤُسَھُمْ** (جزءرفع یدین) رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ ان کے ہاتھ پنکھوں کی طرح تھے وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب رکوع کرتے اور جب اپنے سروں کو اٹھاتے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری (غیر مقلد) لکھتے ہیں کہ سعید کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اور وہ مدلس بھی ہیں اور عن سے روایت کرر ہے ہیں۔ اور قتادہ بھی مدلس ہیں اور عن سے روایت کرر ہے ہیں تو یہ سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے (ابکار المنن ص ۹۶)

☆ اسی جزءرفع یدین میں حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میں نے حسن، مجاہد، عطاء، طاؤس، قیس بن سعید اور حسن بن مسلم کو دیکھا کہ وہ رکوع کے وقت اور سجدے کے وقت بھی رفع یدین کرتے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا یہ سنت ہے (جزءرفع یدین)

☆ ابن ابی شیبہ میں یزید بن ہارون عن اشعث سے منقول ہیکہ حسنؒ اور ابن سیرینؒ دونوں سجدوں کے درمیان، رفع یدین کرتے تھے (ج۲ص۵۰۹)

تو کیا غیر مقلدین امام حسن بصریؒ کے مسلک کے خلاف پر چار ۴ رکعات میں سجدوں کی رفع یدین نہ کر کے سولہ ۱۶ سنتوں کے تارک ہیں۔ (تفصیل کے لئے تجلیات صفدر ج ۲ ص ۴۹۳)

تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۵ پر ہے۔ ☆ علامہ مجدالدین فیروز آبادی مصنف قاموس سفر السعادت میں لکھتے ہیں............ کثرت روایات کی وجہ سے (تین مواقع پر ثابت شدہ رفع الیدین) متواتر حدیث کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں ۴۰۰ / چار سو حدیثیں اور آثار آئے ہیں عشرہ مبشرہ صحابہؓ (جنہیں حضور ﷺ نے ان کی زندگی میں جنتی کہا تھا) نے ان کو روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے اس کے سوا کچھ ثابت نہیں

غیر مقلدین اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رفع یدین کی ۴۰۰ / چار سو حدیثیں ہیں جب کہ فیروز آبادی صاحب حدیثیں اور آثار ملا کر ۴۰۰ / چار سو گنتی کرتے ہیں۔ اور فیروز آبادی نے یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ روایات صرف رکوع کے وقت رفع یدین کی ہیں کہ اس میں تکبیر تحریمہ کی اجماعی رفع یدین بھی شامل ہے۔ ویسے صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے قوسین میں اپنی بات کا اضافہ کر دیا ہے کہ ”تین مواقع“ پر۔ تخریج صلوٰۃ الرسول کے مؤلف نے حاشیہ پر احتیاطاً لکھ دیا ہے ”حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ رفع یدین کا ذکر پچاس صحابہؓ کی احادیث میں ہے“

ویسے غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف ”صحیح“ احادیث پر عمل کرتے ہیں مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ اس میں کتنی احادیث صحیح ہیں۔

اور شیخ الہندؒ نے ایضاح الادلہ ص ۶۵ پر تو قصہ ہی ختم کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں ”اب اسکے بعد جو آپ نے بقول عراقی وامام عینی، جلال الدین سیوطی وغیرھم، احادیث رفع کا ثبوت طرق کثیرہ قویہ سے بیان کیا ہے سب طول لاطائل (بے فائدہ بات لمبی کرنا) اور تحصیل لاحاصل ہے۔ ان تمام احادیث قویہ سے بجز اس کے کہ ثبوت رفع فی الجملہ ہو اور کچھ بھی سمجھ میں نہیں

آتا اور بقاء سنیت رفع یدین جس کے آپ بظم طراق مدعی ہیں کسی ضعیف حدیث سے بھی نہیں ثابت ہوتا"۔

ترک رفع یدین عندالرکوع کی روایات

سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ رفع یدین عندالرکوع کے سلسلے میں ہمارا موقف ترک رفع یدین ہے، نسخ رفع یدین نہیں، اور ترک کیلئے تعین وقت ضروری نہیں ہے۔ کسی وقت بھی آپ ﷺ نے ترک کیا ہو تو ثبوت ترک کیلئے کافی ہے، اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ احادیث اثبات رفع یدین عندالرکوع اور احادیث ترک میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے کہ ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ کہیں اور دونوں جانب کی احادیث کے حکم (صحیح یا غیر صحیح) کا موازنہ کیا جائے۔

بلکہ اصل نکتہ یہ ہے کہ احادیث رفع سے فقط ثبوت رفع ہوتا ہے، اسلئے دونوں احتمال متساوی الاقدام ہیں۔ (یعنی احادیث رفع سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ سنیت رفع عندالرکوع اب بھی باقی ہے اور نہ احادیث ترک سے نسخ ثابت ہوتا ہے)، اس واسطے ایسی دلیل کی ضرورت پڑی کہ مرجح احدالاحتمالین علی الآخر ہو جائے (یعنی ایسی دلیل کی ضرورت ہے کہ دو احتمالوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو جائے) سو احادیث ترک رفع نے ایک جانب کو راجح کر دیا اور دوسرے کو مرجوح۔

مدعیان رفع یدین عندالرکوع کے پاس کوئی ایک ایسی حدیث صریح نہیں ہے جو بقائے سنت کے ثبوت کیلئے کافی ہو جبکہ مدعیان ترک رفع کے پاس ایسی صریح روایات اور آثار موجود ہیں جو ترک رفع یدین کو ایک جانب راجح کر دے۔

● حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا نَامُعَاوِيَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ تَمِيْمِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ؓ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (وَ فِي النَّسَائِيِّ وَنَحْنُ يَعْنِي رَافِعُوْ اَيْدِيْنَا فِی الصَّلٰوةِ) فَقَالَ مَالِیْ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ.

ترجمہ :۔ حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہم پر نکلے (اور نسائی میں ہے اس حال میں کہ ہم نماز میں ہاتھوں کو اٹھا رہے تھے یعنی رفع یدین کر رہے تھے) تو فرمایا کیا بات ہے کہ تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں گویا وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ (صحیح مسلم بَابُ الْاَمْرِ بِالسُّكُوْنِ فِی الصَّلٰوةِ ج۱ ص۱۸۱، سنن نسائی بَابُ السَّلَامِ بِالْاَيْدِیْ فِی الصَّلٰوةِ ج۱ ص۱۷۶، ابوداؤد بَابٌ فِی السَّلَامِ ج۱ ص۱۴۳)۔

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) بعض حضرات نے اس خیال کا اظہار کیا ہے اس حدیث میں سلام کے وقت اشارہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ صحیح مسلم ہی میں حضرت جابر ابن سمرہ ؓ کی دوسری حدیث ہے كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ .... **ترجمہ**۔ ہم جب آنحضرت ﷺ کیساتھ نماز پڑھتے تھے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے وقت دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا تم ہاتھوں سے اشارہ کس لئے کرتے ہو جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہوں

تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کیا کرو

جواب:۔ ان دونوں حدیثوں میں چونکہ "كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ" کا فقرہ آ گیا ہے غالبًا اس سے ان حضرات کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں لیکن جو شخص ان دونوں حدیثوں کے سیاق پر غور کریگا اسے سمجھنے میں قطعاً دشواری نہ ہوگی کہ یہ دونوں الگ الگ واقعہ سے متعلق ہیں اور ان دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے چنانچہ (الف) پہلی حدیث میں ہے کہ ہم اپنی اپنی نماز میں مشغول تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور دوسری حدیث میں نماز باجماعت کا ذکر ہے۔

(ب) پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا اور اس پر نکیر فرمائی اور دوسری حدیث میں ہے کہ سلام کے وقت دائیں بائیں اشارہ کرنے پر نکیر فرمائی۔

(ج) پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور دوسری میں ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کا طریقہ بتایا۔

(د) پھر یہ دونوں حدیثیں الگ الگ سندوں سے مذکور ہیں پہلی حدیث کے راوی دوسرے واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے اور دوسری حدیث کے راوی پہلے واقعہ سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔

اسلئے دونوں حدیثوں کو جن کا الگ الگ مخرج ہے الگ الگ قصہ ہے الگ الگ حکم ہے ایک ہی واقعہ سے متعلق کہہ کر دل کو تسلی دے لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں اسلئے اس حدیث کا رفع یدین وقت سلام پر تخصیص بلا مخصص ہے اور اگر بطور تنزل تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دونوں حدیثوں کی شان ورود ایک ہی ہے تب بھی یہ مسلمہ اصول ہے کہ خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔

(۲) اس حدیث سے تکبیر تحریمہ کے وقت اور وتر کی نماز میں اور عیدین کی نماز میں ہر ایک میں رفع الیدین کی ممانعت ثابت ہوئی اگر رفع یدین سکون کے منافی ہوتا تو تکبیر تحریمہ کے وقت بھی ممنوع ہوتا۔

جواب:۔ جس موقعہ پر حضور ﷺ یا صحابہ کرام کے تعامل سے جو حکم یا عمل ثابت ہے اس موقع پر وہی سنت یا مستحب ہے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر اتفاق ہے عیدین کی نمازوں میں رفع یدین بالاتفاق حدیث سے ثابت ہے اور وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین تعامل صحابہ سے ثابت ہے اس لئے ان مواقع پر رفع یدین ممنوع نہیں بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

(۳) کیا وجہ ہے کہ امام مسلمؒ نے اس کو تشھد کے باب میں پیش کیا ہے؟۔

جواب:۔ مؤلف کسی حدیث کو اپنے خاص مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کسی باب کے تحت لاتا ہے یہ اس کی اپنی حکمت ہے اسلئے اگر کوئی بھی مؤلف کسی بھی حدیث کو کسی بھی باب کے تحت پیش کرے تو اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس حدیث کو کسی دوسرے مسئلہ کے استنباط کیلئے دلیل نہیں بنا سکتے اسلئے کسی بھی حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ فلاں باب کے تحت

لائی گئی ہے اسلئے اس سے صرف مسئلہ باب ہی اخذ کیا جائے دوسرا نہیں تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔

رہ گیا مذکورہ حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ امام مسلمؒ نے اسے باب تشھد میں پیش کیا ہے یہ مسلم شریف سے لاعلمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام مسلمؒ نے بذات خود سرے سے کوئی ترجمۂ باب ہی مقرر نہیں کیا بلکہ ان تراجم ابواب کو انکے بعد امام نوویؒ نے قائم کیا اسلئے یہ اعتراض ہی بودا ہے

(۴) کیا حضورﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ نماز میں سرکش گھوڑوں کی طرح ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو؟ جبکہ یہی عمل تکبیر تحریمہ کے وقت کیا جاتا ہے یہ کیسے ممکن کہ جو عمل حضورﷺ خود کرتے ہوں صحابہؓ کو کرتے دیکھ کر اتنے سخت الفاظ سے منع فرمایا ہو۔

جواب:۔ حضورﷺ نے صحابہؓ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ نماز میں سرکش گھوڑوں کی طرح ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو؟ یہ جملہ صحیح مسلم کی حدیث کا ہے اور اسکی سند میں کوئی کلام نہیں، نہ اس کا کوئی راوی وضّاع ہے، تو اس جملہ پر شک کیوں کر ہوسکتا ہے؟ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ جو عمل حضورﷺ خود کرتے ہوں صحابہؓ کو کرتے دیکھ کر اتنے سخت الفاظ سے منع فرمایا ہو'' یہ اعتراض نہ صرف حدیث پر اعتراض ہے بلکہ آپﷺ کے قول پر اعتراض ہے۔ کسی مومن کیلئے جائز نہیں کہ اگر آپﷺ کا کوئی قول اس کے مسلک یا اس کے منشاء کے خلاف ہو تو اس پر اعتراض کرے، اسلئے یہ اعتراض باطل ہے۔

● حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَلَا يَرْفَعُ وَلَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ ۔ ترجمہ:۔ سالم بن عبداللہ اپنے والد (عبداللہ بن عمرؓ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو دیکھا کہ جب آپﷺ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھے کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد تو ہاتھ نہیں اٹھاتے، اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان (مسند حمیدی ج۲ ص ۲۷۷)۔

استدلال پر اعتراضات: اس حدیث کے سلسلے میں یہ اعتراض ہے کہ ''فلا'' اور ''و'' نسخوں میں نہیں ہے اور یہ بھی الزام ہے کہ اسمیں تحریف کردی گئی ہے۔

جواب:۔ یہ تمام الزامات غلط ہیں اس سلسلہ کیساتھ مسند حمیدی کے نسخے کی فوٹو کاپی منسلک ہے جسمیں صاف صاف مذکور الفاظ موجود ہیں اور اسکی طباعت کیلئے کیسی کیسی احتیاط اور کاوشیں کی گئیں ہیں اس کا ذکر بھی منسلک مضمون میں مذکور ہے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

● عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَا يَرْفَعُهُمَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ

السَّجْدَتَیْنَ وَالْمَعْنیٰ وَاحِدٌ **ترجمہ**:۔حضرت سالم اپنے والد (عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے اور ان میں سے بعض نے کہا، کندھوں تک، اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ان دونوں کو نہیں اٹھاتے، اور انکے بعض نے کہا کہ اور سجدوں کے درمیان نہیں اٹھاتے، اور معنیٰ ایک ہے۔ (صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص ۹۰)

استدلال پر اعتراضات: ابوعوانہ نے یہ حدیث باب رفع الیدین میں پیش کی ہے اور اس سے رفع یدین کرنیکا مطلب نکلتا ہے ترک رفع یدین کا نہیں۔

جواب:۔ یہ حدیث بھی اصح الاسانید میں سے ہے اور پہلی بات تو یہ کہ ”لَایَرْفَعُھُمَا“ اور وَلَایَرْفَعُ یہ دونوں سجدوں کے لئے آیا ہے تو وَلَایَرْفَعُ میں ‘وٗ’ ہے اور لَایَرْفَعُھُمَا میں ‘وٗ’ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لَایَرْفَعُھُمَا اپنے ماقبل کے جملے کے ساتھ لگا ہوا ہے مابعد کے ساتھ نہیں نہیں تو لَایَرْفَعُھُمَا کے ساتھ بھی ‘وٗ’ لگا ہوتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ ابوعوانہ نے یہ حدیث باب رفع الیدین میں پیش کی ہے اس کا مطلب یہی نکلتا ہے تو مسند ابوعوانہ ہی میں ج ۲ ص ۵۶ میں بَابٌ فِی النَّھْیِ عَنْ مَنْعِ النِّسَآءِ ہے لیکن اس باب میں حضرت عائشہؓ کی روایت ترجمہ باب سے خلاف بھی لائی ہے۔

● حَدَّثَنَا ابْنُ وَھْبٍ وَابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِکٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَمَنْکِبَیْہِ اِذَاافْتَتَحَ الصَّلَاۃَ. **ترجمہ**:۔حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے تھے۔ (مدونہ کبریٰ ج ۱ ص ۷۱)۔

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) ابن قاسم کے علاوہ کسی نے بھی امام مالکؒ سے ترک رفع یدین کی روایت نہیں کی۔

(۲) ہر ایک نے عبداللہ ابن عمرؓ سے صرف رفع یدین کی روایت بیان کی ہے۔

جوابات:۔ (۱) درج بالا سند میں خود ابن قاسم کی متابعت ابن وہاب نے کی ہے نیز دوسری احادیث میں بھی حضرت مالک کی متابعت عبداللہ ابن عون الخراز وغیرہ نے کی ہے اسلئے ابن قاسم کو اس سلسلے میں منفرد کہنا بجا نہیں (۲) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بہت سی روایات ابوعوانہ میں چار سندوں کیساتھ وغیرہ میں ترک رفع یدین کی روایات منقول ہیں۔ خود حضرت عبداللہؓ کا فعل ترک رفع یدین صحیح سند کیساتھ ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ یہ تمام شہادتیں اس بات پر استدلال کرتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کی روایات بھی منقول ہیں اور صرف اپنے مسلکی تعصب کی بناء پر ہر ایک روایت پر اعتراض بجا نہیں۔

ترک رفع یدین عندالرکوع کی صریح روایات:۔ ● حَدَّثَنَا ھَنَّادٌ نَاوَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ :قَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍؓ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلوٰۃَ

رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْ فَعْ یَدَیْہِ اِلَّافِی اَوَّلِ مَرَّۃٍ **ترجمہ**:۔ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کرنے کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَنْ لَّمْ یَذْ کُرِ الرَّ فْعَ عِنْدَ الرُّ کُوْعِ ج۱ ص۱۰۹، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ عِنْدَ الرُّ کُوْعِ ج۱ ص۵۹، نسائی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ رَفْعُ الْیَدَیْنِ وَالرُّخْصَۃُ فِیْ تَرْکِ ذَالِکَ ج۱ ص۱۶۱)

صاحب آثار السنن نے کہا ہے وَھُوَ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی یہ حدیث ترک رفع یدین کے سلسلہ میں صریح ہے اور صحیح بھی ہے بلکہ آپ کی اطلاع کیلئے یہ عرض ہے کہ ابوداؤد کی سند شرط صحیحین پر ہے۔ ابوداؤد کی سند دو طریق سے ہے ایک طریق تو درج ذیل ہے۔

حَدَّثَنَاالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ نَامُعَاوِیَۃُ وَخَالِدُ بْنُ عَمْرٍوٍ وَ اَبُوْحُذَیْفَۃَ قَالُوْانَاسُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَ سْوَدِ عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ.

اور دوسرے طریق کی سند اس طرح ہے۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَاوَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَاصِمٍ یَعْنِی ابْنَ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَۃَ.

وکیع اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ابن مبارک اور ان کے سوا دوسروں نے ان کی متابعت کی ہے۔

عاصم بن کلیب:۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور خود امام مسلم نے صحیح مسلم میں ان سے روایت لی ہے۔

عبد الرحمن بن الاسود:۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انتقال کیا انہوں نے ۹۹ھ میں اور وہ ابراہیم نخعی کے ہم عمر ہیں۔

نسائی کی ایک سند اس طرح ہے. اَخْبَرَنَامَحْمُوْدُ بْنُ الْمَرْوَزِیُّ حَدَّثَنَاوَکِیْعٌ حَدَّثَنَاسُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ..........الخ

(۲) اس حدیث کے سلسلے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور ترک رفع یدین کی ثابت نہیں ہے۔

جواب:۔ اس سلسلہ میں ترمذی شریف باب رفع الیدین کا ایک جملہ پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ترمذی شریف میں عبداللہ بن مبارک کا پورا قول اس طرح درج ہے، "قَدْثَبَتَ حَدِیْثُ مَنْ یَّرْفَعُ وَذَکَرَحَدِیْثَ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ وَلَمْ یَثْبُتْ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَرْفَعْ اِلَّافِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ

ترک رفع یدین کے ضمن میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی دو حدیثیں منقول ہیں۔

ایک تو **"اَلاَ اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ"**۔ جس کو ترمذی، ابوداوٗد، اور نسائی تینوں نے روایت کیا ہے اور نسائی، ابوداوٗد نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ دوسری روایت اس طرح ہے **"اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَرْفَعْ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ"** اس روایت کے بارے میں عبداللہ ابن مبارک نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ (آثار السنن مع التعلیق الحسن) جب کہ پہلی روایت کے راوی خود عبداللہ ابن مبارک ہیں اور نسائی کی اصح سند سے مروی ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے بحث ملاحظہ ہو آثار السنن مع التعلیق الحسن حاشیہ میں ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، اعلاء السنن حاشیہ پر ص ا ج ۳ ص ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱)

آثار:۔

حضرت عمر ابن خطابؓ کی روایت:۔ ☆**حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ آدَمَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَیَّاشٍ بْنِ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ حُسَیْنٍ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ رَاَیْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ** **ترجمہ:۔** حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، **بَابُ التَّکْبِیْرَاتِ** ج ا ص ۱۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، **بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ** ج ۲ ص ۴۱۷)

(بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۰۹، ۲۱۰، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۲)

حضرت علیؓ کی روایت:۔ ☆**حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ قِطَافِ النَّھْشَلِیِّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ عَلِیًّاؓ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ مِنَ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَرْفَعُ بَعْدُ۔** **ترجمہ:۔** حضرت عاصم بن کلیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں پہلی تکبیر میں (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین فرماتے تھے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، **بَابُ التَّکْبِیْرَاتِ** ج ا ص ۱۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، **بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ** ج ۲ ص ۴۱۶؛ سنن الکبریٰ للبیھقی کتاب الصلوٰۃ، **مَنْ لَمْ یَذْکُرِ الرَّفْعَ اِلَّا عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ** ج ۲ ص ۸۰)

(بحث ملاحظہ ہو۔ آثار السنن ص ۲۱۱، ۲۱۲، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۳، ۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ:۔ ☆**حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ عَیَّاشٍ عَنْ حُصَیْنٍ وَعَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ بْنِ عُمَرَؓ فَلَمْ یَکُنْ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ** **ترجمہ:۔** حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ چنانچہ آپ ﷺ صرف نماز کی ابتدا میں پہلی تکبیر (تحریمہ) کے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، **بَابُ التَّکْبِیْرَات** ج ا ص ۱۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، **بَابٌ مَنْ کَانَ یَرْفَعُ**

يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ ج۲ص۴۱۷، معرفة السنن و الآثار للبيهقى كتاب الصلوٰة ج۲ص۴۲۹)

(بحث ملاحظہ ہو آثار السنن حاشیہ ص۲۱۲، ۲۱۳، اعلاء السنن ج۳ص۶۴، ۶۵، بحث سلسلہ نمبر۴)

☆حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ اَبِيْ مَعْشَرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍؓ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ اِلَّا فِي الْاِفْتِتَاحِ ۔**ترجمہ**:۔ حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(طحاوی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ التَّكْبِيْرَات ج۱ص۱۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ ج۲ص۴۱۶) (بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص۲۱۴، اعلاء السنن ج۳ص۶۶، ۶۷)

☆حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ وَاَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِاللّٰهِؓ وَاَصْحَابُ عَلِيٍّؓ لَا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِيْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالَ وَكِيْعٌ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو اسحٰقؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے شاگردانِ رشید صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے وکیع نے کہا اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ ج۱ص۲۳۶) (بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص۲۱۴، اعلاء السنن ج۳ص۶۶)

☆عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ۔**ترجمہ**:۔ حضرت علقمہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخینؓ کی اقتداء میں نماز ادا کی یہ حضرات صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے اور بس۔

عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، (دیکھئے کفایہ علی الهدایہ ج۱ص۲۷۱ الیضاح الادلہ ص۷۱، ۷۲)

مَا اَخْرَجَ اَبُوْدَاوٗدُ عَنْ مَيْمُوْنِ الْمَكِّيِّ : ☆حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ اَبِيْ هُبَيْرَةَ عَنْ مَيْمُوْنِ الْمَكِّيِّ اَنَّهٗ رَاٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَصَلّٰى بِهِمْ يُشِيْرُ بِكَفَّيْهِ حِيْنَ يَقُوْمُ وَحِيْنَ يَرْكَعُ وَحِيْنَ يَسْجُدُ وَحِيْنَ يَنْهَضُ لِلْقِيَامِ فَيَقُوْمُ فَيُشِيْرُ بِيَدَيْهِ ،فَانْطَلَقْتُ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍؓ فَقُلْتُ اِنِّيْ رَاَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ صَلّٰى صَلٰوةً لَّمْ اَرَ اَحَدًا يُّصَلِّيْهَا ،فَوَصَفْتُ لَهٗ هٰذِهِ الْاِشَارَةَ، فَقَالَ: اِنْ اَحْبَبْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلٰى صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاقْتَدِ بِصَلٰوةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ۔(ابوداؤد بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ج۱ص۱۰۸)

(ابوداؤد نے میمون مکی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اسطرح نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی ہتھیلیوں سے اشارہ کر رہے تھے کھڑے ہونیکے وقت اور رکوع اور سجدہ کرنیکے وقت، اور سجدہ سے کھڑے ہونیکے وقت ،کھڑے ہوکر اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے، پس میں عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گیا، اور میں نے عرض کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اسطرح نماز پڑھتے دیکھا کہ کسی کو نہ دیکھا تھا، پھر میں نے ان سے اس اشارہ کو بیان کیا، حضرت

عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنا چاہو تو عبداللہ بن زبیر کی نماز کی اقتداء کرو جملہ "لَمْ اَرَاَحَداً یُصَلِّھَا" بشرط فہم اس جانب مشیر ہے کہ اس زمانہ میں بھی عدم رفع شائع وذائع، اور رفع یدین شاذ و قلیل الوجود تھا، اور اس سے بظاہر نسخ مفہوم ہوتا ہے، ورنہ امر مسنون کو بلاوجہ یک لخت چھوڑ دینا اس زمانہ کے آدمیوں سے نہیں ہوسکتا، اور ترک رفع کیلئے احتمال نسخ بھی کافی ہے، ہم مدعی نسخ نہیں جو دلیل قاطع دربارۂ نسخ ہم کو پیش کرنی ضروری ہو، کیونکہ امر احتیاطی کے واسطے دلیل احتمالی بھی کافی ہے، کَمَامَرَّ، باقی رہا ارشاد عبداللہ بن عباسؓ اس سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین فعل نبوی ہے، سوفقط اتنی بات میں کس کا کلام ہے؟ غایت مافی الباب حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی نسخ کے منکر ہوں گے، مگر سب جانتے ہیں کہ مثبِت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔

علی ھذاالقیاس قول عبداللہ بن مسعودؓ: رَفَعَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فَرَفَعْنَا، وَتَرَکَ فَتَرَکْنَا (رسول اللہ ﷺ نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی کیا، اور آپ ﷺ نے چھوڑ دیا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا) اور قول عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، نسخ وترک رفع پر دال ہیں، اور اگر بوجہ تعصب اقوال فقہاء کا اعتبار نہیں تو طبرانی ومصنف ابن ابی شیبہ ورسالہ امام بخاری وطحاوی وغیرہ کو ملاحظہ فرمایئے، بعض احادیث مرفوعہ وموقوفہ وآثار متعددہ ہمارے مُؤیّدِ مدَّعا موجود ہیں، جن سے بشرط انصاف اَوْلِوِیَّت عدم رفع ثابت ہوتی ہے، امام عینیؒ وحلبی شارح منیہ وغیرہ نے بھی ان میں سے بعض نقل کیے ہیں۔

تحقیق مسئلہ مذکورہ:۔ جب غیر مقلدین رفع یدین عندالرکوع اور تیسری رکعت کے شروع کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے تو انہیں چاہیے کہ رفع یدینِ مذکورہ کا اصل سنت ہونا ثابت کریں۔ اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہوسکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے۔ (۱) یا تو دوام رفع یدین ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ مقامات مذکورہ پر ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں مقاماتِ مذکورہ پر رفع یدین کیا تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہوجائے۔ کیونکہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے بغیر مدعا ثابت نہیں ہوسکتا اور ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کیلئے بھی غیر مقلدین کے پاس بطورِ دلیل، ایک بھی صحیح صریح حدیث نہیں ہے۔

رفع یدین عند الرکوع کی روایات کا جائزہ:۔ رفع یدین عندالرکوع کے سلسلہ میں غیر مقلدین جتنی روایات پیش کرتے ہیں ان سے صرف اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے بقائے سنیت رفع یدین نہیں ثابت ہوتا اسلئے بطور استدلال سب رد ہیں پھر آثار واقوال پیش کرنیکا انہیں حق نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مقلدین میں سے ہیں۔ اسکے بعد بقائے سنیت رفع عندالرکوع کیلئے ان کے پاس کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں ہے جس سے دوام ثابت ہو۔ جو روایات غیر مقلدین دوام رفع کیلئے پیش کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں بلکہ موضوع کے درجہ تک ہیں اسلئے سب رد ہیں۔ چنانچہ رکوع سے پہلے اور رکوع

کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع کے رفع یدین کا اصل سنت اور اسکے خلاف جائز نہ ہونے کا ان کا دعویٰ رد ہے۔

ترک رفع یدین کی روایات کا جائزہ:۔ترک رفع یدین کی دلیل میں احناف کے پاس دو قسم کی روایات ہیں۔ ایک تو غیر صریح روایات۔ ان میں حضرت جابر بن سمرہؓ کی صحیح مسلم کی روایت۔ نیز مسند حمیدی، صحیح ابوعوانہ، مدون کبریٰ کی روایات۔ دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جو ترک رفع یدین پر صریح ہیں۔ ایک تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جس کی سند شرط مسلم پر ہے۔ اور آثار جن کی اسناد صحیح ہیں۔

احناف کے نزدیک ''ترک رفع یدین'' مستحب ہے۔ اور مستحب کیلئے ضعیف حدیث یا اقوال وافعال سلف حجت ہیں۔ احناف کے ترک رفع یدین کے دعوے کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع روایت جو کہ ''صحیح'' ہے، حجت ہے۔ جبکہ اگر ''ضعیف'' بھی ہوتی تو مستحب کی دلیل کیلئے کافی تھی۔ کیونکہ غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح روایت موجود نہیں ہے۔ غیر صریح روایات سے صرف یہ ''قیاس'' ہوسکتا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ رفع یدین اب بھی باقی ہو۔ اور ان کے قیاس کے مقابلے میں صحیح صریح حدیث موجود ہے۔ اگر ضعیف بھی ہوتی تو قیاس کے مقابلہ میں حجت ہے چہ جائیکہ صحیح ہے۔ مزید برآں یہ کہ صحیح سند کے ساتھ صریح آثار بھی موجود ہیں جو ترک رفع یدین کے استحباب میں حجت ہونے کیلئے کافی ہیں۔

ترک رفع یدین کے استحباب کے قائلین کے پاس متعدد روایات صحابہ بحکم مرفوع اور صحیح سند سے آثار موجود ہیں جو ترک رفع یدین کے مستحب ہونے کیلئے کافی ہیں۔

دعویٰ اتحاد کا عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

غیر مقلدین میں ایسے گروہ موجود ہیں جو صرف رکوع کے وقت رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو رکوع کیساتھ ساتھ سجدے کے وقت رفع یدین کو بھی سنت کہتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے اور تقلید میں نظم وضبطِ ملت ہے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے کہ آپ ﷺ نے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا حکم دیا ہو۔

(۲) اگر غیر مقلدین رکوع کے وقت رفع یدین کی سنت کے قائل ہیں تو دوام رفع یدین کی صحیح صریح احادیث پیش کریں؟

(۴) نیز کس دلیل سے رکوع کے علاوہ دیگر مقامات پر رفع یدین کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں دلیل پیش کریں؟

سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے کی کیفیت

غیر مقلدین :۔ غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر دونوں ہاتھ پہلے ٹیکے اس کے بعد گھٹنے۔

احناف :۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنوں کو زمین پر پہلے ٹیکے اس کے بعد دونوں ہاتھ۔

غیر مقلدین کے دلائل

● حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ نَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلَا یَبْرُكْ كَمَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ وَلْیَضَعْ یَدَیْهِ قَبْلَ رُكْبَتَیْهِ ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور چاہئے کہ رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے۔

(ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲)

صاحب آثار السنن نے کہا کہ اس حدیث میں علت ہے۔

اس روایت کو نقل کیا مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱، ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲، نسائی بَابٌ اَوَّلُ مَا يَصِلُ اِلَى الْاَرْضِ مِنَ الْاِنْسَانِ فِيْ سُجُوْدِهٖ ج ۱ ص ۱۶۵، دارمی ج ۱ ص ۳۰۳، دارقطنی ج ۱ ص ۳۴۴، بیہقی ج ۲ ص ۹۹/۱۰۰ وغیرہ نے۔

استدلال پر اعتراضات:۔ آثار السنن ج ۱ ص ۲۲۵ حاشیہ پر ہے کہ حدیث ابو ہریرہؓ معلول ہے ترمذیؒ نے کہا ہے کہ حدیث ابو ہریرہؓ غریب ہے کیونکہ ہم حدیثِ ابو ہریرہؓ کو صرف اسی طریق سے یعنی ابوالزناد کے طریق سے جانتے ہیں اور امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ محمد بن عبداللہ الحسن ان کا کوئی متابع نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ محمد بن عبداللہ الحسن نے ابوالزناد سے سنا ہے یا نہیں۔ غرض حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت "صحیح" نہیں ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک حجت صرف صحیح حدیث ہے اس لئے ان روایات سے استدلال ناقابلِ قبول ہے۔

غیر مقلدین کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں "سجدے کی معراج" کے عنوان کے تحت تحریر ہے کہ اس حدیث میں اونٹ کیطرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ اور اونٹ بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ رکھتا ہے، اور اس حدیث میں پہلے ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔ اخیر حدیث اول کے مخالف ہوئی۔......... آگے تحریر فرماتے ہیں کیونکہ اونٹ کے بیٹھنے میں کئی باتیں ہیں۔ (۱) دونوں ہاتھوں کا پہلے رکھنا (۲) دونوں ہاتھوں پر زور دینا (۳) دونوں پاؤں کھڑے رکھنا۔ تو ممانعت ان سب اوصاف سے ہے۔ .... الحاصل ترجیح پہلی حدیث کو ہے یعنی حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث، ابوسلیمان خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ "وائل

بن حجر کی حدیث بہت ثابت ہے اس حدیث سے''۔ پس اکثر عمل حدیث وائلؓ پر چاہئے۔''

ابن قیمؒ نے حدیث ابو ہریرہؓ کو جسمیں ہاتھ پہلے رکھنے کا ذکر ہے، مقلوب کہا ہے، اور کہا ہے کہ اصل حدیث یوں تھی ''وَلْیَضَعْ رُکْبَتَیْہِ قَبْلَ یَدَیْہِ'' یعنی وہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے اور اس سے متعلق انہوں نے طویل کلام کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد (ج ۱ ص ۲۲۳)

اور دیگر روایات جو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ سب حدیث ابو ہریرہؓ سے زیادہ ضعیف ہیں اور انہیں بطورِ شواہد پیش کرتے ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۲۵......تا ۲۲۷، اعلاء السنن ج ۳ ص ۴۸......تا ۵۲ اور تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۸۲.....تا ۲۸۶)

احناف کے دلائل

● حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَحُسَيْنُ بْنُ عِيسٰی قَالَا نَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ للّٰهِ ﷺ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُکْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ یَدَیْهِ قَبْلَ رُکْبَتَیْهِ (رواہ ابوداؤد بَابٌ کَیْفَ یَضَعُ رُکْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ ج ۱ ص ۱۲۲) **ترجمہ**:۔ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو رکھنے سے پہلے اپنے دونوں گھٹنے رکھتے اور سجدے سے اٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اپنے گھٹنوں کو اٹھانے سے پہلے۔ (ابوداؤد بَابٌ کَیْفَ یَضَعُ رُکْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ ج ۱ ص ۱۲۲، ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِیْ وَضْعِ الْیَدَیْنِ قَبْلَ الرُّکْبَتَیْنِ ج ۱ ص ۶۱، نسائی بَابٌ اَوَّلُ مَا یَصِلُ اِلَی الْاَرْضِ مِنَ الْاِنْسَانِ فِیْ سُجُوْدِهٖ ج ۱ ص ۱۶۵، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۴۹، طحاوی ج ۱ ص ۱۵۰، طبرانی فی الکبیر ج ۲۲ ص ۴۰، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۲۲۹، جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۰)

فائدہ: سجدہ میں جانے کا مذکورہ طریقہ عین مطابق سنت ہے۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث کو محدثین کرام نے راجح قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ خطابیؒ نے فرمایا: حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَرْجَحُ مِنْهُ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۴) اسی طریقہ سے حافظ ابن القیمؒ جوزیؒ نے اس حدیث کو راجح قرار دیا ہے۔ قَالَ الْعَلَّامَةُ الشَّوْکَانِیُّ فِی النَّیْلِ وَاَمَّا الْحَافِظُ بْنُ الْقَیِّمِ فَقَدْ رَجَّحَ حَدِیْثَ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۴)

علامہ بغویؒ نے اس حدیث کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ بعض علماء نے زمین پر پہلے ہاتھ رکھنے کو منسوخ قرار دیا ہے اور بطور دلیل ایک اثر بھی نقل کیا ہے۔ حضرت مصعب بن سعد سے منقول ہیکہ ہم لوگ گھٹنوں سے قبل ہاتھوں کو رکھتے تھے تو ہم کو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ قَالَ اَبُوْ سُلَیْمَانَ الْخَطَّابِیُّ حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَزَعَمَ بَعْضُ الْعُلَمَآءِ أَنَّ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَرُوِیَ فِیْهِ خَبَرًا عَنْ سَلَمَةَ بْنِ کُهَیْلٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ کُنَّا نَضَعُ

الْیَدَیْنِ قَبْلَ الرُّکْبَتَیْنِ فَاُمِرْنَا بِالرُّکْبَتَیْنِ قَبْلَ الْیَدَیْنِ (شرح السنہ ج۲ ص۲۸۵)

حضرتِ وائل بن حجرؓ سے روایت، سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو ٹیکنے اور پھر ہاتھ ٹیکنے کی دلیل تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ مصنف عبدالرزاق کا اثر بھی موجود ہے وہ یہ کہ سجدہ میں اس طرح جانا چاہیے کہ پہلے اپنے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے جائیں پھر اپنے دونوں ہاتھ رکھے جائیں پھر چہرہ۔ اور جب سجدہ سے اٹھنا ہو تو پہلے چہرہ اٹھائیں پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے جائیں۔ ھٰکَذَا رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَسَارٍ :عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنِ التَّیْمِیِّ عَنْ کَھْمَسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَسَارٍ. (مصنف عبدالرزاق بَابُ کَیْفَ یَقَعُ سَاجِدًا وَّتَکْبِیْرُہٗ وَکَیْفَ یَنْھَضُ مَنْ مُّثْنِیٌّ مِنَ السُّجُوْدِ ج۲ ص۱۷۷)

سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا زمین پر ٹیکنا منع ہے

غیر مقلدین : غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ کھڑے ہوتے وقت (قیام کی حالت میں آتے وقت) دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنا سنت ہے۔

احناف :۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا زمین پر ٹیکنا عذر کی وجہ سے ہے سنتِ اصلی نہیں ہے

غیر مقلدین کے دلائل

عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِؓ قَالَ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِیَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ قَامَ. **ترجمہ** :۔ حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگا کر پھر کھڑے ہوتے۔ (بخاری بَابُ کَیْفَ یَعْتَمِدُ عَلَی الْاَرْضِ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَةِ ج۱ ص۱۱۴)

ایوب السختیانی عن ابی قلابہؓ کی روایت بھی بخاری میں ہے۔

استدلال پر اعتراضات :۔ مذکورہ روایات کبر سنی پر محمول ہے جیسا کہ نصب الرایہ ج۱ ص۳۸۹ پر ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیان جواز کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

فائدہ :۔ اٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکتے ہوئے مٹھیاں بند رکھیں جیسا کہ حدیث ابن عمر میں رسول اللہ ﷺ کا فعل مذکور ہے اور اس حدیث کو حربی نے ''غریب الحدیث'' میں روایت کیا ہے۔.................. اس بارے میں ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معروف ہے اس سے حجت لینا جائز نہیں۔ نووی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف یا باطل اور بے اصل ہے۔ (تلخیص الحبیر ج۱ ص۲۶۰) (تخریج صلوٰۃ الرسول ص۲۹۹، ۳۰۰)

غیر مقلدین جس حدیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں اس حدیث کے متعلق صاحبِ اعلاء السنن فرماتے ہیں کہ سعید بن منصورؒ کی وہ روایت جو حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے ضعیف سند کیساتھ منقول ہے اور ابن مسعودؓ سے حسن سند کیساتھ منقول ہے غیر مقلدین کی پیش کردہ دلیل (یعنی حضرت ابو قلابہؓ والی حدیث) کے معارض ہے کیونکہ ابو ہریرہؓ اور ابن مسعودؓ

کی حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں (سجدوں کے بعد) پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ اور جس روایت کو ایوب سختیانیؒ نے ابوقلابہ کے طریق سے روایت کیا ہے، وہ کبرسنی پر محمول ہے، یا ایسا آپ نے بیان جواز کے لئے کیا تھا۔ اور اٹھتے وقت ٹیک لگا کر اٹھنے کی ممانعت میں ابن عمرؓ کی حدیثِ صریح موجود ہے۔

لہذا صریح حدیث کی موجودگی میں غیر مقلدین کی پیش کردہ وہ روایت جس کی بنیاد ایوب السختیانی عن ابی قلابہ ہے پر عمل نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس حدیث میں احتمال ہے عذر کا یا بیان جواز کا اور قاعدہ ہے "اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ" کہ جہاں احتمال آجائے وہاں استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک آثار حجت نہیں ہیں۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر غیر مقلدین کا دعویٰ "سجدہ سے اٹھتے وقت ٹیک لگا کر اٹھنا سنت ہے" رد ہے۔

احناف کے دلائل

سجدہ سے اٹھتے وقت ٹیک لگا کر اٹھنا سنت نہیں ہے اس سلسلہ میں احناف چار صحابۂ کرام سے روایت پیش کرتے ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲) حضرت وائل بن حجرؓ (۳) حضرت علیؓ (۴) حضرت ابوہریرہؓ اور متعدد آثار نقل کرتے ہیں۔

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰی يَدَيْهِ اِذَا نَهَضَ فِی الصَّلَاةِ **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کو ٹیک لگا کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد بابُ كَرَاهِيَةِ الْاِعْتِقَادِ عَلَى الْيَدِ فِي الصَّلٰوةِ ج۱ ص۱۴۲، اعلاء السنن ج۳ ص۵۳)

(۲) عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍؓ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهَضَ نَهَضَ عَلٰی رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلٰی فَخِذَيْهِ۔

ترجمہ:۔ یعنی حضور اکرم ﷺ جب قیام فرماتے تو اپنے گھٹنوں کے بل زانو پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔

(ابوداؤد بابٌ كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج۱ ص۱۲۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ ص۹۹، نیل الاوطار ج۲ ص۳۰۰)

جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے بھی زاد المعاد میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اپنے زانو پر سہارا لیتے ہوئے بغیر دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے ہوئے اٹھتے تھے۔ (زاد المعاد ج۱ ص۶۱)

فائدہ:۔ مذکورہ دونوں حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ مسنون طریقہ یہی ہے کہ جب سجدے سے اٹھا جائے تو اٹھتے وقت زمین پر ہاتھوں سے سہارا نہ لیا جائے۔ بلکہ زانوں پر سہارا لے کر اٹھا جائے، آپ ﷺ کا معمول یہی تھا۔ جن روایتوں میں زمین پر سہارا لینا ثابت ہے وہ یا تو عذر کی بناء پر تھا یا آپ ﷺ نے بیان جواز کیلئے ایسا فرمایا ہے (اعلاء السنن ج۳ ص۵۷)

جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے:۔ (۳) عَنْ اَبِیْ جُحَيْفَةَ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِی الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ اِذَا نَهَضَ الرَّجُلُ فِی الْاُوْلَيَيْنِ اَنْ لَّا يَعْتَمِدَ يَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ شَيْخًا كَبِيْرًا لَّا يَسْتَطِيْعُ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: نماز میں سنت یہ ہے کہ آدمی پہلی دو رکعتوں

میں زمین پر ہاتھ نہ ٹیکے، اِلَّا یہ کہ وہ بہت بوڑھا ہو جسے اس کے بغیر اٹھنے کی ہمت نہ ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ فِی الرَّ جُلِ یَعْتَمِدُ عَلیٰ یَدَیْهِ فِی الصَّلَاةِ ج۳ ص ۳۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۶)

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نماز میں (سجدوں کے بعد) پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (ترمذی بَـــاب کَیْفَ النُّهُوْضُ مِنَ السُّجُوْدِ، بَا بٌ مِّنْهُ ج ۱ ص ۶۴، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۲۴،، جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۲)

آثار: ☆ حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِیَةَ، عَنِ الْاَ عْمَشِ، عَنْ اِبْرَا هِیْمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ: کَانَ عَبْدُ اللّٰهِ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ. **ترجمہ**: حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ کَانَ یَنْهَضُ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّ ثَنَا وَکِیْعٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَزِیْدَ، عَنْ یَزِیْدَ بْنِ زِیَادِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ، عَنْ عُبَیْدِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ قَالَ: کَانَ عَلِیٌّ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ. **ترجمہ**:۔ حضرت عبید بن ابی جعدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ کَانَ یَنْهَضُ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا أَبُوْخَالِدِ الْاَ حْمَرِ، عَنِ الْاَ عْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ: کَانَ عَبْدُ اللّٰهِ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ. **ترجمہ**:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِیَةَ، عَنِ الْاَ عْمَشِ، عَنْ خَیْثَمَةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: رَأَیْتُهُ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ. **ترجمہ**:۔ حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ کَانَ یَنْهَضُ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنِ الْاَ عْمَشِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: کَانَ ابْنُ اَبِیْ لَیْلیٰ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ. **ترجمہ**:۔ حضرت محمد بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی لیلیٰ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ کَانَ یَنْهَضُ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا أَبُوْخَالِدِ الْاَ حْمَرِ، عَنْ عِیْسَی بْنِ مَیْسَرَةَ، عَنِ الشَّعْبِیِّ: اَنَّ عُمَرَوَ عَلِیاً وَاَصْحَا بَ رَسُوْ لِ اللّٰهِ ﷺ کَانُوْا یَنْهَضُوْنَ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِأَقْدَ امِهِمْ. **ترجمہ**:۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ کَانَ یَنْهَضُ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَ مَیْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ وَهْبِ ابْنِ کَیْسَانَ قَالَ: رَأَیْتُ ابْنَ الزُّ بَیْرِ

"اِذَا سَجَدَ السَّجْدَةَ الثَّانِيَةَ قَامَ كَمَا هُوَ عَلىٰ صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ. **ترجمه**:۔ حضرت وہب ابن کیسانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن زبیرؓ کو دیکھا کہ جب وہ دوسرا سجدہ کرتے تھے تو اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلىٰ صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ ج۳ ص۴۳۱)

یہ تمام آثار اس بات پر دلیل ہیں کہ اکثر صحابۂ کرامؓ کا عمل بغیر ہاتھوں کو ٹیکے ہوئے اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہونے کا تھا۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کھڑے ہوتے وقت ہاتھ ٹیکنے کا عمل سنتِ اصلی نہیں

مسئلہ جلسۂ استراحت

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (قعدہ کرنا) اسکے بعد کھڑا ہونا اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔

غیر مقلدین: غیر مقلدین کے نزدیک پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (قعدہ کرنا) اسکے بعد دوسری یا چوتھی رکعت کیلئے کھڑا ہونا سنت ہے۔

احناف:۔ احناف اور جمہور کے نزدیک جلسۂ استراحت سنت نہیں ہے بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ جلسہ استراحت عذر کی بناء پر تھا۔

غیر مقلدین کے دلائل

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نماز میں مقتدی کو پہلی رکعت کے دونوں سجدہ کرنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا چاہئے (یعنی جلسۂ استراحت کرنا چاہئے) اور اس کی بعد اٹھنا چاہئے اور اس کی دلیل میں چند روایات پیش کرتے ہیں۔

● ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ يَرْ فَعُ وَيَثْنِى رِجْلَهُ الْيُسْرىٰ فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَنْهَضُ **ترجمه**:۔ پھر حضورﷺ اللہ اکبر کہتے ہوئے (دوسرے سجدے سے) اٹھتے اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے اس پر پھر کھڑے ہوتے۔

(ابوداؤد ج۱ ص۱۰۶ بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلوٰةِ، ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِيْ وَصْفِ الصَّلوٰةِ ج۱ ص۶۷)

یہ روایت حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے منقول ہے جسے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند و متن پر مختصر کلام ملاحظہ ہو۔

ابوداؤد کی سند میں ایک راوی عبدالحمید بن جعفر ہے انکے بارے میں ماردینی کہتے ہیں کہ وہ اپنی حدیث میں مطعون ہیں اور ایسا ہی یحییٰ بن سعید کہتے ہیں .... ان تمام وجوہات کی بناء پر یہ روایت اسناد و متن میں مضطرب ہے۔ (سنن ابوداؤد مع التعلیق المحمود ص۱۰۶)

ترمذی کی سند میں محمد بن بشار ہیں ان کے بارے میں کلام ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج۹ ص۷۰)

غرض روایت ''صحیح'' درجہ تک نہیں پہنچتی۔ اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہے اسلئے بطورِ استدلال نا قابلِ قبول ہے۔

تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۹۹ حاشیہ پر ہے ''اس جلسۂ استراحت کا ذکر مالک بن حویرث کی حدیث میں بھی ہے جو بخاری (۸۲۳) ابوداؤد (۸۴۴) نسائی (ج ۲ ص ۲۳۴) ترمذی (۲۸۷) ابن خزیمہ (۶۸۶) بغوی (۶۶۸) بیہقی (ج ۲ ص ۲۳) اور محلیٰ ابن حزم (ج ۴ ص ۱۲۴) میں خالد حذاء عن ابی قلابۃ کے طریق سے مالک بن حویرث سے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا جب آپ دوسری اور چوتھی رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تو بیٹھے بغیر نہ اٹھتے۔ جو علماء جلسۂ استراحت کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس حدیث کا جواب دیا ہے کہ یہ موٹاپا اور کبرسنی کی بناء پر تھا مگر یہ تاویل بلا دلیل ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں مالک بن حویرث ''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ'' حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو صفات بیان کیں ہیں وہ سب اس (حدیث کے) حکم میں داخل ہیں فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۲۔ شیخ البانی فرماتے ہیں کہ جلسۂ استراحت کو اس امر پر محمول کرنا کہ یہ حاجت کی بناء پر تھا عبادت کی غرض سے نہیں لہذا یہ مشروع نہیں ہے جیسا کہ احناف وغیرہ کا قول ہے اور یہ تاویل باطل ہے اور اس کے بطلان کیلئے یہی کافی ہے کہ ان صحابہ نے اسے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز میں داخل ہونے پر سکوت کیا ہے اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ آپ ﷺ نے اسے بوقتِ ضرورت کیا ہے۔ تو ان کیلئے اسے رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ نماز میں داخل کرنا جائز نہ تھا۔ ارواء الغلیل (ج ۲ ص ۸۳)، دس صحابہ سے شیخ کی مراد حدیث ابوحمید ساعدی والا واقعہ ہے''۔

درج بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت جو روایات میں منقول ہے وہ عذر کی بناء پر تھا، اور سنتِ اصلی نہیں تھا۔ اسی لئے اجلۂ صحابۂ کرام کا عمل جلسۂ استراحت نہیں تھا۔ حضرتِ ابوحمید ساعدیؓ سے جو روایت پیش کی جاتی ہے اور دس صحابۂ کرام کا حوالہ دیا جاتا ہے (اور نماز کے بہت سے وہ مسائل جن کا اس مذکورہ روایت میں ذکر بھی نہیں ہے غیر مقلدین ان کو بھی اسی کیساتھ جوڑ دیتے ہیں) اس روایت پر کلام گذر چکا ہے کہ وہ ''صحیح'' درجہ تک نہیں پہنچتی ہے۔ اسلئے غیر مقلدین کا اسے بطورِ استدلال پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۸ کی حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے کہ '' آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہوگئے''۔ اسی طرح حضرت مالک ابن حویرثؓ کی روایت کے الفاظ '' صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ'' یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو'' کو غیر مقلدین استعمال کرکے دیگر مسائل کو بھی حضرت مالک ابن حویرثؓ کے نام سے لکھ دیتے ہیں جن کا ذکر تک مذکورہ روایت میں نہیں ہے بلکہ مذکورہ روایت میں جن مسائل کا تذکرہ ہے ان میں سے بعض کو چھوڑ دیتے ہیں اسلئے ان کا یہ طریقۂ استدلال درست نہیں۔

احناف کے دلائل

نماز میں پہلی اور تیسری رکعت میں دونوں سجدوں سے فارغ ہوکر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہیۓ اسلئے کہ رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے اور اسلاف امت کا اجماع وعمل یہی ہے کہ جلسہ استراحت نہ کیا جاۓ یعنی سجدوں سے فراغت کے بعد بیٹھا نہ جاۓ بلکہ سیدھا پنجوں کے بل کھڑا ہو جانا چاہیۓ

(۱)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ **ترجمه**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیکہ جناب رسول اکرم ﷺ نماز میں (سجدوں کے بعد) پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (ترمذی بَابٌ کَیْفَ النُّهُوْضُ مِنَ السُّجُوْدِ، بَابٌ مِنْهُ ج۱ص۶۴، سنن کبریٰ بیہقی ج۲ص۱۲۴، جمع الفوائد ج۱ص۲۱۲)

(۲)عَنْ عَبَّاسٍ رضؓ اَوْ عَیَّاشِ بْنِ سَهْلِ السَّاعِدِیِّ اَنَّهٗ کَانَ فِیْ مَجْلِسٍ فِیْهِ اَبُوْهُ وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ وَفِی الْمَجْلِسِ اَبُوْهُرَیْرَةَ وَاَبُوْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیّ وَاَبُوْ اُسَیْدٍ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ وَفِیْهِ ثُمَّ کَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ کَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ یَتَوَرَّکْ. **ترجمه**:۔ حضرت سہل ساعدیؓ کے صاحبزادے سے مروی ہے کہ وہ اپنے والد کیساتھ ایک مجلس میں حاضر تھے ان کے والد پیغمبر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اسی مجلس میں حضرت ابو ہریرہؓ، ابوحمید ساعدیؓ اور ابو اسیدؓ موجود تھے اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو گئے ۔ (ابوداؤد ج۱ص۱۰۷ بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلوٰةِ، اسنادہ صحیح)

(۳)عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِیْ عَیَّاشٍ رضؓ قَالَ اَدْرَکْتُ غَیْرَ وَاحِدٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ فَکَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ فِیْ اَوَّلِ رَکْعَةٍ وَّالثَّالِثَةِ قَامَ کَمَا هُوَ وَلَمْ یَجْلِسْ **ترجمه**:۔ حضرت نعمان بن ابی عیاشؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے بیشمار جانثاروں کو پایا کہ وہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدے سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے، بیٹھتے نہیں تھے (رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ مَنْ کَانَ یَقُوْلُ: اِذَا رَفَعْتَ رَأْسَکَ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِیَةِ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلیٰ فَلَا تَقْعُدْ ج۳ص۳۳۲، اسنادہ حسن)

(۴)عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ رَمَقْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضؓ فِی الصَّلوٰةِ فَرَأَیْتُهٗ یَنْهَضُ وَلَا یَجْلِسُ قَالَ یَنْهَضُ عَلیٰ صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلیٰ وَالثَّالِثَةِ. **ترجمه**:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز میں دیکھا کہ وہ کھڑے ہو جاتے ہیں، بیٹھتے نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پہلی اور تیسری رکعت میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق بَابٌ کَیْفَ النُّهُوْضُ مِنَ السَّجْدَةِ الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الرَّکْعَةِ الْاُوْلیٰ وَالثَّانِیَةِ ج۲ص۱۷۸، طبرانی فی الکبیر ج۹ص۲۶۶، حدیث نمبر ۹۳۲۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ص۱۲۵،)

(۵) عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَاَصْحَابُ النَّبِيِّ يَنْهَضُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ أَقْدَامِهِمْ. **ترجمہ**:۔ حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت علی اور دیگر حضرات صحابہؓ نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ" ج ۳ ص ۳۳۰)

اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباسؓ سے ثابت ہے۔

(مصنف عبدالرزاق بَابٌ كَيْفَ النُّهُوْضُ مِنَ السَّجْدَةِ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَ الثَّانِيَةِ ج ۲ ص ۱۷۸، عن ابن مسعود، مصنف ابن ابی شیبہ "مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ" ج ۳ ص ۳۳۰ عن ابن الزبیر، طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۷)

حضرت عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوسعید خدریؓ کو دیکھا کہ وہ اپنی نمازوں میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ وَاَبَاسَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ يَقُوْمُوْنَ عَلٰى صُدُوْرِ أَقْدَامِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ. (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۲۵)

فائدہ: مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوگیا کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کا عمل یہی تھا کہ تیسری اور پہلی رکعت میں کھڑے ہوتے وقت بیٹھتے نہیں تھے یعنی جلسۂ استراحت نہیں کرتے تھے۔

حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ اکثر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں پنجوں کے بل کھڑا ہونا مسنون ہے وہ سجدہ کے بعد پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے اور کھڑے ہونے سے قبل بیٹھتے نہیں تھے۔

قَالَ أَحْمَدُ وَ اَكْثَرُ الْاَحَادِيْثِ عَلٰى هٰذَا قَالَ الْاَثْرَمُ وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ يَنْهَضُ بَعْدَ السُّجُوْدِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَلَا يَجْلِسُ قَبْلَ أَنْ يَّنْهَضَ. (الجوہر النقی علی السنن البیہقی ج ۲ ص ۱۲۵)

ابن القیم جوزیؒ کی تحقیق:۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنے پنجوں اور گھٹنوں کے بل رانوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور کئی صحابہ کرام سے ان تمام لوگوں سے مروی ہے جنھوں نے آپ ﷺ کے طریقہ نماز کو بیان فرمایا ہے۔ یعنی انھوں نے جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جلسۂ استراحت اگر آپ ﷺ کا طریقہ ہوتا اور آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ ہوتی تو یہ لوگ ضرور ذکر فرماتے۔ محض آپ ﷺ کا جلسۂ استراحت کبھی کر لینا اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ وہ نماز کے سنن میں سے ہے۔

ثُمَّ كَانَ ﷺ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَ رُكْبَتَيْهِ مُعْتَمِدًا عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عِدَّةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَ سَائِرِ مَنْ وَصَفَ صَلَاتَهُ ﷺ لَمْ يَذْكُرْ هٰذِهِ الْجَلْسَةَ وَلَوْ كَانَ هَدْيُهُ ﷺ فَعَلَهَا دَائِمًا لَذَكَرَهَا مَنْ وَصَفَ صَلَاتَهُ ﷺ الخ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴۰، ۲۴۱)

خلاصۂ کلام :۔ اسی وجہ سے اساطین امت کا اجماع ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھا کھڑا ہونا چاہیۓ بیٹھنا نہیں چاہیۓ (جلسۂ استراحت) نہیں کرنا چاہیۓ۔ وَفِیْ نَوَادِرِ الْفُقَهَآءِ لِاِبْنِ بِنْتِ نَعِیْمٍ اَجْمَعُوْا اَنَّهٗ اِذَا رَفَعَ رَأسَهُ مِنْ آخِرِ سَجْدَةٍ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَالثَّالِثَةِ نَهَضَ وَلَمْ يَجْلِسْ اِلَّا الشَّافِعِیُّ یعنی امام شافعیؒ کے سوا تمام اسلاف کرام کا اجماع ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جانا چاہیۓ (الجوہر النقی علی سنن البیہقی ج ۲ ۱۲۷)

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج ۳ ص ۴۸......۵۲، آثار السنن ص ۲۳۴......۲۳۷)

نماز میں قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ

احناف اور اکثر اہلِ علم : امام اعظم ابوحنیفہؒ اور انکے اصحاب اور امام ثوریؒ اور عبداللہ ابن مبارکؒ اور بعض مالکیہ اور اکثر اہلِ علم کا موقف یہ ہے کہ "قعدہ میں دائیں پیر کو کھڑا کیا جائے اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھا جائے" یہی مستحب ہے۔

شوافع اور بعض اہلِ علم :۔ امام شافعیؒ اور انکے اصحاب اور امام مالک کا موقف یہ ہے کہ "آخری قعدہ میں تورک کیا جائے" (تورک یہ ہے کہ دایاں پیر کھڑا کیا جائے اور بایاں پیر بچھا کر اسے آگے کیا جائے اور سرین کے بل بیٹھا جائے)

حنابلہ :۔ حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ "تورک ایسی نماز کے لئے خاص ہے جس میں دو قعدے ہوں۔

مسئلۂ تورک

غیر مقلدین: غیر مقلدین کا موقف ہے کہ 'نماز کے آخری قعدہ میں تورک کیا جائے' اور انکے نزدیک یہی سنتِ اصلی ہے

احناف: احناف کا موقف یہ ہے کہ 'نماز کے تمام قعدوں میں بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہے' انکے نزدیک تورک عذر کی بناء پر ہے

غیر مقلدین کے دلائل

- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ اَنَّهٗ كَانَ جَالِسًا فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرْنَا .... فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهٖ

ترجمہ :۔ حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے تو ہم نے نبی ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو حضرتِ ابوحمید ساعدیؓ نے کہا......... پس جب (آپ ﷺ) بیٹھتے دو رکعتوں پر تو بیٹھتے اپنے بائیں پیر پر اور کھڑا کرتے اپنے دائیں پیر کو اور جب بیٹھتے آخری رکعت میں تو اپنے بائیں پیر کو آگے کر دیتے اور دوسرے کو کھڑا کرتے اور بیٹھتے اپنی سرین پر۔ (بخاری بَابُ كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْاَرْضِ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ ج ۱ ص ۱۱۴)

استدلال پر اعتراضات: (۱) آثار السنن ص ۲۳۸ حاشیہ میں ہے بایاں پیر آگے نکالنا یہ حالتِ عذر پر محمول ہے ہمارے اصحاب کے نزدیک۔ (۲) بیہقی میں یہی عمل پہلے قعدہ میں منقول ہے جس کا علامہ ابن ترکمانی نے الجوہر النقی میں رد کیا ہے (۳) علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں نماز کے قعدوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث وائل اور حدیث عائشہ وہ دونوں تشہد اوسط پر محمول ہیں اور حدیث ابوحمید ساعدیؓ مقید ہے تشہدِ اخیرہ پر۔ اور حملِ مطلق مقید پر واجب ہے اور اس کا جمع کرنا بعید ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۳۸ اور ۲۳۹ حاشیہ نیز نیل الاوطار) (۴) امام طحاویؒ نے امام بخاریؒ کی پیش کردہ سند پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء اور صحابہ کے درمیان عباس بن سہل داخل ہیں جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج ۳ حاشہ ص ۹۲ تا ۱۰۱)

غیر مقلدین تورک کے سلسلہ میں حضرتِ ابوحمید ساعدیؓ کی روایات ترمذی، دارمی، ابن ماجہ وغیرہ سے بھی پیش کرتے ہیں جب کہ ان روایات پر کلام گذر چکا ہے کہ وہ ''صحیح'' درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔

جبکہ دونوں قعدوں میں یکساں طریقہ پر بیٹھنے کی صریح مرفوع روایات موجود ہیں اور آثار بھی موجود ہیں اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ تورک سنتِ اصلی نہیں ہے۔

احناف کے دلائل

●عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ .... وَكَانَ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ اَلتَّحِيَّةَ وَكَانَ يُفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ. **ترجمہ**:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر تحریمہ کیساتھ شروع کرتے تھے............ .....اور آپ ﷺ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے اور اپنا دایاں پیر بچھاتے اور بایاں پیر کھڑا کرتے اور شیطان کی طرح گوٹھ مارنے سے منع کرتے تھے اور اس بات سے بھی منع کرتے تھے کہ آدمی درندوں کیطرح اپنی باہیں پھیلائے اور آپ ﷺ نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔ (مسلم بَابٌ مَا يَجْمَعُ صِفَةُ الصَّلٰوةِ.....ج ۱ ص ۱۹۴)

فائدہ:۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کی دلیل ہے کہ نماز میں قعدہ یہی ہوگا جو حدیث میں مذکور ہے۔ (نووی شرح المسلم ج ۱ ص ۱۹۵، بَابٌ صِفَةُ الصَّلٰوةِ)

●عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ؓ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا قَعَدَ..............وَجَلَسَ عَلَيْهَا.

ترجمہ:۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ ﷺ قعدہ میں بیٹھے تو اپنے بائیں پیر کو زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھے۔ (طحاوی بَابٌ صِفَةِ الْجُلُوْسِ ج ۱ ص ۱۷۸)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ اَنْ تُنْصَبَ الْقَدَمُ الْيُمْنىٰ وَاِسْتِقْبَا لُهٗ بِاَ صَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْيُسْرٰى **ترجمہ**:۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نماز کی سنت میں سے ہے کہ بایاں پیر بچھا کر اسکی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کیا جائے اور دائیں پیر پر بیٹھا جائے (نسائی بَا بُ الْاِ سْتِقْبَالِ بِاَ طْرَافِ اَصَا بِعِ الْقَدَمِ.... ج۱ص۱۷۳)

●عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْاِقْعَآءِ وَ التَّوَرُّكِ فِى الصَّلٰوةِ . **ترجمہ**:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں ''اقعاء'' اور ''تورک'' سے منع فرمایا (السنن الکبریٰ بیہقی ج۲ص۱۲۰، مجمع الزاوائد ج۲ص۸۶)

●عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ اَنْ تُنْصَبَ الْقَدَمُ الْيُمْنىٰ وَاِسْتِقْبَالُهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْيُسْرٰى **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے یہ ہے کہ اپنے دائیں قدم کو کھڑا رکھا جائے انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھا جائے اور بائیں قدم پر بیٹھا جائے۔ (نسائی بَا بُ الْاِ سْتِقْبَالِ بِاَ طْرَافِ اَصَا بِعِ الْقَدَمِ.... ج۱ص۱۷۳، ۱۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ''يُفْتَرَ شُ الْيُسْرٰى وَيُنْصَبُ الْيُمْنىٰ'' ج۲ص۵۴۴، مؤطا امام محمد ص۱۱۲)

مذکورہ روایت کی تائید بخاری شریف کی درجِ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے ''وَقَالَ اَیْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرؓ اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنىٰ وَ تَثْنِىَ الْيُسْرٰى **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے یہ ہیکہ تم دائیں پیر کو کھڑا رکھو اور بائیں پیر کو موڑ لو۔ (صحیح بخاری ج۱ص۱۱۴ بَا بُ سُنَّةِ الْجُلُوْ سِ)

آثار:۔ ☆ حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ نماز میں بیٹھنے کی سنت یہ ہے کہ بائیں قدم کو موڑ لیا جائے اور دائیں کو کھڑا رکھا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج۲ص۱۹۴)

☆ حضرت مغیرہؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ اقعاء اور تورک کو مکروہ سمجھتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج۲ص۱۹۱)

ان مرفوع روایات اور آثار کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے آخری قعدہ میں تورک سنتِ اصلی نہیں ہے

مسئلہ اشارہ بالسبابہ

نماز میں قعدہ کی حالت میں جب مصلی تشہد پڑھتا ہے تو سبابہ (کلمہ کی انگلی) سے ایک مرتبہ اشارہ کرتا ہے۔ ماضی بعید میں علماء میں اختلاف اس بات پر تھا کہ تشہد کے وقت سبابہ سے اشارہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ بعض کہتے تھے نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ سکون کے منافی ہے۔ لیکن اکثر علماء یہ کہتے تھے کہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت اشارہ کرتے تھے اگرچہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن استحباب کیلئے ضعیف احادیث بھی کافی ہیں اسلئے اشارہ کرنا مستحب ہے۔

غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ پورے قعدہ میں (بیٹھنے کی حالت میں) سبابہ (کلمہ کی انگلی) بار بار ہلانا سنت ہے اور بار بار نہ ہلانا جائز نہیں (غیر مقلدین اسی کو تحریک سبابہ کہتے ہیں)۔

احناف اور جمہور کا مسلک:۔ احناف اور جمہور کے نزدیک نماز میں تشہد میں ''اشھدان لاالہ الااللہ''

پڑھتے وقت انگلیوں سے ایک مرتبہ اشارہ کرنا مستحب ہے، بار بار حرکت دینا ہمارے (احناف کے) نزدیک مکروہ ہے۔
(شرح مشکوٰۃ للقاری)

شوافع کے نزدیک یہ عمل کثیر ہے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (المسوی مصنفہ شیخ ولی اللہ بحوالہ اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۵۷)

نکتہ اختلاف :۔ احناف کہتے ہیں کہ انگلیوں سے حلقہ بنانا ہے سوائے سبابہ کے، اور تشہد کے وقت سبابہ سے (ایک مرتبہ) اشارہ کرنا مستحب ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ پورے قعدہ میں (بیٹھنے کی حالت میں) سبابہ (کلمہ کی انگلی) بار بار ہلانا سنت ہے اور بار بار نہ ہلانا جائز نہیں۔

چونکہ غیر مقلدین تحریکِ سبابہ (بار بار ہلانے) کو سنتِ مؤکدہ جانتے ہیں اسلئے انہیں دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے اور جمہور کے استحباب کی دلیل میں ضعیف احادیث بھی کافی ہیں۔

انگلی کو بار بار حرکت دینے کے استدلال میں بہت سی روایات پیش کی جاتی ہیں جو صرف ایک مرتبہ اشارہ کے سلسلہ میں آئی ہیں، ان میں بار بار حرکت دینے کی تصریح نہیں ہے اسلئے بار بار حرکت دینے کے استدلال میں اس قسم کی روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ کیونکہ انمیں بار بار حرکت دینے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ خود غیر مقلدین کو اس بات کا اعتراف ہے۔ چنانچہ ''تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۳۰۶ حاشیہ'' پر ہے ''الحاصل اشارہ کے محل (یعنی جگہ) کے تعین کے بارے میں کوئی صریح صحیح روایت نہیں ہے لہذا ظاہر حدیث (یعنی انکے قیاس) کے مطابق شروع سے انگلی اٹھا لینی چاہئے اور حدیث ''یُحَرِّکُھَا'' کے مطابق اسے حرکت دیتے رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم''۔ غیر مقلدین کی اس عبارت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کس جگہ انگلی اٹھانا چاہئے یہ متعین نہیں ہے اسلئے انکا قیاس یہ ہے کہ شروع ہی سے انگلی اٹھانا چاہئے اور ''یُحَرِّکُھَا'' (یعنی اس کو حرکت دیتے تھے) سے یہ قیاس کرتے ہیں کہ بار بار حرکت دیتے تھے، ''بار بار حرکت دینے'' کا لفظ نہیں ہے۔ شروع سے انگلی اٹھانا اور بار بار حرکت دینے کے سلسلہ میں کوئی صحیح صریح حدیث نہیں ہے یہ عمل صرف ''غیر مقلدین کا قیاس'' ہے۔

غیر مقلدین سے بحث یہ ہے کہ انگلی کو بار بار حرکت دینا یا نہ دینا۔ غیر مقلدین تشہد میں اپنی انگلی کو بار بار حرکت دیتے ہیں جبکہ جمہور علماء تشہد کے وقت " اشھد ان لاالٰہ الا اللہ " پر ایک مرتبہ اشارہ کرنے کے قائل ہیں۔ غیر مقلدین بار بار حرکت دینے کے دلائل میں ایسی روایات بھی پیش کرتے ہیں جو ایک مرتبہ اشارہ کے سلسلے میں آئی ہیں ان میں بار بار حرکت دینے کی تصریح نہیں ہے اسلئے ان کیطرف سے ایسی روایت قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت اور ابوداوٗد وغیرہ کی روایات۔

تحریکِ سبابہ کی دلیل میں غیر صریح روایات : ☆●حَدَّثَنَاقُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍقَالَ نَالَیْثٌ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ ح وَحَدَّثَنَااَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ نَااَبُوْخَالِدِ الْاَحْمَرِعَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَامِرِبْنِ عُبَیْدِاللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِعَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَاقَعَدَ یَدْعُوْوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی

وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفُّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ. **ترجمه**:۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب دعا کیلئے بیٹھتے تو دائیں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو بیچ والی انگلی سے ملا لیتے تھے۔ (مسلم شریف بَابُ صِفَةِ الْجُلُوْسِ فِی الصَّلٰوةِ .... الخ ج۱ ص۲۱۶، سنن کبریٰ بیہقی ج۲ ص۱۳۱، شرح السنہ ج۲ ص۳۰۹)

● حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ نَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا قَعَدَ فِی التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَّخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ. **ترجمه**:۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور ۵۳ ترپن کا عقد بنایا اور سبابہ سے اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد، بَابُ صِفَةِ الْجُلُوْسِ فِی الصَّلٰوةِ .... الخ ج۱ ص۲۱۶)

● حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ مُفَضَّلٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ قَدْ حَلَّقَ الْاِبْهَامَ وَالْوُسْطٰى وَرَفَعَ الَّتِیْ تَلِيْهِمَا يَدْعُوْ بِهَا فِی التَّشَهُّدِ. **ترجمه**:۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ابہام (انگوٹھا) اور وسطی (بیچ والی انگلی) کا حلقہ بنایا اور اٹھایا اپنی وہ انگلی جو انگوٹھے کے نزدیک ہے دعا مانگتے تھے اسکے ذریعے تشہد میں۔ (ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ كَيْفَ الْجُلُوْسُ فِی الصَّلٰوةِ ج۱ ص۱۳۸، نسائی کتاب السھو، بَابُ مَوْضَعِ الذِّرَاعَيْنِ ج۱ ص۱۸۶، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، بَابُ الْاِشَارَةِ فِی التَّشَهُّدِ ص۶۶، مسند احمد ج۴ ص۳۱۸)

● حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ عِصَامِ بْنِ قُدَامَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ نُمَيْرِ الْخُزَاعِیِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَاضِعًا يَّدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى فِی الصَّلٰوةِ وَيُشِيْرُ بِاُصْبَعِهِ **ترجمه**:۔ حضرت مالک بن نمیر خزاعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز میں دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے دیکھا اور آپ اپنی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے۔ (ابن ماجہ بَابُ الْاِشَارَةِ فِی التَّشَهُّدِ ص۶۶، ابوداوٗد بَابُ الْاِشَارَةِ فِی التَّشَهُّدِ ج۱ ص۱۴۲، نسائی بَابُ الْاِشَارَةِ بِالْاُصْبَعِ فِی التَّشَهُّدِ ج۱ ص۱۸۷، موطا امام محمد بَابُ الْعَبْثِ بِالْحَصٰى فِی الصَّلٰوةِ ج۱ ص۱۵۶)

ان تمام روایات میں بار بار حرکت دینے کا ذکر ہی نہیں ہے اسلئے غیر مقلدین کی طرف سے بطورِ استدلال یہ تمام روایات نا قابلِ قبول ہیں۔

[مذکورہ تمام روایات تو سبابہ کو بار بار حرکت دینے کی دلیل میں قابلِ قبول نہیں ہیں لیکن ایک مرتبہ اشارہ کرنے

کے سلسلہ میں حجت بن سکتی ہیں۔]

صریح روایات :۔ بار بار حرکت دینے کے سلسلے میں غیر مقلدین جو روایات پیش کرتے ہیں ان کے زعم میں وہ صریح ہیں جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے خیال کے مطابق ایک روایت ہے جو زائدہ بن قدامہ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ کے طریق سے ہے وہ درج ذیل ہے۔

●عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ قُلْتُ لَانْظُرَنَّ اِلٰی صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ کَیْفَ یُصَلِّی فَنَظَرْتُ اِلَیْہِ فَوَصَفَ...... قَالَ ثُمَّ قَعَدَ وَافْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَضَعَ کَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِہٖ وَرُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَجَعَلَ حَدَّمِرْفَقِہِ الْاَیْمَنِ عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی ثُمَّ قَبَضَ اثْنَتَیْنِ مِنْ اَصَابِعِہٖ وَحَلَّقَ حَلْقَۃًثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَہٗ فَرَأَیْتُہٗ یُحَرِّ کُھَایَدْعُوْبِھَا. **ترجمہ**:۔ وائل بن حجرؓ سے روایت ہے میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا...... پھر قعدہ میں بیٹھے بایاں پاؤں بچھا کر اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اپنی ران پر اور گھٹنے پر رکھی اور داہنے ہاتھ کی کہنی داہنی ران پر جمائی پھر دو انگلیوں کو بند کر لیا اور ایک حلقہ باندھ لیا (بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے) اور کلمے کی انگلی کو اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا آپ کلمے کی انگلی کو ہلاتے تھے اور اس سے دعا کرتے تھے۔ (نسائی بَا بُ قَبْضِ الثِّنْتَیْنِ مِنْ اَصَا بِعِ ا لْیَدِ الْیُمْنٰی وَعَقْدِ الْوُسْطٰی وَ ا لْاِ بْھَا مِ مِنْھَاج اص ۱۸۷، دارمی وغیرہ)

استدلال پر اعتراضات :۔(۱) غیر مقلدین کے نزدیک دلیل صرف ''صحیح'' احادیث ہوتی ہیں اور یہ روایت ''صحیح'' درجہ تک نہیں پہنچی اسلئے یہ بطورِ استدلال نا قابلِ قبول ہے۔ (۲) عون المعبود میں عن المحلی ہے یہاں تحریک سبابہ سے مراد اٹھانا ہے، (ج اص ۳۷۵) (بحث ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول حاشیہ ص ۳۰۷، ۳۰۸) ایک مرتبہ انگلی سے اشارہ کرنے کو غیر مقلدین بار بار اشارہ کرنے پر محمول کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہے اس لئے بھی یہ روایت تحریکِ سبابہ کے سلسلہ میں نا قابلِ قبول ہے۔

انگلی کو بار بار حرکت دینے کے سلسلے میں جو روایات غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ نہ ''صحیح'' ہیں اور نہ صریح۔ بار بار انگلی ہلانے کی صراحت کسی روایت میں نہیں ہے بلکہ یہ صرف ان کا قیاس ہے۔ غیر مقلدین کا دعوٰی ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہوتی ہے (بار بار انگلی ہلانا غیر مقلدین کا قیاس ہے جو حجت نہیں ہے)۔ چونکہ ان کا بار بار حرکت دینے کا عمل بغیر دلیل ہے اسلئے رد ہے۔

سبابہ سے ایک مرتبہ اشارہ کرنے کی روایات:۔ مذکورہ تمام روایات (جو سبابہ کو بار بار حرکت دینے کی سلسلہ میں اوپر پیش کی گئی ہیں) مثلاً صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت اور ابوداؤد وغیرہ کی روایات، ایک مرتبہ اشارہ کرنے کے سلسلہ میں حجت بن سکتی ہیں۔

بار بار انگلی نہ ہلانے کی صریح حدیث :۔●اَخْبَرَنَااَیُّوْبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَزّانَ قَالَ حَدَّثَنَاحَجَّاجٌ

قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَیْجٍ اَخْبَرَنِی زِیَادٌعَنْ مُحَمَّدِبْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَامِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُشِیْرُ بِاِصْبَعِهٖ اَذَادَعَاوَلَایُحَرِّکُهَا ۔ **ترجمه**:۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب دعا پڑھتے تو انگلی سے اشارہ فرماتے اور اس کو ہلاتے نہیں رہتے تھے۔

(نسائی بَابُ بَسْطِ الْیُسْرَیٰ عَلَی الرُّکْبَةِ ج ا ص ۱۸۷، ابوداوٗد بَابُ الْاِشَارَةِ فِی التَّشَهُّدِ ج ا ص ۱۴۲)

ابوداوٗد میں یہ روایت ”اَلْاِ شَارَةُ فِی التَّشَهُّدِ“ کے باب میں ہے اور آگے الفاظ بھی ہیں کہ ”قَالَ ابْنُ جُرَیْجٍ وَزَادَ عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ...... عَلٰی فَخِذِهِ الْیُسْرَیٰ“ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ اشارہ تشہد کے وقت تھا۔ مزید یہ کہ مذکورہ روایت حسن ہے۔

انگلی سے اشارہ کرنے کی جتنی روایات ہیں چاہے وہ ایک مرتبہ اشارہ کرنے کی ہوں یا جن سے بار بار اشارہ کرنے پر قیاس کیا جاتا ہے وہ سب غیر صحیح ہیں۔ جب کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہوتی ہے اور بار بار انگلی ہلانے کی یا تحریک سبابہ کی دلیل میں کوئی روایت نہ صریح ہے اور نہ ہی صحیح کے درجہ تک پہنچتی ہے چونکہ ان کی تحریک سبابہ کا یہ عمل بغیر دلیل کے ہے اسلئے رد ہے۔

جبکہ ” اشهد ان لاالٰه الا الله“ پر ایک مرتبہ اشارہ کرنے کی صریح روایت ”حسن“ کے درجہ تک ہے جو کہ مستحب کیلئے قابل قبول ہے۔ (اگر ضعیف بھی ہوتی تو مستحب کیلئے قابلِ قبول ہوتی)۔ غیر مقلدین کے پاس تحریک سبابہ کے سلسلہ میں روایات بطورِ استدلال قیاس کی حد تک ہیں اور حدیث کو (اگر چہ ضعیف بھی ہو) قیاس پر ترجیح حاصل ہے۔ اس لئے سبابہ سے صرف ایک مرتبہ اشارہ ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائیگا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو قعدہ میں بار بار انگلی ہلانے کے سلسلہ میں آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

کوئی اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ سے انگلی ہلانا شروع کرتا ہے۔

کوئی شروع قعدہ ہی سے انگلی ہلانا شروع کرتا ہے۔

کوئی پہلے قعدہ میں انگلی بار بار نہیں ہلاتا صرف دوسرے قعدہ میں ہلاتا ہے۔

کوئی دونوں قعدوں میں بار بار انگلی ہلاتا ہے۔

اگر مزید توجہ سے جائزہ لیا جائے تو اور بھی مختلف مناظر نظر آئینگے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے اور تقلید میں نظم وضبطِ ملت ہے۔

سوالات

(۱) قعدہ میں بار بار انگلی ہلانے کی صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟

(۲) قعدہ میں انگلی کب سے ہلانا شروع کرنا چاہئے صحیح صریح حدیث سے ثابت کیجئے؟

(۳) قعدہ میں انگلی ہلانے کی کیفیت (دائیں بائیں یا اوپر نیچے وغیرہ وغیرہ) کیا ہونی چاہئے صحیح صریح حدیث سے بیان کیجئے؟

نماز وتر

نماز عشاء کے بعد سے صبح صادق سے پہلے تک جو طاق عدد میں نماز پڑھی جاتی ہے اسے وتر کہتے ہیں۔ روایات میں اس کی رکعات کی مختلف تعداد آئی ہیں، مشہور تعداد تین رکعات ہیں۔ بعض میں پانچ اور اس سے زائد بھی آئی ہیں اور کچھ روایات میں ایک رکعت بھی ہے۔ لیکن بعض روایات سے ایک رکعت کی کراہیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعدؓ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک رکعت کبھی کافی نہ ہوگی (طبرانی، موطا امام محمد ص ۱۴۶، طحاوی ج ۱ ص ۱۷۴) نیز حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بتیراء سے منع کیا (بتیراء یہ ہے کہ) کوئی شخص ایک رکعت وتر پڑھے (تمہید ابن عبدالبر)۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کا درجہ ایک ہے اور غیر مقلدین بھی واجب اور فرض میں تمیز نہیں کرتے۔ جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب اور فرض میں فرق ہے۔ واجب کا درجہ سنتِ مؤکدہ سے بڑھا ہوا اور فرض سے کم ہے اور واجب کا ثبوت سنت یعنی احادیث سے ہوتا ہے نص قرآنی سے نہیں (حوالہ شامی باب الوتر والنوافل ج ۲ ص ۴۳۸، ۴۳۹ حاشیہ "مَطْلَبٌ فِي الْفَرْضِ الْعِلْمِيِّ وَالْعَمَلِيِّ وَالْوَاجِبِ")۔ غیر مقلدین "واجب اور فرض" میں تمیز نہیں کرتے اس لئے ان کے گمان میں واجب فرض معلوم ہوتا ہے۔

کچھ علماء نے یہ کہا کہ حضرتِ امام ابوحنیفہؒ وتر کے واجب ماننے میں منفرد ہیں انکے اس موقف کا اور کوئی حامل نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ نے اس بات کا سخت جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ انکی یہ بات صحیح نہیں ہے وہ کہتے ہیں "اس میں ابوحنیفہؒ منفرد نہیں ہیں۔ سحنون اور اصبغ بن الفرج سے مروی ہے کہ یہ قاضی ابوبکر بن العربی ہیں جو وجوب کے قائل ہیں اور ابن حزمؒ نے

بیان کیا ہے کہ امام مالکؒ نے کہا کہ جس نے ادب کو ترک کیا اور اسکی شہادت مجروح ہوگئی (جس نے ایسا کہا) اور ابن قدامہ نے مغنی میں امام احمد کا وجوب کا موقف بیان کیا اور مصنف میں حضرت مجاہدؒ سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ وہ واجب ہے اور فرض نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ اگر میرے لئے سرخ اونٹ بھی ہوں تو میں پسند نہیں کرتا کہ وتر ترک کروں اور ابن بطال نے اسکا وجوب بیان کیا ہے اہل القرآن (حفاظ) سے ابن مسعودؓ سے اور حذیفہؓ سے اور ابراہیم نخعیؒ سے اور یوسف بن خالد السمتی سے شیخ الشافعی کا وجوب کا موقف مروی ہے، اور ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے سعید بن میبّبؒ سے اور ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؒ اور ضحاکؒ سے وجوب کا موقف۔ (بحوالہ آثار السنن مع التعلیق الحسن ص ۳۰۰ حاشیہ)

غیر مقلدین اور احناف کے درمیان نمازِ وتر میں فرق تین امور میں ہے (۱) حکم (۲) طریقۂ ادائیگی (۳) دعاء۔

حکم

غیر مقلدین :۔ غیر مقلدین کے نزدیک نمازِ وتر سنت ہے۔

احناف :۔ احناف کے نزدیک نمازِ وتر واجب ہے۔

احناف کے دلائل

● عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْعَلُوْا آخِرَ صَلَا تِكُمْ بِا للَّيْلِ وِتْرًا رواہ الشیخان .

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔

(بخاری اَبْوَا بُ الْوِتْرِ ،بَابٌ لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلوٰتِهٖ وِتْرًا ج ۱ ص ۱۳۶، مسلم کتا ب صلوٰۃ المسا فرین، بَا بُ صَلوٰةِ ا للَّيْلِ وَعَدَدِ رَكْعَاتِ ا لنَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۷)

● وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَا دِرُوْا الصُّبْحَ بِا لْوِتْرِ .رواہ مسلم ۔ **ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھنے میں جلدی کرو۔

(مسلم کتا ب صلوٰۃ المسا فرین، بَا بُ صَلوٰةِ ا للَّيْلِ وَعَدَدِ رَكْعَاتِ ا لنَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۷)

● وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَوْتِرُوْا قَبْلَ اَنْ تُصْبِحُوْا .رواہ الجماعۃ الا البخا ری۔

ترجمہ:۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صبح سے پہلے وتر پڑھو۔

(مسلم کتا ب صلوٰۃ المسا فرین، بَا بُ صَلوٰةِ ا للَّيْلِ وَعَدَدِ رَكْعَاتِ ا لنَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۷)

● وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمَعَ اَنْ يَّقُوْمَ آخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلوٰةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذَالِكَ اَفْضَلُ .رواہ مسلم. **ترجمہ:۔** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو آخرِ رات میں نہ اٹھنے کا خوف ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہی وتر پڑھ لے اور

جوشخص آخرِ رات میں اٹھنے کا عادی ہو تو آخرِ رات کی نماز فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے اور یہ افضل ہے۔
(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، بَابُ صَلوٰۃِ اللَّیْلِ وَعَدَدِ رَکْعَاتِ النَّبِیِّ ﷺ ج۱ ص۲۵۷)

● حَدَّثَنَا ابْنُ الْمَثَنّٰی نَا اَبُوْاِسْحَاقَ الطَّالِقَانِیُّ نَاالْفَضْلُ بْنُ مُوْسیٰ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْعَتَکِیِّ عَنْ بُرَیْدَۃَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ الْوِتْرُحَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّاالْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا الْوِتْرُحَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا. رواہ ابو داؤد واسنادہ حسن. **ترجمہ**:۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا وتر کی نماز حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر کی نماز حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر کی نماز حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔
(ابوداؤد بَابٌ فِیْ مَنْ لَّمْ یُوْتِرْ ج۱ ص۲۰۱)

● وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی زَادَکُمْ صَلوٰۃً وَّھِیَ الْوِتْرُ. رواہ الطبرانی فی مسند الشامیین وقال الحافظ فی الدرایہ باسناد حسن. **ترجمہ**:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کی زیادتی فرمائی ہے اور وہی وتر ہے۔
(الدرایۃ کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ صَلوٰۃُ الْوِتْرِ نَقْلاً عَنِ الْمُسْنَدِ الشَّامِیِّیْنَ لِلطَّبْرَانِیِّ ج۱ ص۱۸۹)

● وَعَنْ اَبِیْ تَمِیْمِ الْجَیْشَانِیِّ اَنَّ عَمْرَوبْنَ الْعَاصِ خَطَبَ النَّاسَ یَوْمَ جُمُعَۃٍ فَقَالَ اِنَّ اَبَابَصْرَۃَ حَدَّثَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ زَادَکُمْ صَلوٰۃً وَّھِیَ الْوِتْرُ فَصَلُّوْھَا فِیْمَابَیْنَ صَلوٰۃِ الْعِشَآءِ اِلیٰ صَلوٰۃِ الْفَجْرِ قَالَ اَبُوْتَمِیْمٍ فَاَخَذَ بِیَدِیْ اَبُوْذَرٍّ فَسَارَ فِی الْمَسْجِدِ اِلیٰ اَبِیْ بَصْرَۃَ فَقَالَ لَہٗ اَنْتَ سَمِعْتَہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَاقَالَ عَمْرٌو قَالَ اَبُوْ بَصْرَۃَ اَنَا سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ رواہ احمد والحاکم والطبرانی واسنادہ صحیح ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابوتمیم جیشانیؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ ابوبصرہ نے مجھ سے بیان کیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز کی زیادتی فرمائی ہے اور وہی وتر ہے، اس کو فجر اور عشاء کے درمیان پڑھو ابوتمیم کہتے ہیں کہ ابوذرؓ میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں ابوبصرہؓ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ کیا عمرو بن عاصؓ نے جو بات کہی ہے آپ نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، ابوبصرہؓ نے کہا کہ (ہاں) میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کو سنا ہے۔ (مسند احمد ج۶ ص۷، مستدرک حاکم ج۳ ص۵۹۳، مجمع الزوائد بَابُ مَا جَاءَ فِی الْوِتْرِ نَقْلاً عَنِ الطَّبْرَانِیِّ فِی الْکَبِیْرِ ج۱ ص۲۳۵)

● وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ اَوْنَسِیَہٗ فَلْیُصَلِّہٖ اِذَآاَصْبَحَ اَوْذَکَرَہٗ رواہ الدارقطنی وآخرون واسنادہ صحیح. **ترجمہ**:۔ حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی وتر سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو اس کو چاہئے کہ جب صبح کرے یا جب اس کو یاد آئے پڑھ لے۔

(دار قطنی بَابٌ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ اَوْ نَسِیَهٗ ج۲ ص۲۲)

دلائل وجوب :۔ (۱) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، کیونکہ حضور ﷺ خود فرما رہے ہیں کہ وتر واجب ہے، جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث سے واضح ہے۔

(۲) درج بالا احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کیلئے آتا ہے جب تک کہ دوسرے معنیٰ مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو۔

(۳) آپ ﷺ نے وتر نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ بھی وجوب کی علامت ہے۔

(۴) آپ ﷺ نے وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کرنیکا حکم دیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے، کیونکہ قضاء فرض اور واجب ہی کی کی جاتی ہے۔

علامہ عینیؒ نے البنایہ میں کہا ہے کہ حافظ ابوجعفر طحاوی نے ذکر کیا کہ قضاءِ وتر کا وجوب اجماع صحابہ سے ہے .... جیسا کہ حاشیہ مسند الامام ص۹۰ پر ہے (بحوالہ اعلاء السنن ج۶ ص۱۸ حاشیہ)

(۵) آپ ﷺ نے وتر کی نماز مواظبت و مداومت سے بلا ترک ادا فرمائی ہے، اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے فرمان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے۔

طریقۂ ادائیگی

تعداد رکعات :۔ اگرچہ رکعات کی تعداد روایات میں مختلف آئی ہیں لیکن ان میں مشہور تین ہی ہیں۔

● عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَؓ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَافِیْ غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّیْ اَرْبَعًافَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ اَرْبَعًافَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ ثَلَاثًاقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیْ.

ترجمہ :۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی (رات کی) نماز رمضان میں کیسی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں کرتے تھے چار رکعت پڑھتے تھے پس اس کی طول اور حسن کو مت پوچھ اور پھر چار رکعت پڑھتے تھے پس نہ پوچھ اس کے طول اور حسن کو پھر وہ تین رکعت پڑھتے عائشہؓ نے کہا پس میں نے فرمایا کہ اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہے لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری بَابُ قِيَامِ النَّبِیِّ ﷺ بِاللَّيْلِ فِیْ رَمَضَانَ وَ غَيْرِهٖ ج۱ ص۱۵۴، صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكْعَاتِ النَّبِیِّ ﷺ ج۱ ص۲۵۴)

حدثنا شبابة قال: حدثنا یونس، عن ابی اسحاق، عن سعید ابن جبیر، عن ابن عباس: ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث، یقرأ فیهن بسبح اسم ربک الاعلیٰ و قل یا یها الکافرون و قل هو اللہ احد.

ترجمه: ۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اس میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، قل یا ایها الکافرون، قل هو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الوتر: مایقرأ ج۴ ص۵۱۲ حدیث نمبر۶۹۵۱)

نماز وتر تین رکعات هیں ایک سلام کے ساتھ :۔ ● حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور نہیں سلام پھیرتے مگر انکے آخر میں۔ (حاکم ج۱ ص۲۵۴)

مزید حوالے (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، بَابُ صَلوٰةِ اللَّیْلِ وَعَدَدِ رَکُعَاتِ النَّبِیِّ ﷺ ج۱ ص۲۵۴، ۲۶۱، ترمذی کتاب صلوٰۃ المسافرین، بَابُ ما جاء ما یقرأ فی الوتر ج۱ ص۱۰۶، نسائی بَابُ کَیْفَ الْوِتْرُ ج۱ ص۲۴۸، دارقطنی ج۲ ص۲۴، طحاوی بَابُ الْوِتْرِ ج۱ ص۱۶۸، کنز العمال ج۱ ص۱۹۴)

وتر دو قعدے اور ایک سلام کے ساتھ تین رکعات هیں :۔ ● حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وتر تین ہے دن کی وتر نماز مغرب کیطرح۔ وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھے پھر تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین کرے۔ (طحاوی بَابُ الْوِتْرِ ج۱ ص۱۷۳، موطا امام محمد ص۱۴۶، دارقطنی ج۱ ص۱۷۳)

قنوت وتر رکوع سے پہلے هے : ●عَنْ عَاصِمٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍؓ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَدْ کَانَ الْقُنُوْتُ قُلْتُ قَبْلَ الرُّکُوْعِ اَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ قَالَ فَاِنَّ فُلَانًا اَخْبَرَنِیْ عَنْکَ اَنَّکَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ کَذَبَ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الرُّکُوْعِ شَهْرًا اُرَاهُ کَانَ بَعَثَ قَوْمًا یُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ زُهَآءَ سَبْعِیْنَ رَجُلًا اِلٰی قَوْمٍ مُّشْرِکِیْنَ دُوْنَ اُولٰئِکَ اَوْ کَانَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهْرًا یَدْعُوْا عَلَیْهِمْ. رَوَاهُ الشَّیْخَانِ. **ترجمه:** حضرت عاصمؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ قنوت تھی میں نے کہا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد فرمایا رکوع سے پہلے۔ حضرت عاصمؒ کہتے ہیں کہ فلاں نے مجھے آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ خبر دی ہے کہ آپ رکوع کے بعد کہتے ہیں۔ انس بن مالکؓ نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھا میرا خیال ہے (یہ اس واقعہ سے متعلق ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو جنہیں قرأ کہا جاتا تھا جو تقریباً ستر افراد پر مشتمل تھا مشرک قوم کی طرف بھیجا تھا نہ کہ انکے علاوہ دوسرے لوگوں کا (واقعہ)۔ انکے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک عہد تھا (اس عہد کے خلاف ہونے پر) رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے ایک مہینے تک بددعا فرمائی۔ (بخاری ج۱ ص۱۳۶، مسلم ج۱ ص۲۳۷)

●وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِؒ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ اَنَسًاؓ عَنِ الْقُنُوْتِ بَعْدَ الرُّکُوْعِ اَوْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِّنَ الْقِرَاۃِ قَالَ بَلْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِّنَ الْقِرَآءَۃِ. رواه البخاری فی المغازی. **ترجمه:** ۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت

انسؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فراغت کے بعد۔ تو فرمایا کہ قرأت سے فراغت کے بعد۔ (بخاری بَابُ غَزْوَةِ الرَّجِيْعِ وَ رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ وَ بِئْرِمَعُوْنَةَ ج٢ص٥٨٦)

● حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُوْنِ الرَّقِيُّ ثَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زُبَيْدِ الْيَامِيْ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوْتِرُفَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ. رواه ابن ماجه و النسائی و اسناده صحيح . **ترجمه**:۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ ص٨٤، نسائی بَابٌ كَيْفَ الْوِتْرُ بِثَلَاثٍ ج١ص٢٤٨)

● وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اِلَّا الْوِتْرَفَاِنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ. رواه الطحاوی والطبرانی و اسناده صحيح **ترجمه**:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن اسودؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے سوائے وتر کے۔ اسلئے کہ وہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (طحاوی بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الْفَجْرِ وَغَيْرِهٖ ج١ص١٧٣، معجم کبیر ج٩ص٣٢٧ حدیث نمبر٩٤٢٥)

● وَعَنْ عَلْقَمَةَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍؓ وَاَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ كَانُوْا يَقْنُتُوْنَ فِي الْوِتْرِقَبْلَ الرُّكُوْعِ. رواه ابن ابی شيبة واسناده صحيح **ترجمه**:۔ حضرت علقمہؓ سے مروی ہے کہ ابن مسعود اور نبی ﷺ کے اصحاب وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ بَابٌ فِي الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهٗ ج٢ص٥٢١)

● وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍؓ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَافِي الْوِتْرِقَبْلَ الرُّكُوْعِ. رواه محمد بن الحسن فی كتاب الآثار واسناده مرسل جيد . **ترجمه**:۔ حضرت ابراہیمؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ پورے سال وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (کتاب الاثار بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلٰوةِ ص٤٣ حدیث نمبر٢١١)

● وَعَنْ حَمَّادٍؓ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ اَنَّ الْقُنُوْتَ وَاجِبٌ فِي الْوِتْرِفِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَاِذَااَرَدْتَّ اَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ وَاِذَااَرَدْتَّ اَنْ تَرْكَعَ فَكَبِّرْ اَيْضاً. رواه محمد بن الحسن فی كتاب الحج و الآثار واسناده صحيح . **ترجمه**:۔ حضرت حماد ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ رمضان اور اسکے علاوہ وتر میں قنوت رکوع سے پہلے واجب ہے اور جب آپ قنوت پڑھنے کا ارادہ کریں تو تکبیر کہیں اور جب رکوع کا ارادہ کریں تب بھی تکبیر کہیں۔ (کتاب الحجۃ بَابُ عَدَدِ الْوِتْرِ ج١ص٢٠٠، کتاب الاثار بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلٰوةِ ص٤٣ حدیث نمبر٢١٢)

دعا

قنوتِ نازله :۔ غیر مقلدین وتر میں جو دعا پڑھتے ہیں اسے عرفِ عام میں قنوت نازلہ کہتے ہیں جو مخصوص مواقع پر پڑھی

جاتی ہے وہ ہے اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ ....

قنوتِ وتر :۔ ● حضرت اسودؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ وتر کی آخری رکعت میں قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ پڑھتے تھے پھر رفع یدین کرتے تھے (ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے) پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (جزء رفع یدین بخاری ص ۲۰، طحاوی ج ۱ ص ۳۹۱)

دعائے قنوت:۔ حضرت خالد بن ابی عمرانؒ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں جب کہ رسول اللہ ﷺ قبیلۂ مضر کے خلاف دعا کرتے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے پس اشارہ کیا آپ ﷺ کی طرف کہ آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔ پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے پھر (جبرئیل نے) فرمایا اے محمد ﷺ بے شک اللہ نے نہیں بھیجا آپ کو سب (وشتم) کیلئے اور نہ لعنت کیلئے اور بے شک آپ کو بھیجا رحمت بنا کر اور نہیں بھیجا عذاب بنا کر۔ نہیں ہے آپ ﷺ پر کوئی چیز کہ آپ ﷺ ان کیلئے توبہ کریں یا عذاب دیں۔ اسلئے کہ وہ ظالم ہیں۔ کہا پھر سکھایا آپ ﷺ کو یہ قنوت: "اَللّٰھُمَّ اِنَّانَسْتَعِیْنُکَ و نستغفرک و نؤمن بک و نتوکل علیک ونثنی علیک الخیر ونشکرک ولا نکفرک ونخلع و نترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد و الیک نسعیٰ ونحفد ونرجوا رحمتک ونخشیٰ عذابک ان عذابک بالکفار ملحق"۔ (مدون کبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰، ابوداوٗد فی مراسیل باب ماجاء فی من نام عن الصلوٰۃ ص ۸، سنن بیہقی بَابُ دُعَاءِ الْقُنُوْتِ، الفاظ کے فرق کیساتھ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۸)

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۹۹...۳۳۸، اعلاء السنن ج ۶ مکمل)

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کیمطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانیوالے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

غیر مقلدین کا وتر پڑھنے کے سلسلے میں مختلف مقامات میں اختلاف ہے مثلاً

بعض غیر مقلدین تین رکعات وتر پڑھتے ہیں اور بعض تین رکعات کو مشروع نہیں مانتے۔

بعض تیسری رکعت میں تکبیر کہہ کے رفع یدین کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔

بعض رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے ہیں اور بعض رکوع کے بعد۔

بعض ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور بعض ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

اس سے ثابت ہے ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے اور تقلید میں نظم وضبط ملت ہے۔

سوالات

(۱) صحیح حدیث پیش کیجئے کہ وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد ہے؟

(۲) نماز وتر میں دونوں ہاتھ اٹھا کر (جیسے دعا میں کرتے ہیں) دعائے قنوت پڑھنا چاہیے صریح حدیث پیش کیجئے؟

نمازِ تراویح

تراویح کی تعریف :۔ ''سُمِّيَتِ الصَّلٰوةُ فِي الْجَمَاعَةِ فِيْ لَيَالِيْ رَمَضَانَ اَلتَّرَاوِيْحُ'' جو نماز جماعت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کا نام تراویح ہے (فتح الباری ج ۴ ص ۱۷۸)۔ اور حافظ عبداللہ صاحب ضمیمہ رکعات التراویح میں لکھتے ہیں نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی مبارک راتوں میں عشاء کے بعد پڑھی جائے اور یہی قسطلانی ج ۳ ص ۴۸۳ میں بھی مذکور ہے۔

احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض پوری امت محمدیہ تراویح کی نماز کے مسنون ہونیکی قائل ہے سوائے روافض کے۔ گویا فی زمانہ تراویح کی نماز کے سلسلہ میں تین مواقف ہیں (۱) روافض سرے سے نمازِ تراویح ہی کا انکار کرتے ہیں (۲) غیر مقلدین بھی نمازِ تراویح کا انکار کرتے ہیں سوائے انکے ایک فرقہ اہلحدیث کے۔ اور فرقۂ اہلحدیث میں بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ روزانہ آٹھ رکعات نمازِ تراویح کو مسنون مانتا ہے اور دوسرا روزانہ نماز تراویح کا منکر ہے (۳) احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ جمیع اہلسنت والجماعت روزانہ بیس رکعات نمازِ تراویح کو سنت مانتے ہیں۔

غیر مقلدین کا موقف :۔ جمہور کے مسالک کے خلاف تقریباً سو سال سے انکے نزدیک صرف آٹھ رکعات تراویح کی نماز سنت ہے اور آٹھ سے زیادہ بدعت ہے۔ اس فرقہ کے معرض وجود میں آنے کے بعد کچھ عرصہ تک انکے نزدیک بھی بیس رکعات ہی سنت تھی (ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ)۔ لیکن بعد میں انہیں جدید انکشاف ہوا کہ'' آج تک جو امت کرتی آئی ہے اور خود ان کا بھی جو عمل تھا وہ غلط تھا، صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے آٹھ رکعات نماز کی روایت پیش کی ہے (جو تہجد کے لئے ہے) دراصل وہی آٹھ رکعات تراویح سنت ہے۔

جو حضرات ''آٹھ رکعات'' کو تراویح کا نام دیتے ہیں دراصل یہ انکی کم علمی ہے کیونکہ ''ترویحہ'' کہتے ہیں چار رکعات کے بعد آرام کرنے کو۔ اسلئے اصطلاحاً ''چار رکعات'' کو ترویحہ کہتے ہیں اور آٹھ رکعات کیلئے تثنیہ کا صیغہ آتا ہے یعنی ترویحتان یا ترویحتین۔ اور بارہ رکعات یا اس سے زائد کیلئے لفظ ''تراویح'' کا انطباق ہوتا ہے اس لئے قاعدے کے مطابق تراویح تو آٹھ رکعات ہوسکتی ہی نہیں۔

جمہور امت تراویح کی نماز کے مسنون ہونیکی قائل ہے سوائے روافض کے۔ گویا غیر مقلدین بھی روافض کی طرح

نمازِ تراویح کے منکر ہیں کیونکہ وہ نمازِ تراویح کو الگ کوئی نماز نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ رمضان میں تہجد ہی تراویح ہو جاتی ہے۔ یہ انکا ”قیاس غلط“ ہے۔ اسکی دلیل میں انکے پاس قرآن کریم کی کوئی آیت یا حدیثِ صحیح صریح نہیں ہے۔ جب کہ جمیع اہلسنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ ”تراویح“ ایک الگ نماز ہے اور اسلاف کا متوارث عمل چلا آرہا ہے کہ وہ تراویح اور تہجد دونوں کو علاحدہ علاحدہ سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت فاروق اعظمؓ تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نماز جس سے تم سوجاتے ہو (نماز تہجد) وہ افضل ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو۔
(صحیح بخاری بَابٌ فَضْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ ج۱ ص۲۶۹)

(۲) اسی طرح طلق بن علیؓ نے ایک مسجد میں نماز (تراویح) باجماعت پڑھائی پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز (تہجد) باجماعت پڑھائی۔ (ابوداؤد بَابٌ فِیْ وَقْتِ الْوِتْرِ ج۱ ص۲۰۳)

(۳) خود امام بخاریؒ (جن کی روایت کا حوالہ دیکر غیر مقلدین آٹھ رکعات پڑھتے ہیں) کا عمل یہ تھا کہ رمضان کی رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں کو لیکر باجماعت نماز پڑھتے اور ایک قرآن ختم کرتے تھے اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے۔ (مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱)

”اس طرح امت میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا متوارث عمل چلا آرہا ہے یہاں تک کہ فرقہ غیر مقلدین کے بانی میاں نذیر الحسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۸)۔ سب سے پہلے چنیانوالی مسجد لاہور کے غیر مقلد امام عبداللہ چکڑالوی جو بعد میں منکرین حدیث کے بانی بنے انہوں نے ایک رسالہ ”القول الفصیح“ نامی لکھا جسمیں تہجد اور تراویح کو ایک نماز قرار دیا۔ بعد میں غیر مقلدین نے اس اختلاف کو اپنا مسلک بنالیا اب وہ تہجد کی آٹھ رکعات پڑھ کر اسی کو تراویح اور اسی کو تہجد کہہ لیتے ہیں“ (تجلیات صفدر ج۱ ص۲۱۲، ۲۱۳)

تہجد اور تراویح علا حدہ علا حدہ نمازیں ہیں ان دونوں میں فرق کیلئے چندمزید نکات وتفصیلات :۔ (۱) نماز تہجد کی مشروعیت بنص قرآنی ہوئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے ”وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے آپ کیلئے“ (ترجمہ شیخ الہند ص: ۳۸۵، سورہ بنی اسرائیل پ:۱۵) (یَااَیُّھَاالْمُزَّمِّلُ ،قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا) اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات کو۔ (ترجمہ شیخ الہند ص: ۷۱۶، سورہ مزمل پ۲۹) جب کہ تراویح کی مشروعیت حدیث شریف سے ہے:

”عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فَرَضَ صِیَامَ رَمَضَانَ عَلَیْکُمْ وَسَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَهٗ. **ترجمہ**:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر رمضان کے روزے فرض فرمایا ہے اور میں نے تمہارے لئے اسکے قیام (تراویح) کو مسنون قرار دیا

ہے۔'' (نسائی ج ا ص ۲۳۹ بَابٌ ثَوَابُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَّاِحْتِسَاباً، ابن ماجه ص: ۹۴، بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَانَ، مسند احمد ج ا ص ۱۹۶، نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۷، بَابُ صَلوٰۃِ التَّرَاوِیْحِ)

(۲) تہجد کی مشروعیت مکہ میں ہوئی ہے جیسا کہ واضح ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل مکی سورت ہے۔ اور تراویح کی مشروعیت مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے جیسا کہ روایات کے سیاق وسباق سے ثابت ہے۔

(۳) حضرت امام بخاریؒ کا عمل بتاتا ہے کہ وہ دونوں کو علاحدہ علاحدہ سمجھتے تھے، انکا معمول تھا کہ رمضان کی رات کے ابتدائی حصے میں اپنے شاگردان رشید کو لے کر باجماعت نماز پڑھتے اور ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں ''کَانَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیُّ اِذَا کَانَ اَوَّلَ لَیْلَةٍ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ یَجْتَمِعُ اِلَیْهِ اَصْحَابُهُ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ وَیَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ عِشْرِیْنَ آیَةً وَکَذَالِکَ اِلٰی اَنْ یَّخْتِمَ الْقُرْآنَ. وَکَانَ یَقْرَأُ فِی السَّحْرِ مَابَیْنَ النِّصْفِ اِلَی الثُّلُثِ مِنَ الْقُرْآنِ یَخْتِمُ عِنْدَ السَّحْرِ فِیْ کُلِّ ثَلَاثِ لَیَالٍ. **ترجمه**:۔ رمضان المبارک کی رات کے ابتدائی حصہ میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے یہاں ان کے شاگرد جمع ہو جاتے پھر وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے تھے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے''۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص: ۴۸۱)

(۴) تراویح کی نماز آپ ﷺ کے عہد مبارک میں اور حضرت عمرؓ کے بابرکت عہد میں ہمیشہ اول شب میں پڑھی گئی جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب پہلے دن تراویح سے فراغت ہوئی تو تہائی رات گذر چکی تھی. حَتّٰی ذَھَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ (ابوداؤد ج ا ص ۱۹۵، ترمذی ج ا ص ۱۶۶) دوسرے دن جب فراغت ہوئی تو آدھی رات گذر چکی تھی. حَتّٰی ذَھَبَ شَطْرُ اللَّیْلِ۔ اور تیسرے دن اول شب سے رات کے اخیر حصہ تک ادا کرتے رہے یعنی تیسرے دن آپ ﷺ نے اس قدر لمبی نماز پڑھائی کہ رات کے شروع سے سحری تک پڑھائی۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو سحری کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوگیا. حَتّٰی خَشِیْنَا اَنْ یَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَاالْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ (ابوداؤد ج ا ص ۱۹۵، بَابٌ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَان، ترمذی ج ا ص ۱۶۶، تحفۃ الاحوذی میں ہے وَفِیْهِ ثُبُوْتُ صَلوٰۃِ التَّرَاوِیْحِ بِالْجَمَاعَةِ فِی الْمَسْجِدِ اَوَّلَ اللَّیْلِ یعنی اس حدیث میں شروع رات میں مسجد میں باجماعت نماز تراویح کے شروع ہونیکا ثبوت ملتا ہے (تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی ج ۳ ص ۶۰۵ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَان) حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں تراویح کے اول شب میں پڑھے جانیکا ثبوت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی روایت سے ہوتا ہے۔

جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب جماعت تراویح کو دیکھا جس کی امامت حضرت ابی بن کعبؓ کر رہے تھے (اور یہ جماعت حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ تھی) تو فرمایا: ''قَالَ عُمَرُؓ نِعْمَةِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ اور فرمایا: وَالَّتِیْ

تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ اللَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ یُ رِیْدُ آخِرَ اللَّیْلِ کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ یعنی یہ کیا ہی اچھی نو پید چیز ہے اور وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (تہجد) اس نماز (تراویح) سے افضل ہے" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ **بَابُ فَضْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ**، شرح السنہ ج ۳ ص ۱۷، حدیث نمبر ۹۹۰، موطا امام مالک ص: ۴۰، جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۱۷)

فائدہ:۔ نماز تہجد جو آخر شب میں پڑھی جاتی ہے اس نماز سے افضل ہے جو تم اس وقت (اول شب میں) پڑھ رہے ہو۔ یعنی تراویح سے چونکہ اکثر لوگ تراویح پڑھ کر تہجد کو نہیں اٹھ پاتے تھے اسلئے حضرت عمرؓ کا مقصود ان کو تہجد کی رغبت دلانا تھا کہ افضل کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ بخاری کی اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ تراویح الگ نماز ہے اور تہجد الگ نماز ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نماز تہجد رات کے اخیر حصہ میں پڑھتے تھے۔ حضرت اسودؒ فرماتے ہیں: **سَاَلْتُ عَائِشَةَؓ کَیْفَ کَانَ صَلَاةُ النَّبِیِّ ﷺ بِاللَّیْلِ؟ قَالَتْ کَانَ یَنَامُ اَوَّلَهٗ وَیَقُوْمُ آخِرَهٗ فَیُصَلِّیْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی فِرَاشِهٖ** ۔ یعنی حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی رات کی نماز (نماز) کی کیفیت کیا ہوتی تھی۔ فرمایا: آپ ﷺ رات کے شروع حصہ میں آرام فرماتے تھے اور رات کے اخیر حصہ میں بیدار ہوتے، نماز پڑھتے پھر واپس بستر پر تشریف لاتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، **بَابُ مَنْ نَامَ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَاَحْیٰی آخِرَهٗ**)

نیز صحیحین کی دوسری روایات میں ہے کہ آپ ﷺ تہجد اخیر شب میں پڑھتے، تہجد سے فراغت کے بعد وتر ادا فرماتے اسکے بعد کبھی دو رکعت نفل ادا فرماتے اور کبھی نہ پڑھتے پھر کبھی آرام کیلئے لیٹتے اور کبھی نہ لیٹتے کہ فجر کی اذان ہو جاتی ہے (صحیح بخاری **بَابٌ کَیْفَ صَلوٰةُ اللَّیْلِ وَ کَیْفَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ بِاللَّیْل** ج ۱ ص ۱۵۳، صحیح مسلم **بَابُ صَلوٰةِ اللَّیْلِ وَ عَدَدِ رَکْعَاتِ النَّبِیِّ ﷺ**..... الخ ج ۱ ص ۲۵۳)

فائدہ:۔ مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ نماز تہجد رات کے اخیر حصہ میں پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ تراویح رات کے شروع حصہ میں پڑھی جاتی تھی، اس تفصیل سے دونوں کے درمیان واضح طور پر مغایرت ثابت ہوتی ہے۔

(۵) آپ ﷺ نے نماز تہجد با قاعدہ جماعت سے کبھی نہیں ادا فرمائی ہمیشہ تنہا ادا فرماتے تھے، بغیر دوسروں کو بلائے ہوئے خود کوئی آکر شامل ہو گیا ہو تو ہو گیا ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نبی کریم ﷺ کیساتھ ایک مرتبہ نماز تہجد ادا کی یعنی وہ آکر خود شامل ہو گئے تھے۔ "**عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَؓ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ فَقُمْتُ اُصَلِّیْ مَعَهٗ عَنْ یَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِرَاْسِیْ وَاَقَامَ عَنْ یَّمِیْنِهٖ**. **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس رات گذاری آپ ﷺ بیدار ہوئے اور (وضو کے بعد) رات کی نماز (تہجد) پڑھنے لگے تو میں بھی کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے لگا (مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ) میں بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے میرا سر (کان) پکڑ کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔" (بخاری **بَابٌ اِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ یَّسَارِهٖ** ۱: ۹۷، یہ روایت تفصیل کیساتھ مؤطا امام مالک ص ۴۲ میں موجود ہے، باب صلاۃ النبی ﷺ فی الوتر، ابوداؤد: ۱۹۳،

بَابٌ فِیْ صَلاۃِ اللَّیْلِ) لیکن آپ ﷺ نے تینوں دن نماز تراویح باجماعت پڑھائی جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں تراویح کیلئے باقاعدہ جماعت ثابت ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں اور عورتوں کو بلا کر شامل کیا تھا (ترمذی ج ا ص ۱۶۶، بَابٌ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَانَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ، ابوداوٗد ج ا ص ۱۹۵، بَابٌ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَان)

عَنْ ثَعْلَبَۃَ بْنِ مَالِکِ الْقُرَظِیِّؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ فَرَأَی نَاسًا فِیْ نَاحِیَۃِ الْمَسْجِدِ یُصَلُّوْنَ فَقَالَ مَایَصْنَعُ ھٰؤُلَآءِ قَالَ قَائِلٌ۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَّیْسَ مَعَھُمُ الْقُرْآنُ وَاُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یَقْرَأُھُمْ مَعَہٗ یُصَلُّوْنَ بِصَلاَتِہٖ فَقَالَ قَدْ اَحْسَنُوْا، وَقَدْ اَصَابُوْا وَلَمْ یَکْرَہْ ذَالِکَ لَھُمْ (رواہ البیھقی فی المعرفه واسنا د ہ جیدوله شا هد دون حسن عند أ بی داؤد من حدیث أبی هریرة) **ترجمہ**:۔ حضرت ثعلبہ بن مالک قرظیؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک رات رمضان میں نکلے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، ارشاد فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں ایک بتلانے والے نے بتلایا کہ یارسول اللہ! یہ لوگ حافظ نہیں ہیں۔ حضرت ابی ابن کعبؓ پڑھ رہے ہے اور یہ لوگ انکے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا بہت اچھا کیا اور درست کیا۔ آپ نے اس کو ناپسند نہیں قرار دیا (بیہقی، فی المعرفۃ السنن والآثار ج ۴ ص ۳۹، حدیث نمبر ۵۴۰۰، آثار السنن ج ۲ ص ۴۹ بَابٌ فِیْ جَمَاعَۃِ التَّرَاوِیْحِ، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۵، کذافی ابوداوٗد بَابٌ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَانَ ج ا ص ۱۹۵)

فائدہ: اس روایت سے صاف ثابت ہے کہ نماز تراویح باجماعت ہو رہی تھی آپ ﷺ نے اسکی تائید و توثیق فرمائی اور پسند فرمایا۔ اور متعدد روایات سے تراویح باجماعت ثابت ہو رہی ہے۔ مذکورہ تفصیلات سے ثابت ہوا کہ تہجد اور تراویح الگ الگ دو نمازیں ہیں ایک نہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے

(۶) شروع زمانۂ اسلام میں نماز تہجد آپ ﷺ اور تمام امت پر فرض تھی جب نماز پنجگانہ فرض ہوگئی تو ایک سال بعد نماز تہجد کی فرضیت امت سے منسوخ ہوگئی، البتہ نبی کریم ﷺ کے حق میں اس کی فرضیت برابر رہی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: (وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ) ٥ اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے یہ خاص آپ کیلئے ایک زائد چیز ہے (سورۂ بنی اسرائیل پ ۱۵)

نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اس وقت جب کہ حضرات صحابہ کرام کے قدم ورم کر جاتے، جیسا کہ ابوداوٗد میں ہے: ثُمَّ نَزَلَ آخِرُ ھَا فَصَارَ قِیَامُ اللَّیْلِ تَطَوُّعاً بَعْدَ فَرِیْضَۃٍ یعنی جب سورۂ مزمل کا آخری حصہ نازل ہوا تو قیام اللیل (تہجد) فرضیت کے بعد نفل بن گیا۔ (ابوداوٗد ج ا ص ۱۹۰، بَابٌ فِیْ صَلاۃِ اللَّیْلِ)

زرقانی شرح موطا میں ہے: کَانَ قِیَامُ اللَّیْلِ فَرْضاً عَلَیْہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دُوْنَ اُمَّتِہٖ یعنی تہجد کی نماز صرف آپ پر فرض تھی، آپ ﷺ کی امت پر نہیں۔ (زرقانی شرح مؤطا ج ا ص ۲۱۱)

فائدہ:۔ جب نماز تہجد ابتداء اسلام میں مسلمانوں پر فرض تھی اس وقت نماز تراویح کا وجود بھی نہ تھا۔ جب بعد ہجرت مدنی

زندگی میں رمضان کا روزہ فرض ہوا تو اسی کیساتھ نماز تراویح کے فرض سے زائد (نفل) ہونیکا اعلان بھی کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعاً یعنی اللہ تعالیٰ نے اسکے روزے کو فرض فرمایا ہے اور اس کی رات کی نماز (تراویح) کو نفل (زائد از فرض) قرار دیا ہے۔ (رواہ البیھقی مشکوٰۃ ص۱۷۳، عن سلمان الفارسی)

اگر نماز تہجد ہی تراویح بنتی تو قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا (اس کی رات کی نماز کو نفل) فرمانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ صرف یہ ارشاد فرما دیتے کہ اب تک جو نماز تہجد رمضان و غیر رمضان میں فرض تھی اب وہی رمضان و غیر رمضان میں نفل بن گئی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ دونوں نمازیں ایک نہیں بلکہ علاحدہ علاحدہ دو نمازیں ہیں۔

(۷) حضرت ابوذرؓ کی روایت میں چوتھے دن نماز تراویح کیلئے حاضر نہ ہونے کی وجہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی: "خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا. یعنی تمہارے شوق و رغبت کو دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یہ نماز فرض قرار دے دی جائے پھر تم اسکی ادائیگی سے عاجز رہو" (صحیح بخاری ج۱ ص۲۶۹ بَابٌ فَضْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۹، بَابُ التَّرْغِيْبِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَهُوَ التَّرَاوِيْحُ)

اگر تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہوتی تو آپ ﷺ یہ جملہ نہ ارشاد فرماتے کہ مجھے تراویح کی فرضیت کا اندیشہ ہو گیا۔ بلکہ یہ ارشاد فرماتے کہ: خَشِيْتُ اَنْ تُعَادَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ فَرِيْضَةً، یعنی مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم پر تہجد کی نماز دوبارہ نہ فرض کر دی جائے۔ کیونکہ تہجد کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہو چکی تھی پھر امت سے اس کی فرضیت ساقط کر دی گئی۔

خلاصۂ کلام: اندیشہ فرضیت کے اعادہ کا ہوتا، نہ کہ از سر نو فرض ہونیکا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تہجد کے علاوہ دوسری نماز تھی، یعنی تراویح جس کی سنیت زبان رسالت ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ نسائی (ج۱ ص۲۳۹، ابن ماجہ ص۹۴) میں ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ دونوں ایک نمازیں نہیں ہیں۔

(۸) اگر تہجد و تراویح ایک ہی نمازیں ہوتیں تو تراویح کی بھی قضاء ہوتی، حالانکہ دونوں کو ایک کہنے والے بھی تراویح کی قضاء کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ کسی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح کی قضاء فرمائی ہو۔ جبکہ تہجد کی قضاء صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: "اِذَا فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَّجْعٍ أَوْ غَيْرِهٖ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً یعنی آپ ﷺ سے جب تہجد کی نماز درد یا تکلیف (یا نیند و تھکان) کی وجہ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔" (صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۶، بَابٌ فِيْ صَلَاةِ اللَّيْلِ، کذا فی ابوداؤد ج۱ ص۱۹۰، بَابٌ فِيْ صَلَاةِ اللَّيْلِ، نسائی ج۱ ص۱۹۹، شرح السنہ ج۳ ص۶۹، حدیث نمبر ۹۸۶)۔ اور نسائی شریف میں ہے: "وَكَانَ اِذَا شَغَلَهُ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ نَوْمٌ أَوْ مَرَضٌ أَوْ وَجْعٌ صَلّٰى ثِنْتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً یعنی جب بوجہ درد، مرض اور نیند تہجد کی نماز آپ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے" (نسائی ج۱ ص۱۸۲، بَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ، ترمذی ج۱ ص۱۰۰، اَبْوَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ)

فائدہ: دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ تہجد کی الگ نماز ہے اور تراویح کی الگ نماز ہے۔

ازالۂ شبہ:۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ جب ہمارے نزدیک تہجد وتراویح ایک ہیں تو تہجد کی قضاء کے ثبوت سے تراویح کے قضاء کا ثبوت فراہم ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس تہجد کی قضاء کا ذکر احادیث میں ہے وہ بارہ رکعت ہے اور آپ کے نزدیک تراویح آٹھ رکعت ہے۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

خلاصۂ بحث:۔ مذکورہ تمام وجوہ فرق کی بنیاد پر علماء محققین نے ثابت کیا ہے اور عمل کیا ہے کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں الگ الگ ہیں جیسا کہ فقہ حنفی کے علاوہ بھی اس کی صراحت ملتی ہے۔ فقہ حنبلی کی کتاب المقنع میں ہے ”ثُمَّ التَّرَاوِيحُ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً يَقُوْمُ بِهَا فِيْ رَمَضَانَ بِجَمَاعَةٍ وَّيُوْتِرُ بَعْدَهَا فِي الْجَمَاعَةِ فَإِنْ كَانَ لَهٗ تَهَجُّدٌ جَعَلَ الْوِتْرَ بَعْدَهٗ. یعنی پھر تراویح ہے اور اس کی بیس رکعتیں ہیں با جماعت ادا کرے اور اس کے بعد وتر با جماعت ادا کرے اور اگر وہ تہجد کا عادی ہو تو وہ وتر تہجد کے بعد ادا کرے (المقنع ج ۱ ص ۱۸۷)“۔ اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ ہیں: هٰذَا كِتَابٌ فِي الْفِقْهِ عَلٰى مَذْهَبِ حَنَابِلَة عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ الخ یعنی یہ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے مطابق کتاب ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبلؒ بھی تراویح وتہجد کو الگ الگ سمجھتے تھے۔

یہ وجوہ فرق بیان کردی گئی ہیں۔ جب کہ انکے علاوہ اور بھی بیان کی جا سکتی ہیں۔ محققین علماء نے اپنے اپنے مقام پر ثابت بھی کیا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاوی عزیزیہ (ص:۱۱۹) میں حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنے رسالہ لطائف قاسمیہ (ص:۷) میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اپنے رسالہ تراویح (ص:۳۰۶) میں حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے اپنے رسالہ رکعات تراویح (ص:۳۷) میں اور بعد کے علماء نے بھی ثابت فرمایا ہے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

نکتۂ اختلاف:۔

غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین کے نزدیک نمازِ تراویح آٹھ رکعات سنت ہے اور آٹھ رکعات سے زیادہ بدعت ہے۔

جمیع اہلسنت والجماعت:۔ جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک نمازِ تراویح بیس رکعات سنت ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

آٹھ رکعات تراویح کو سنت ثابت کرنے کے سلسلہ میں غیر مقلدین دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) غیر صریح روایات۔ (۲) صریح روایات۔

غیر صریح روایات:۔ ● عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَأَلَ عَآئِشَةَؓ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَافِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ

اَرْبَعاً فَلاَ تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يَصِلِّيْ اَرْبَعاً فَلاَ تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلاثاً فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَقَالَ يَاعَآئِشَةُ اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلاَيَنَامُ قَلْبِیْ۔ **ترجمه**:۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کی نماز (شبینہ) کیسی ہوتی تھی۔ فرمایا رمضان اور اسکے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے۔ ان کی طوالت اور خوبی بس کیا پوچھتے ہو پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم، بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ وَ غَيْرِهٖ ج ۱ ص ۱۵۴، صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، بَابُ صَلوٰةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكُعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۴)

استدلال پر اعتراضات:۔ اس روایت کو تراویح کے سلسلے میں بطور استدلال پیش کرنا کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ۔ (۱) یہ روایت امام بخاری کے حوالے سے غیر مقلدین آٹھ رکعات تراویح کیلئے پیش کرتے ہیں جب کہ امام بخاریؒ کا عمل بیس رکعات کا تھا چنانچہ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۱ میں ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيُّ اِذَا كَانَ اَوَّلَ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَصْحَابُهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ وَيَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ عِشْرِيْنَ آيَةً وَكَذَالِكَ اِلٰى اَنْ يَّخْتِمَ الْقُرْآنَ .وَكَانَ يَقْرَأُ فِي السَّحْرِمَابَيْنَ النِّصْفِ اِلٰى الثُّلُثِ مِنَ الْقُرْآنِ يَخْتِمُ عِنْدَالسَّحْرِفِيْ كُلِّ ثَلاَثِ لَيَالٍ. **ترجمه**:۔ رمضان المبارک کی رات کے ابتدائی حصہ میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے یہاں ان کے شاگرد جمع ہو جاتے پھر وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے تھے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اسلئے غیر مقلدین کا اس کو تراویح کی دلیل میں پیش کرنا نا قابل قبول ہے۔

(۲) یہ روایت اصل میں تہجد کے بارے میں ہے کیونکہ اسمیں رمضان اور غیر رمضان دونوں کا تذکرہ ہے تراویح حضور ﷺ سے عشاء کے بعد منقول ہے جب کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تہجد رات کے اخیر حصے میں پڑھنے کی تھی اور آخر میں آپ وتر کرتے تھے۔ اور روایت میں یہ الفاظ ہیں "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں" یہ جملہ اسبات پر دلیل ہے کہ یقیناً یہ نماز تہجد کی تھی۔ اگر غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ رمضان میں تہجد ہی تراویح ہو جاتی ہے تو اس کی دلیل میں قرآن کریم کی کوئی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں ورنہ یہ استدلال نا قابل قبول ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ نے رات کی نماز کے بارے میں صحیح روایت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری بَابُ كَيْفَ صَلوٰةُ اللَّيْلِ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ج ۱ ص ۱۵۳) اس لئے صرف

گیارہ پر انحصار کیوں؟

(۴) امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک باب کا عنوان یہ قرار دیا ہے **بَابُ عَدَدِ الرَّکْعَاتِ الَّتِیْ یَقُوْمُ بِهَا الْاِمَامُ لِلنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ** یعنی ان رکعتوں کی تعداد کا باب جو امام لوگوں کیساتھ رمضان میں پڑھے گا اس باب میں وہ رکعات تراویح کی تعداد بتانے کیلئے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو جو سب سے صحیح اور اعلیٰ درجہ کی، ذکر کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے علم و تحقیق میں بھی اس حدیث کا کوئی تعلق تراویح سے نہیں ہے۔

(۵) یہ حدیث خود غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں کیونکہ اس روایت میں چار، چار اور تین رکعات پڑھنے کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور غیر مقلدین دو دو رکعات پڑھتے ہیں۔ گویا اس کی خلاف ورزی سنت کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنا یا کسی دعویٰ کے ثبوت میں اس کو پیش کرنا بالکل خلاف انصاف و دیانت ہے۔ اسلئے بطورِ استدلال ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ مذکورہ روایت تراویح کے سلسلہ میں غیر صریح ہے اور غیر صریح روایات بطورِ استدلال قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے اس سے "سنت" ثابت نہیں کی جا سکتی۔

اگر غیر مقلدین اس باب میں دیگر غیر صریح روایات پیش کرتے ہیں تو وہ صرف قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے بطورِ استدلال نا قابلِ قبول ہیں

صریح روایات :۔ ● **وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِؓ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکَعَاتٍ وَّاَوْتَرَ فَلَمَّا کَانَتِ الْقَابِلَةُ اجْتَمَعْنَا فِی الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا اَنْ یَّخْرُجَ فَلَمْ یَخْرُجْ فَلَمْ نَزَلْ فِیْهِ حَتّٰی اَصْبَحْنَا ثُمَّ دَخَلْنَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْتَمَعْنَا الْبَارِحَةَ فِی الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا اَنْ تُصَلِّیَ بِنَا فَقَالَ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ.** **ترجمہ۔** حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں آٹھ رکعات (تراویح) وتر پڑھائی، جب دوسری رات آئی تو ہم سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ نکلیں گے لیکن آپ ﷺ نہیں نکلے تو ہم مسجد میں صبح تک رکے رہے پھر ہم نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم سب گذشتہ رات مسجد میں جمع تھے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ (المعجم الصغیر للطبرانی ص ۱۹۰، قِیَامُ اللَّیْلِ کِتَابُ قِیَامِ رَمَضَانَ ص ۱۵۵، صحیح ابن خزیمہ جُمَّاعُ اَبْوَابِ ذِکْرِ الْوِتْرِ ج ۲ ص ۱۳۸ حدیث ص ۱۰۷۰، صحیح ابن حبان کتاب الصلوٰۃ ج ۵ ص ۶۲ حدیث ۲۴۰۱)

● **وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّهٗ کَانَ مِنِّیَ اللَّیْلَةَ شَیْءٌ یَّعْنِیْ فِیْ رَمَضَانَ قَالَ وَمَا ذَاکَ یَا اُبَیُّ قَالَ نِسْوَةٌ فِیْ دَارِیْ قُلْنَ اِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّیْ بِصَلٰوتِکَ**

قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَّاَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَاوَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً **ترجمہ:۔** حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولﷺ (میرے دل میں) ایک رات کے متعلق کچھ ہے یعنی رمضان کی رات کے متعلق، نبی کریمﷺ نے پوچھا اے ابی وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ہمارے گھر میں کچھ عورتیں تھیں انہوں نے کہا کہ ہم قرآن پڑھنا نہیں جانتیں لہٰذا ہم آپ کی اقتدا کریں گی، فرماتے ہیں کہ میں نے انکو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی آپﷺ نے (یہ سن کر) سکوت اختیار فرمایا چنانچہ یہ رضامندی والی سنت ہوگئی۔

(مسند ابی یعلیٰ ج۳ ص۳۳۶ حدیث ۱۸۰۱، مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ فِی الرَّجُلِ یَؤُمُّ النِّسَاءَ ج۲ ص۷۴)

استدلال پر اعتراضات :۔ پہلی روایت کے بارے میں صاحب آثار السنن نے لکھا ہے کہ وفی اسنادہ لین۔ اس کی اسناد پر کلام ہے۔

دوسری روایت کے بارے میں حضرت ابی بن کعبؓ کے اس واقعہ کے بارے میں یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ چنانچہ محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ”رکعات تراویح“ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت ابیؓ کے اس واقعہ کو تراویح سے متعلق قرار دینا محض تحکم اور بالکل بے دلیل ہے۔ روایت کے کسی ایک لفظ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تراویح کا واقعہ ہے بلکہ اسکا گھر کے اندر کا واقعہ ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ وہ تہجد کا واقعہ ہے لہٰذا اس روایت کو تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ثبوت میں پیش کرنے سے پہلے لازم تھا کہ اسکا تراویح ہونا روایت کے کسی لفظ سے ثابت کیا جاتا .... تراویح تو بالائے طاق یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے اور جس نے اس واقعہ کی روایت میں ”فی رمضان“ کا لفظ بول دیا ہے وہ اپنی طرف سے اضافہ اور اصل روایت سے ایک زائد بات ہے، جو راوی نے اپنی سمجھ سے بڑھادی ہے، یعنی اصطلاح محدثین میں ”فی رمضان“ کا لفظ اس روایت میں مدرج ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی یہ روایت مسند احمد ج۵ ص۱۱۵ (زیاداتِ عبداللہ) میں موجود ہے اور اس میں رمضان کا قطعاً ذکر نہیں ہے، اور مجمع الزوائد میں ”فی رمضان“ کا اضافہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے رمضان کا نام نہیں لیا تھا عیسیٰ یا اس سے نیچے کا کوئی راوی کہتا ہے کہ اس روایت کا تعلق رمضان سے تھا، لہٰذا جب حضرت جابرؓ نے یہ نہیں کہا، بلکہ نیچے کا کوئی راوی اپنی سمجھ سے اسکا مطلب یہ بیان کرتا ہے تو وہ روایت نہ ہوئی، بلکہ فہم راوی ہوا، جو ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو اور ہوسکتا ہے کہ صحیح نہ ہو، بہرحال بحالت موجودہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت جابرؓ نے رمضان کا یہ واقعہ بتایا ہے۔ اب رہی قیام اللیل کی روایت تو اس میں بے شک جَاءَ اُبَیٌّ فِیْ رَمَضَانَ کا لفظ ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ راوی کا تصرف اور ادراج ہے، اسلئے کہ جب سوائے عیسیٰ کے کوئی دوسرا اس واقعہ کا ناقل نہیں ہے، تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ خود انہی نے تین دفعہ تین طرح بیان کیا، اسلئے قیام اللیل کی روایت میں فی رمضان کے لفظ کا مدرج ہونا ثابت ہوا، دوسری صورت یہ ہے کہ عیسیٰ نے کوئی ایک صورت اختیار کی ہو، یعنی رمضان کہا ہو، یا کچھ ذکر نہ کیا ہو اور نیچے کے راویوں کے تصرفات سے یہ

تین صورتیں پیدا ہوئی ہوں تو اس صورت میں فی رمضان کا لفظ اور بھی مشکوک ہو جائے گا، اور وہ حضرت جابرؓ کا تو درکنار عیسیٰ کا بھی بیان قرار نہ پا سکے گا۔"

پہلی اور دوسری دونوں روایات کی اسناد میں ایک راوی ہیں عیسیٰ بن جاریہ۔ وہ راوی دونوں میں مشترک ہیں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ان پر جرحیں کی گئی ہیں۔ ان جرحوں سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تراویح کے سلسلہ میں جو صریح روایات آئی ہیں وہ کتنی ہیں اور وہ کن واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہیں تا کہ تمام روایات کا حال نظروں کے سامنے رہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ محدثِ جلیلؒ کی رکعاتِ تراویح کا اقتباس پیش کر دیا جائے جو درجِ ذیل ہے۔

محدثِ جلیلؒ حضرت جابرؓ کی پہلی روایت پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ "اسکے متعلق سب سے پہلے یہ جان لیجئے کہ یہ واقعہ فقط ایک رات کا ہے، اسلئے کہ روایت میں آگے یہ مذکور ہے کہ جب دوسری رات میں صحابہ مجتمع ہوئے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے برآمد نہیں ہوئے اور میزان الاعتدال میں 'لیلۃ' ایک رات کی تصریح بھی موجود ہے، دوسری بات یہ معلوم کر لیجئے کہ رمضان میں آنحضرت ﷺ کے مسجد میں نماز پڑھنے اور آپ کیساتھ صحابہ کے شریک ہونیکا ایک واقعہ تو وہ ہے، جو صحیحین وغیرہ میں بروایت حضرت عائشہؓ منقول ہے، اس میں تین راتوں میں پڑھنا اور چوتھی رات میں حجرہ سے برآمد نہ ہونا مذکور ہے۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جو بروایت حضرت انسؓ مسلم میں مذکور ہے، اور اسکی نسبت حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے "وَالظَّاهِرُ اَنَّ هٰذَا كَانَ فِيْ قِصَّةٍ اُخْرٰى" یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرے قصہ میں ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)

تیسری روایت حضرت جابرؓ کی ہے، جو اس وقت زیر بحث ہے اس کی نسبت یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کو حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے، اسلئے کہ جابرؓ کے بیان میں صرف ایک رات نماز پڑھنا اور دوسری رات میں نہ آنا مذکور ہے، اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں واقعوں کے ایک ہونے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)

چوتھی روایت حضرت ابوذرؓ کی ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ایک سال رمضان کی تیسویں پچیسویں اور ستائیسویں رات میں مسجد کے اندر باجماعت تراویح پڑھنا بیان کیا ہے، یہ روایت ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

پانچویں روایت زید بن ثابتؓ کی ہے، جس میں رمضان کی تصریح نہیں ہے، مگر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی رمضان ہی کا واقعہ ہے۔

چھٹی روایت حضرت نعمان بن بشیرؓ کی ہے کہ ہم نے رمضان کی تیئیسویں رات میں آدھی رات تک قیام کیا، پھر ستائیسویں کو قیام کیا، تو ہم کو اندیشہ ہوا کہ آج سحری نہ کھا سکیں گے انکے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں، غرض رمضان میں آنحضرت ﷺ کی نماز باجماعت کو بہت سے صحابہ بیان کرتے ہیں، مگر ان صحابیوں کے شاگردوں اور راویوں میں سے کوئی ایک شاگرد یا راوی ان صحابیوں سے ان رکعات کی تعداد نقل نہیں کرتا، جو آنحضرت ﷺ نے ان راتوں میں پڑھی تھیں۔

حضرت جابرؓ سے ان کی حدیث روایت کرنیوالا صرف ایک شخص ہے اور وہی ایک شخص حضرت جابرؓ کے واسطہ سے ان رکعات کی تعداد نقل کرتا ہے۔

لہٰذا ویسے تو ہر حدیث کی اسناد میں نظر کرنا اور اسکے رجال کے حالات معلوم کر کے دیکھنا کہ یہ اسناد قابلِ اعتماد ہے یا نہیں؟ محدثین کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے لیکن اس حالت میں کہ نماز تراویح با جماعت کے واقعہ یا واقعات کے ناقل کئی صحابیوں کے شاگرد ہیں اور ان میں کوئی بھی رکعات کا ذکر نہیں کرتا، ازبس ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے راوی کا حال معلوم کیا جائے، جو تنہا رکعات کا ذکر کرتا ہے، اسلئے میں حضرت جابرؓ کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق رجال کی کتابوں سے ناقدینِ رجال کی تصریحات پیش کرتا ہوں تا کہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ اسکی روایت از روئے فن حدیث قابل اعتماد ہے، یا نہیں؟

عیسیٰ بن جاریہ کا حال اس راوی کا ذکر حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب وغیرہ میں کیا ہے، اور لکھا ہے کہ امام فنِ جرح وتعدیل یحییٰ بن معین نے اس کی نسبت لکھا ہے "لَیسَ بِذَاکَ" وہ قوی نہیں ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اسکے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں، اور امام نسائی، وامام ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے امام نسائی نے اس کو متروک بھی کہا ہے، اور ساجی وعقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں)۔

یہ سات حضرات ہیں جنہوں نے عیسیٰ پر جرح کی ہے، اور انکے مقابل میں صرف ایک امام ابوذرعہ ہیں جنہوں نے عیسیٰ کو "لَا بَاسَ بِہٖ" (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) کہا، اور دوسرے ابن حبان ہیں جنہوں نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا عیسیٰ اصولاً مجروح قرار پائے گا، بالخصوص جب کہ عیسیٰ پر جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں، چنانچہ امام نسائی وابوداؤد نے اسکو منکر الحدیث لکھا ہے۔.......... (مُنکَرُ الحَدِیثِ وَصُفٌ فِی الرَّجُلِ یَستَحِقُّ بِہِ التَّرکَ الحَدِیثِ ص۱۹۱) یعنی منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسکی حدیث ترک کر دی جائے (اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور قبول نہ کی جائے)"

اس تصریح کے بموجب از روئے اصل عیسیٰ کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہو سکتی بالخصوص جب کہ حضرت جابرؓ سے اس بات کو نقل کرنے میں وہ منفرد ہے، دوسرا کوئی اس کا مؤید و متابع موجود نہیں نہ کسی دوسرے صحابی کی حدیث اس کی شاہد ہے، جابرؓ سے روایت کرنے میں اس کے منفرد ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ امام طبرانی نے عیسیٰ کی یہ روایت نقل کرنیکے بعد لکھا ہے "لَا یُروٰی عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ اِلَّا بِھٰذَا لِاسْنَادِ" (یعنی حضرت جابر سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے)۔ (رکعاتِ تراویح ص ۲۸)

اسلئے کہ اسکا مدار عیسی بن جاریہ پر ہے۔ عیسی بن جاریہ:۔ ذہبی نے کہا کہ ابن معین نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں، نسائی نے کہا منکر الحدیث ہیں اور متروک ہیں۔ ابوزرعہ نے کہا لَا بَأسَ بِہٖ ابوداؤد نے کہا منکر الحدیث ہیں۔ حافظ

ابن حجر نے تقریب میں کہا فِيْهِ لِيْنٌ. (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۷۹)

چونکہ یہ روایات صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتیں اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح روایات ہی دلیل ہیں اس لئے یہ روایات تراویح کی دلیل میں نا قابل قبول ہیں۔

آثار:۔ آثار چونکہ غیر نبی کے اقوال وافعال ہوتے ہیں اسلئے غیر مقلدین کیطرف سے بطورِ دلیل نا قابلِ قبول ہیں۔

(ان آثار پر بحث جمہور کے دلائل میں پیش کی جائیگی)

غرض "آٹھ رکعات تراویح سنت ہے" اس دعویٰ کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے اسلئے انکا دعویٰ رد ہے

جمہور امت کے دلائل

پہلی دلیل:۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، اور عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور بغوی نے اپنے معجم میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے سننِ کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۶ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ **حدثنا یزید بن ھارن قال اخبرنا ابراھیم ان عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر۔** **ترجمہ:۔** آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "كَمْ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ" ج ۵ ص ۲۲۵)

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واقع ہے اور وہ مجروح راوی ہے، اسلئے اسکی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے، اسکو ضعیف کہنے والوں میں ابنِ حجر، سیوطی، ابن الھمام اور عیسیٰ وغیرہم شامل ہیں، اور کچھ شبہ نہیں کہ ابراہیم بن عثمان پر سخت سخت جرحیں نقل کی گئی ہیں، مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ جتنی جرحیں نقل کی جاتی ہیں سب مقبول نہیں ہیں، بعض ان میں مردود بھی ہیں لیکن افسوس کی بات ہے مقبول جرحوں کے ساتھ مردود جرحوں کو بھی نقل کر دیا جاتا ہے، راوی ابراہیم کے باب میں جس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے وہ مجروح بے شک ہے، لیکن نہ اتنا جتنا بتایا جاتا ہے۔

بہر حال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابراہیم راوی ہے اور اسوجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے لیکن ابراہیم اتنا ضعیف و مجروح نہیں ہے۔

دوسری دلیل:۔ امام بیہقی کی سننِ کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں حضرت سائب بن یزیدؓ راوی ہیں، **اَخْبَرَنَا اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ فَنْجُوَيْهِ الدِّيْنُوْرِيّ بِالدَّامَغَانِ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ اَنْبَأَ نَاابْنُ اَبِیْ ذِئْبِ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فِیْ شَهْرِ**

رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً یعنی حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے، اور اسی اثر کو امام بیہقی نے قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ طَاهِرِ الْفَقِيْهُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ اَخْبَرَ نَا خَا لِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ . کے طریق سے معرفۃ السنن میں بھی روایت کیا ہے۔

ویسے تو غیر مقلدین کا تعلق استدلال کے سلسلہ میں آثار سے نہیں ہے لیکن وہ مغالطہ دینے کیلئے آثار کی بحث بھی درمیان میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے بیس رکعات تراویح کا اثر صحیح نہیں ہے بلکہ مؤطا امام مالک میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعتوں کا حکم دیا۔ دراصل غیر مقلدین سعید بن منصور کی روایت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں۔ لیکن سعید بن منصور کے اثر کی حقیقت درجِ ذیل ہے۔

حضرت سائب بن یزید سے روایت کرنے والے محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور پانچوں کا بیان باہم مختلف ہے۔ امام مالکؒ سے بحکم حضرت عمرؓ گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے، یحیٰی قطان سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (حضرت عمرؓ کے حکم کا تذکرہ نہیں ہے)، عبدالعزیز بن محمد سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی وتمیم کا)، ابن اسحاق سے تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے، عبدالرزاق کے شیخ داؤد بن قیس سے اکیس رکعتوں کا ذکر ہے بحکم حضرت عمرؓ سے۔ پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک طریق کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام طرق میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ جب کہ سائب بن یزید کے ایک دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ ہیں ان کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے یزید کے کل شاگرد بلا اختلاف سائب بن یزید کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس طریق سے یہ اثر "صحیح" ہے۔ اور سننِ سعید بن منصور کی مذکورہ روایت ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے اور ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا۔ اسلئے غیر مقلدین کی یہ ابلہ فریبی لائقِ توجہ ہی نہیں ہے۔ اور سننِ کبریٰ اور معرفۃ السنن کی بیس رکعات والا اثر قابلِ حجت ہے۔

مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ مبارک میں تراویح کی بیس رکعتوں کا ثبوت تنہا سائبؓ ہی کی روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ اسکے علاوہ متعدد روایات سے ہوتا ہے جو درجِ ذیل ہیں۔

(۱) جس کے الفاظ یہ ہیں "كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئیس رکعتیں (مع وتر پڑھتے تھے)۔

(مؤطا مع تنویر ج۱ ص ۱۳۸، سننِ کبریٰ ج۲ ص ۴۹۶، قیام اللیل ص ۹۱)

(۲) عبدالعزیز بن رفیع کا اثر ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے اسکے الفاظ یہ ہیں، "كَانَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُّصَلِّيْ

بِا لنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ يُوْ تِرُ بِثَلاَثٍ " (یعنی حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے) چونکہ حضرت ابیؓ کی وفات اکثر لوگوں کے قول کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی ہے، اسلئے یہ بیان بھی عہد فاروقی سے متعلق ہے) (مصنف ابن ابی شیبہ "كَمْ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ" ج۵ص۲۲۴)

(۳) سعید بن انصاری کا اثر ہے کہ "اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ اَمَرَ رَجُلاً يُّصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (یعنی حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "كَمْ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ" ج۵ص۲۲۳)

(۴) خود حضرت ابیؓ سے روایت ہے "اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ اَمَرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ بِا للَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلاَيُحْسِنُوْنَ اَنْ يَّقْرَءُ وْا فَلَوْ قَرَأْ تَ عَلَيْهِمْ بِااللَّيْلِ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ هٰذَاشَيْءٌ لَّمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنَّهٗ حَسَنٌ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (یعنی حضرت عمرؓ نے ابی کو حکم دیا کہ لوگوں کو رات کے وقت رمضان میں نماز پڑھایا کرو، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں، اور قرآن خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے لہٰذا کاش تم رات میں پڑھتے، ابی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین یہ بات پہلے نہیں ہوئی (یعنی ایک امام کے ساتھ سب کا اکٹھا ہو کر پڑھنا) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ اچھا ہے، چنانچہ ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں (کنز العمال ج۴ص۲۸۴ بحوالہ ابن منیع و آثار السنن ج۲ص۶۰)۔

(۵) محمد بن کعب قرظیؒ کا اثر ہے "كَانَ النَّا سُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُّطِيْلُوْنَ فِيْهَا الْقِرَاۃَ وَيُوْتِرُ وْنَ بِثَلاَثٍ " (یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور قرأت لمبی کرتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے) (قیام اللیل ص۹۱)۔

(۶) زید بن وہب کا اثر ہے "كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُّصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْاَ عْمَشُ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّ يُوْ تِرُ بِثَلاَثٍ " یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، جب فارغ ہو کر واپس ہوتے، تو ابھی رات رہتی تھی۔ اعمش نے کہا کہ وہ (حضرت ابن مسعودؓ) وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے (قیام اللیل ص۹۱)

درج بالا روایات حضرت سائب بن یزید کے اثر کی تائید میں ہے۔

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "رکعاتِ تراویح" مصنف محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ص۳۷...۷۰)

تیسری دلیل :۔ سننِ بیہقی (ج۲ص۴۹۶) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھایا کرے، اور وتر حضرت علیؓ پڑھاتے تھے، امام بیہقی اس اثر کو قوی تسلیم کرتے ہیں، اسلئے کہ انہوں نے پہلے شتیر ابن شکل کی نسبت نقل کیا ہے کہ "وہ حضرت علیؓ کے اصحاب میں تھے، اور لوگوں کو

رمضان میں بیس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھایا کرتے تھے''، اسکو نقل کرکے فرمایا کہ اس میں قوت ہے۔ (یعنی یہ قوی اثر ہے)۔ پھر اسکی دلیل میں مذکورہ بالا اثر بیہقی نے نقل کیا ہے، بیہقی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

وَرَوَيْنَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكْلٍ وَّكَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ اَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِيْ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ يُوْتِرُ بِثَلاثٍ وَفِيْ ذَا لِكَ قُوَّةٌ لَمَّا اَخْبَرَنَا اَبُو الْحَسَنِ بْنِ الْفَضْلِ الْقَطَّانِ بِبَغْدَادُ أَنْبَأَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عِيْسَى بْنِ عَبْدُكَ الرَّا زِيُّ ثَنَا اَبُوْ عَا مِرِ عَمْرُوبْنُ تَمِيْمٍ ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُس ثَنَا حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِىْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ دَعَا الْقُرَّآءَ فِيْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِا لنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ وَرَوَيْنَاذٰ لِكَ مِنْ وَجْهٍ ، آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ .

اس عبارت کے آخر میں بیہقی نے یہ بھی تصریح کردی کہ حضرت علیؓ کا یہ اثر دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، لہٰذا تنہا بھی یہ اثر قوی تھا، اور اب تو مجموعی طور پر اتنا قوی ہوگیا کہ اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''رکعاتِ تراویح'' ص ۷۰.....۸۳)

بیس رکعات پر اجماع :۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہوگیا، اور بلادِ اسلامیہ میں اسی پر عمل قرار پا گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس پر اجماع ہوگیا۔ غیر مقلدین اسکے خلاف ایک روایت بھی پیش نہیں کرسکتے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی نے اس کے خلاف کیا یا کہا ہو۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ اور خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے دور میں بھی بیس رکعات پر عمل رہا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک بیس رکعات تراویح ''سنت'' ہے تو پھر خلفاءِ راشدین کے عہد کے آثار کو ''سنت'' کیلئے کیوں دلیل بنایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورﷺ کی حدیث ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّا شِدِيْنَ الْمَهْدِ يِّيْنَ یعنی تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت'' کے تحت بیس رکعات تراویح بھی سنت تسلیم کی گئی۔ کیونکہ حضورﷺ نے خلفاءِ راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہا ہے۔ مزید یہ کہ اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہوگیا پس بیس رکعات تراویح کا جمہور امت کا موقف بھی ثابت ہوگیا۔ **فا الحمد للہ علیٰ ذا لک**

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''رکعاتِ تراویح'' مصنف حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ)

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہوجائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے

الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانیوالے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

غیر مقلدین کے اکثر فرقے تراویح کے منکر ہیں سوائے فرقہ اہلحدیث کے۔

فرقہ اہلحدیث میں بھی ایک گروہ ایسا ہے جو ماہِ رمضان میں روزانہ تراویح کی جماعت کا قائل نہیں۔ وہ گروہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے صرف تین یا چند دنوں میں تراویح پڑھی ہے۔

بعض غیر مقلدین آٹھ رکعات کے بعد صرف ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں اور بعض تین۔

اس سے ثابت ہوا کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط امت ہے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے کہ تراویح کی نماز آٹھ رکعات ہے؟

(۲) صحیح صریح حدیث سے ثابت کیجئے کہ تراویح اور تہجد کی نماز ایک ہی ہے۔ غیر رمضان میں اکیلے پڑھی جاتی ہے اور رمضان میں جماعت کیساتھ؟

(۳) خیر القرون سے لے کر حدوث اہلحدیث تک (تقریباً ساڑھے بارہ سو سال) کے عرصہ میں دنیا کی کسی ایک مسجد کا نام پیش کیجئے جس میں تراویح کی جماعت آٹھ رکعات ہوئی ہو؟

حصہ سوّم

نمازِ فجر کا افضل وقت

نماز فجر کا وقت صبح صادق سے آخرِ وقت طلوع آفتاب سے پہلے تک ہے اس پر اجماع ہے۔ لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ اس میں کون سا وقت افضل ہے۔ اگر اس وقت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو شرعی اصطلاح میں پہلا نصف ”غلس“ (یعنی اندھیرے کا وقت) اور دوسرا ”اسفار“ (یعنی اجالے کا وقت) کہلاتا ہے۔

احناف:۔ فجر کی نماز اسفار میں افضل ہے۔

مالکیہ:۔ فجر کی نماز اسفار میں افضل ہے۔

شوافع:۔ فجر کی نماز غلس میں افضل ہے۔

حنابلہ:۔ فجر کی نماز غلس میں افضل ہے۔

ائمہ اربعہ میں اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے جائز اور ناجائز کا نہیں ہے۔

نکتۂ اختلاف:۔

غیر مقلدین:۔ فجر کی نماز کا معمول غلس میں پڑھنے کا ہے۔ اور اسی کو وہ سنتِ اصلی سمجھتے ہیں۔

احناف :۔ فجر کی نماز اسفار میں افضل ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

● **حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِىْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَؓ اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ كُنَّ نِسَآءَ الْمُوْءْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلٰوةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ.** **ترجمہ:۔** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم مسلمان خواتین رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز کیلئے اپنی چادروں میں لپٹ کر حاضر ہوتیں تھیں، جب نماز سے فارغ ہوتیں اور اپنے گھروں کو لوٹ کر جاتیں تو کوئی شخص (اندھیرے کے سبب) انہیں پہچان نہ سکتا تھا۔ (بخاری بَابُ وَقْتِ الْفَجْرِ ج ۱ ص ۸۲، مسلم بَابُ اِسْتِحْبَابِ التَّكْبِيْرِ بِالصُّبْحِ .... الخ ج ۱ ص ۲۳۰)

● **حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍؓ قَالَ سَاَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِؓ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّى الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَآءَ اِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَاِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ.** **ترجمہ:۔** حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں ہم نے جابر سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت دریافت کی، کہا نماز ظہر دوپہر کو پڑھتے تھے اور عصر اس وقت کہ سورج نکھرا ہوتا تھا، اور مغرب جب سورج غروب ہو جاتا اور نماز عشاء جب آدمی اکٹھے ہو جاتے تو جلد پڑھ لیتے اور جب کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے اور نماز فجر اندھیرے میں (پڑھتے)۔ (بخاری بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ.... الخ ج ۱ ص ۸۰، مسلم بَابُ اِسْتِحْبَابِ التَّكْبِيْرِ بِالصُّبْحِ .... الخ ج ۱ ص ۲۳۰)

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) ان روایات میں غلس سے مراد مسجد کے اندر کا غلس ہے اور امہات المؤمنین کے حجرے کی چھتیں قریب قریب تھیں اس سے اسفار ہوتے ہوئے بھی غلس سمجھ میں آتا تھا (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۹۹)

(۲) غلس میں نماز پڑھنا عورتوں کی جماعت میں حاضری کی وجہ سے تھا اور جب انہیں روک دیا گیا تو حکم اپنے اصل کے طرف لوٹے گا یعنی اسفار میں نماز پڑھنے کے طرف (تابع الآثار ص ۷۱)

(۳) خود غیر مقلدوں کی کتاب تخریج صلوٰۃ الرسول میں حضرت عائشہ کی حدیث کے حاشیہ (ص ۱۸۰) میں ہے "اندھیرے میں نماز فجر سے فراغت رسول ﷺ کا ہمیشہ کا معمول نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کے مختلف احوال تھے کبھی اندھیرے میں فراغت اور کبھی اس وقت جب کہ چہرے پہچانے جاتے۔ دیکھئے (ارواء الغلیل ج ا ص ۲۷۹، ۲۸۰)"

(۴) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا صبح کی نماز کا وقت مختلف تھا۔

اس لئے مذکوہ روایت کو غلس میں فجر کی نماز کو سنتِ اصلی کے لئے حجت بنانا صحیح نہیں ہے۔

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدِ اللَّيْثِيِّ اَنَّ ابْنَ شِهَابٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَانَ قَاعِداً عَلَى الْمِنْبَرِ فَاَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَمَا اِنَّ جِبْرِيْلَ قَدْ اَخْبَرَ مُحَمَّدًا ﷺ بِوَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ عُرْوَةُ سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَاَخْبَرَنِىْ بِوَقْتِ الصَّلٰوةِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِاَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوٰاتٍ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ وَرُبَمَا اَخَّرَهَا حِيْنَ يَشْتَدُّ الْحَرُّ وَرَاَيْتُهُ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ قَبْلَ اَنْ تَدْخُلَهَا الصُّفْرَةُ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ مِنَ الصَّلٰوةِ فَيَاْتِىْ ذَا الْحُلَيْفَةِ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّى الْمَغْرِبَ حِيْنَ تَسْقُطُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّى الْعِشَاءَ حِيْنَ يَسْوَدُّ الْاُفُقُ وَرُبَمَا اَخَّرَهَا حَتّٰى يَجْتَمِعَ النَّاسُ وَصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ ثُمَّ صَلَّى مَرَّةً اُخْرٰى فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّغْلِيْسُ حَتّٰى مَاتَ لَمْ يَعُدْ اِلٰى اَنْ يُسْفِرَ. **ترجمہ**:۔ محمد بن سلمہ مرادی، ابن وھب، اسامہ بن زید لیثی، ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز (خلیفۂ عادل) منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عصر کی نماز میں دیر کی عروہ بن زبیر نے کہا تم کو معلوم نہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے محمد ﷺ کو نماز کا وقت بتا دیا عمر بن عبد العزیز نے کہا سمجھ کر کہو عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابو مسعود انصاری سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے حضرت جبرئیل اترے اور انہوں نے مجھے نماز کا وقت بتلایا میں نے ان کیساتھ نماز پڑھی، پھر ان کیساتھ نماز پڑھی، انگلیوں پر اپنی شمار کیا پانچ نمازوں کا تو میں نے رسول ﷺ کو دیکھا آپ نے ظہر کی نماز پڑھی آفتاب ڈھلتے ہی اور کبھی دیر کر کے جب گرمی کی شدت ہوئی اور میں نے دیکھا آپ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے اور آفتاب بلند تھا اس میں سفید زردی نہیں آئی تھی آدمی عصر کی نماز سے آپ کیساتھ فارغ ہو کر ذوالحلیفہ میں پہنچ جاتا آفتاب ڈوبنے سے پہلے اور مغرب کی نماز آفتاب ڈوبتے ہی اور عشاء کی نماز پڑھتے جب کناروں میں آسمان کے سیاہی آجاتی اور کبھی عشاء میں دیر کرتے لوگوں کے جمع ہونے کیلئے اور فجر کی نماز پڑھتے آپ اندھیرے میں ایک بار روشنی میں پڑھی مگر بعد اسکے آپ ہمیشہ اندھیرے میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وفات تک آپ نے کبھی روشنی میں نماز نہیں پڑھی۔

(ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ، بَاب المواقیت ج۱ص۵۷، صحیح ابن حبان کتاب الصلوٰۃ ج۴ص۲۵ حدیث۱۴۹۲)

استدلال پر اعتراضات:۔ ابوداوٗد فرماتے ہیں کہ اس روایت کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے، لیکن انہوں نے اس وقت کو ذکر نہیں کیا جس میں نماز پڑھی اور نہ اس کی تفسیر کی، اسی طریقہ سے ہشام بن عروہ اور حبیب بن ابی مرزوق نے اس روایت کو عروہ سے اسی طرح ذکر کیا ہے، جس طرح معمر اور انکے اصحاب نے مگر حبیب نے بشیر کو ذکر نہیں کیا، اور وہب بن کیسان نے بواسطہ جابر نبی ﷺ سے وقت مغرب کو ذکر کیا کہ حضرت جبرئیل دوسرے دن مغرب کے وقت غروب شمس کے بعد آئے، یعنی دونوں دن ایک ہی وقت میں، ابوداوٗد فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابوہریرہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے دوسرے دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی، اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص حدیث حسان بن عطیہ، شعیب انکے والد، ان کے دادا بھی نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

ابوداوٗد کی سند میں اسامہ بن زید ابنا اللیثی ہیں بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے تخریج نہیں کی ہے اور مسلم نے متابعت کیساتھ ان سے روایت کی ہے۔

حضرت یحیی قطان نے کہا ہے کہ ان کی حدیث آخر میں چھوڑ دی گئی۔

ابن حبان کی روایت کی اسناد میں کلام ہے اور زیادتی غیر محفوظ ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے آثار السنن کا حاشیہ ص۹۶، ۹۷)

● حَدَّثَنَاقُتَيْبَةُ نَااللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ هِلَالٍ عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَاصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ. **ترجمه:۔** رسول خدا ﷺ نے نہیں پڑھی نماز آخر وقت دوبار۔ یہانتک کہ وفات دی اللہ تعالیٰ نے (یعنی ہمیشہ اول وقت ہی پڑھتے رہے) اور جواز کیلئے ساری عمر میں ایک بار پڑھی (ترمذی بَاب مَا جَاءَ فِی الْوَقْتِ الْاَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ ج۱ص۴۳، دار قطنی ۱/۲۴۹ر۱۷، حاکم ج۱ص۱۹۰، بیہقی ج۱ص۴۳۵)

امام ترمذی نے خود کہا ہے کہ یہ سند منقطع ہے۔ ابن قطان نے کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور اسحاق بن عمر مجہول ہیں۔

دار قطنی نے اسے ترک کر دیا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہے۔

ان تمام علتوں کی بناء پر غیر مقلدین اس روایت سے استدلال نہیں کر سکتے۔

● حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارِ الْحُسَيْنِ بْنِ حُرَيْثٍ نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ غَنَّامٍ عَنْ عَمَّتِهِ اُمِّ فَرْوَةَ وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَتِ النَّبِیَّ ﷺ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَلصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا. **ترجمه:۔** حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کون سے اعمال افضل ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اسکے اول وقت میں پڑھنا۔ (ترمذی بَاب مَا جَاءَ فِی الْوَقْتِ الْاَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ ج۱

ص ۴۲، احمد ۶/ ۴۴۰ وغیرہ)

اس حدیث کی سند میں اضطراب وجہالت ہے اس میں ایک راوی القاسم بن غنام ہے۔ عقیلی نے کہا ہے کہ اسکی حدیث میں اضطراب ہے۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول حاشیہ ص ۱۸۲، ۱۸۳)

چونکہ اس حدیث میں اضطراب ہے اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

● حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا مَرْوَانَ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيَّ عَنْ اَبِىْ يَعْفُوْرٍ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ اَبِىْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِاِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَىُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ سَاَلْتُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَلصَّلٰوۃُ عَلٰى مَوَاقِيْتِهَا ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابوعمرو شیبانی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے تو فرمایا کہ، نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے (ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَقْتِ الْاَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ ج ۱ ص ۴۳، حاکم وغیرہ)۔

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) تخریج صلوٰۃ الرسول میں ص ۱۸۲ حاشیہ میں ہے ”تنبیہ“ یہ حدیث ان الفاظ سے ترمذی میں نہیں ہے امام ترمذی نے اسے دو مقام پر ذکر کیا ہے اور دونوں مقاموں پر فِىْ اَوَّلِ وَقْتِهَا کے الفاظ نہیں ہے۔ یعنی اول وقت نہیں بلکہ اس کے وقت پر۔

(۲) ”فِىْ اَوَّلِ وَقْتِهَا یعنی اول وقت میں“ کی زیادتی شاذ ہے اور ثقات کی مخالفت ہے اور محفوظ ”اَلصَّلٰوۃُ عَلٰى وَقْتِهَا ہے“ جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے۔

یہ روایت صحیح درجہ تک نہیں پہنچتی اور اس میں دیگر علتیں بھی ہیں اسلئے اس سے استدلال قابل قبول نہیں ہے۔

اس سلسلے میں اور بھی روایات پیش کی جاتی ہیں لیکن وہ سب ”صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے اعلاء السنن ج ۲ ص ۳۴ تا ۳۹ حاشیہ)

غیر مقلدین کے معمول، فجر کی نماز غلس میں پڑھنے کی دلیل میں کوئی روایت قابلِ استدلال نہیں اسلئے انکا دعویٰ رد ہے

احناف کے دلائل

● حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِىْ قَالَ اَخْبَرَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِىْ عُمَارَةُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَارَأَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ صَلّٰى صَلٰوۃً لَغَيْرِ مِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلَاتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا. **ترجمہ**:۔ عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو بجز دو نمازوں کے کوئی بھی نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا۔ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ملا کر پڑھی اور صبح کی نماز وقت سے پہلے پڑھی (صحیح بخاری کتاب الحج، مَتىٰ يُصَلِّى الْفَجْرَ بِجَمْعٍ ج ۱ ص ۲۲۸، مسلم کتاب الحج، بَابُ اِسْتِحْبَابِ

زِيَا دَةِ التَّغْلِيْسِ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ يَوْ مَ النَّحرِ بِا لْمُزْ دَلِفَةِ وَا لْمُبَا لَغَةِ فِيْهِ بَعْدَ تَحَقُّقِ طُلُوْعِ الْفَجْرِ ج۱ص۴۱۷)

● حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَجَآءٍ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ اِلٰى مَكَّةَ ثُمَّ قَدِمْنَا جَمْعاً فَصَلَّى الصَّلاتَيْنِ كُلَّ صَلٰوةٍ وَحْدَهَا بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ وَالْعَشَآءِ بَيْنَهُمَا ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ قَائِلٌ يَقُوْلُ طَلَعَ الْفَجْرُ وَقَائِلٌ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسولَ اللّٰه ﷺ قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلاتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا فِي هٰذَا الْمَكَانِ اَلْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ فَلا يَقْدُمُ النَّاسُ جَمْعاً حَتّٰى يُعْتِمُوا وَصَلٰوةَ الْفَجْرِ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ وَقَفَ حَتّٰى اَسْفَرَ ثُمَ قَالَ لَوْاَنَّ اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ اَفَاضَ الْاٰنَ اَصَابَ السُّنَّةَ فَمَآ اَدْرِىْ اَقَوْلُهٗ كَانَ اَسْرَعَ اَمْ دَفْعُ عُثْمَانَ فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّىْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ۔ **ترجمہ**:۔ عبدالرحمٰن بن یزیدؓ روایت کرتے ہیں ہم لوگ عبداللہ (بن مسعودؓ) کیساتھ مکے کیطرف روانہ ہوئے پھر ہم لوگ مزدلفہ آئے تو انہوں نے دو نمازیں پڑھیں ہر نماز کیلئے علیحدہ اذان و اقامت کہی ان دونوں کے درمیان کھانا کھایا پھر طلوع فجر کے وقت نماز فجر ادا کی جبکہ بعض کہتے تھے کہ صبح ہوگئی اور بعض کہتے تھے صبح نہیں ہوئی پھر رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بتایا کہ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اپنے وقت سے ہٹا دی گئی ہیں اسلئے اندھیرا ہونے تک لوگ مزدلفہ نہ آئیں اور نماز فجر کا یہ وقت نہیں پھر کھڑے رہے یہاں تک کہ خوب روشنی ہوگئی پھر کہا اگر امیر المؤمنین اسی وقت چل دیں تو سنت کے مطابق چلیں گے مجھے معلوم نہیں کہ ان کا کہنا پہلے ہوا یا عثمان پہلے چلے گئے وہ برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ قربانی کے دن رمی جمار کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الحج، مَتٰى يُصَلِّى الْفَجْرَ بِجَمْعٍ ج۱ص۲۲۸، مسلم کتاب الحج، بَابُ اِسْتِحْبَابِ زِيَادَةِ التَّغْلِيْسِ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَالْمُبَالَغَةِ فِيْهِ بَعْدَ تَحَقُّقِ طُلُوْعِ الْفَجْرِ ج۱ص۴۱۷) اور مسلم میں قَبْلَ وَقْتِهَا بِغَلَسٍ ہے۔

● حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ أَعْظَمُ لِلْاَجْرِ. **ترجمہ**:۔ حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی نماز خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھا کرو۔ اس کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ (ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْفَارِ بِالْفَجْرِ ج۱ص۴۰، أخرجہ ابن حبان والطبرانی کذا فی النیل ج۲ص۲۲، نسائی شریف ج۱ص۹۴، السنن الکبری للبیہقی ج۱ص۴۵۷، طبرانی کبیر ج۴ص۲۴۹)

● اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَعْقُوْبَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِىْ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ عَنْ رِجَالٍ مِّنْ قَوْمِهِ الْأَنْصَارِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت محمود بن لبیدؓ اپنی قوم انصار کے کچھ لوگوں سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم صبح کی نماز میں جس قدر اسفار کرو گے وہ اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

(نسائی شریف بَابُ الْاِ سْفَارِ ج۱ص۹۴)

● حَدَّ ثَنَا اَبِیْ ثَنَا هَا رُوْنُ بْنُ مَعْرُوْفٍ وَغَیْرُهٗ عَنْ اَبِیْ اِسْمَا عِیْلَ الْمُؤَ دَّبِ اِبْرَا هِیْمَ بْنِ سُلَیْمَانَ عَنْ هُرَیْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍؓ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّیْ رَافِعَ بْنَ خَدِیْجٍؓ یَّقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِبَلَالٍ نَوِّرْ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰی یَبْصُرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِمْ مِّنَ الْاِ سْفَارِ۔ **ترجمه**:۔ حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے ارشاد فرمایا: اے بلال! نماز فجر اس قدر روشنی میں پڑھا کرو یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشان کو دیکھ لیں۔ (مسند ابی داوٗد طیالسی ص ۱۲۹ حدیث ۱۹۶۱ المعجم الکبیر للطبرانی ص ۲۷۸ حدیث ۴۴۱۴، حدیث ۴۰۰، ابن ابی حاتم، ابن ابی شیبہ واسحاق)

● وَعَنْ بَیَانَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍؓ حَدِّثْنِی بِوَقْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِیْ الصَّلٰوةِ قَالَ کَانَ یُصَلِّی الظُّهْرَ عِنْدَ دُلُوْکِ الشَّمْسِ وَیُصَلِّی الْعَصْرَ بَیْنَ صَلٰوتِکُمُ الْاُوْلٰی وَالْعَصْرَ وَکَانَ یُصَلِّ الْمَغْرِبَ عِنْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَیُصَلِّی الْعِشَاءَ عِنْدَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ وَیُصَلِّی الْغَدَاةَ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ حِیْنَ یَفْتَحُ الْبَصَرُ کُلُّ مَابَیْنَ ذٰلِکَ وَقْتٌ اَوْقَالَ صَلٰوةٌ **ترجمه**:۔ حضرت بیانؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا وقت بتلایئے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز ادا فرماتے تھے سورج ڈھلنے کے بعد اور عصر کی نماز ادا فرماتے تھے تمہاری پہلی نماز (یعنی ظہر) اور عصر کے درمیانی وقت میں اور مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے سورج غروب ہونے کے بعد اور عشاء کی نماز ادا فرماتے تھے شفق کے غروب ہونے کے بعد اور فجر کی نماز ادا فرماتے تھے صبح صادق کے بعد جس وقت آنکھ کھلتی انہی اوقات کے درمیان نماز کا وقت ہے یا فرمایا نماز ہے۔ (مسند ابی یعلی ج ۷ ص ۷۶، حدیث ۱۲۴۹، مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، باب بیان الوقت ج ۱ ص ۳۰۴)

● وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّاؓ اَلصُّبْحُ بِغَلَسٍ فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِؓ اَسْفِرُوْا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ اَفْقَهُ لَکُمْ اِنَّمَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَخْلُوْا بِحَوَائِجِکُمْ. **ترجمه**:۔ حضرت جبیر بن نفیرؓ فرماتے کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو تو ابو درداءؓ نے فرمایا کہ اس نماز (فجر) کو اجالے میں پڑھو بلاشبہ تم اپنی ضروریات سے فارغ ہونا چاہتے ہو لیکن یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے (یعنی اسفار میں پڑھنا) (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، باب وقت الفجر ج ۱ ص ۱۲۶)۔

● عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِیِّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ عُبَیْدٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّاؓ یَّقُوْلُ لِمُؤَذِّنِهٖ اَسْفِرُوْا اَسْفِرُوْا. **ترجمه**:۔ حضرت علی بن ربیعہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو اپنے موذن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کو اجالے میں پڑھو، صبح کی نماز کو اجالے میں پڑھو (مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوۃ، باب وقت الفجر ج ۱ ص ۵۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوۃ "من کان ینور بها، لا یریٰ به بأساً ج ۳ ص ۱۲۷)۔

●**حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ،عَنْ سُفْيَانَ ،عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ ،عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ ؓ يُنَوِّرُ بِالْفَجْرِ.** **ترجمہ:** ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو آپ صبح کی نماز اجالے میں پڑھتے تھے (طحاوی کتاب الصلوٰۃ ج۱ ص۱۲۵ باب وقت الفجر. مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوٰۃ ج۱ ص۵٦۸ باب وقت الصبح ،مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات ج۳ ص۱۲۸ بَابُ مَنْ كَانَ يُنَوِّرُ بِهَا وَيُسْفِرُ..............الخ)

وجوہ ترجیح: ۔ فجر کی نماز غلس (اندھیرے میں لیکن صبح صادق کے بعد) میں ہو جاتی ہے اور ایسے ہی اسفار (چاندنا یا اجالا پھیلنے پر) میں بھی ہو جاتی ہے مگر بحث اس میں ہے کہ دونوں میں افضل کون ہے غلس یا اسفار؟ حضور اکرم ﷺ امت کی بہت رعایت کرتے تھے اس وجہ سے غلس میں بھی فجر کی نماز پڑھ لیتے۔ خود احناف بھی رمضان کے مہینے میں غلس میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں اور اسکی وجہ یہی ہے کہ لوگ سحری کھا کر فوراً سو نہ جائیں اور فجر کی نماز چھوٹ جائے۔

فریقین کی روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسفار کی روایات قولی ہیں اور اکثر حالات میں قولی روایات کو فعلی روایات پر ترجیح ہوتی ہے اسلئے اسفار (اجالا پھیلنے پر) فجر کی نماز پڑھنا افضل ہے اور روایات میں اسکا ثواب زیادہ آیا ہے۔

جب تک جماعت ملنے کا امکان ہو فجر کی سنت نہیں چھوڑنا چاہیئے

●**عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا اُقِيْمَتُ الصَّلوٰةُ فَلَاصَلوٰةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ.** **ترجمہ:** ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے تو کوئی نماز نہیں ہے سوائے فرض نماز کے (سنن الکبریٰ بیہقی ج۲ ص۴۸۳)۔ (اسے بخاری کے سوا صحاح ستہ کی پانچوں کتابوں میں نقل کیا گیا ہے)۔

درج بالا روایت کی بناء پر جب اقامت کہی جانے لگے اس وقت نفل، سنت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن فجر کی سنتوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ اسے پڑھے یا نہ پڑھے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) فجر کی سنتوں کے بارے میں بڑی فضیلت اور تاکید وارد ہوئی ہے۔

(۲) اور فجر کی دو سنتیں دوسری سنتوں کی طرح نہیں ہیں یہ زیادہ مؤکد ہیں اور ان کی قضاء کا عمل بھی وارد ہوا ہے۔

(۳) صحابہ کرام اور سلف صالحین سے جماعت کے وقت میں ان کا پڑھنا وارد ہوا ہے۔

(۱) **فجر کی سنتوں کی فضیلت وتاکید:** ۔● **حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى شَيْئٍ مِّنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مُعَاهَدَةً عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ اَمَامَ الصُّبْحِ.** (شرح السنہ ج۲ ص۲۷۵، حدیث نمبر ۸۷۴، صحیح بخاری ج۱ ص۱۵٦، کتاب التہجد ،باب تعاھد رکعتی الفجر ،صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۱، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب

رکعتی سنة الفجر ، ابوداؤد ج۱ ص۱۷۸ باب رکعتی الفجر)۔ **ترجمہ**:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جس قدر فجر کی دوسنتوں کا اہتمام فرماتے تھے نوافل میں اتنا اور کسی نفل کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔

● حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰی عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ۔(ترمذی وفی الباب عن علیؓ وابن عمرؓ، وابن عباسؓ)۔ **ترجمہ**:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعتیں (دو سنتیں) دنیا ومافیھا سے بہتر ہیں۔(ترمذی باب ما جاء فی رکعتی الفجر من الفضل ج۱ ص۹۴، کنز العمال ج۷ ص۳۷۰، ابن ابی شیبہ "فی رکعتی الفجر" ج۴ ص۱۴۴، شرح السنہ ج۲ ص۴۵۸، مستدرک حاکم ج۱ ص۴۵۰، حدیث نمبر ۱۱۵۱، صحیح بن خزیمہ ج۲ ص۱۶۱)۔

● حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا خَالِدٌ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ اِسْحٰقَ الْمَدَنِيَّ عَنِ ابْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ سَيْلَانَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَعُوْهُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنتیں) ترک نہ کرو اگرچہ تم کو گھوڑے بھی روند ڈالیں (ابوداؤد باب فی تخفیفھا و رکعتی الفجر ج۱ ص۱۷۹، امام احمد فی مسند، کنز العمال ج۷ ص۳۷۱، معرفۃ السنن والآثار ج۳ ص۴۵۱)

(۲) **فجر کی سنتیں زیادہ موکد ھیں اور ان کی قضاء بھی وارد ھے**:۔ ● عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْ طَلَبَتْكَ الْخَيْلُ هَارِبًا فَلَا تَتْرُكَنَّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. لَا تَجْعَلُوْا هٰذِهِ الصَّلَاةَ يَعْنِي الصُّبْحَ كَالصَّلَاةِ اللَّتِي قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا وَاجْعَلُوْا بَيْنَهُمَا فَصْلًا. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بھاگتے ہوئے گھوڑے تجھ کو روند ڈالیں پھر بھی فجر کی دو رکعتوں کو مت چھوڑو۔ یعنی صبح کی سنت کو ان سنتوں کی طرح نہ سمجھو جو ظہر سے پہلے اور بعد میں ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں فرق سمجھو۔

(کنزل العمال ج۷ ص۳۷۴، مستدرک حاکم ج۳ ص۴۸۷، حدیث نمبر ۵۸۱۹)

● عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ اِلَّا رَكْعَتَيِ الصُّبْحِ. **ترجمہ** :۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے تو کوئی نماز نہیں ہے۔ فرض کے علاوہ۔ سوائے فجر کی سنتوں کے (سنن کبریٰ بیہقی ج۲ ص۴۸۳)۔ (بیہقی نے کہا ہے کہ اِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ یہ زیادتی اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس طرح ابو ہریرہؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ............ . اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) وَلَا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ وَلَا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ رواه ابن عدی وبیهقی اور فتح الباری میں ہے کہ اس زیادتی کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں طرح کی زیادتی کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہوتا ہیکہ فجر کی سنتیں عام سنتوں کی طرح نہیں ہیں)

● عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ عَرَّسْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ نَسْتَيْقِظْ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَاْخُذْ

كُلُّ رَجُلٍ بِرَأْسِ رَاحِلَتِهٖ فَاِنَّ هٰذَا مَنْزِلٌ حَضَرَنَا فِيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ فَفَعَلْنَا ثُمَّ دَعَا بِالْمَآءِ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْغَدَاةَ (مسلم کتاب المساجد، ج ۱ ص ۲۳۸ باب قضاء الصلوٰة الفائتة .... الخ)۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ہمراہ سفر میں رات کے اخیر میں قیام کیلئے اترے، ہم بیدار نہیں ہونے پائے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوگیا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شخص اپنی سواری لے (یعنی کوچ کا حکم فرمایا) اسلئے کہ جس مقام پر ہم نے قیام کیا ہے یہاں شیطان ہے۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے (آپکے ارشاد کے مطابق) ایسا ہی کیا۔ پھر (جب ہم وہاں سے کوچ کر کے دوسرے مقام پر فروکش ہوئے) آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا۔ وضو فرمایا اور دو رکعت سنت فجر ادا فرمائی، پھر اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی۔

(صحیح مسلم شریف باب قضاء الصلوٰة الفائتة و استحباب تعجیل قضائها ج ۱ ص ۲۳۸، کذا فی ابوداؤد باب فی من نام عن صلوٰة او نسیها ج ۱ ص ۶۳، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۶۵، حدیث نمبر ۱۱۱۸، نسائی باب کیف یقضی الفائت من الصلوٰة ج ۱ ص ۱۰۲)

● وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَؓ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْهِ فَمَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الطَّرِيْقِ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ قَالَ احْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا فَكَانَ اَوَّلُ مَنِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالشَّمْسُ فِيْ ظَهْرِهٖ قَالَ فَقُمْنَا فَزِعِيْنَ ثُمَّ قَالَ ارْكَبُوْا فَرَكِبْنَا فَسِرْنَا حَتّٰى نَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِيْضَاةٍ كَانَتْ مَعِيْ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ مَّآءٍ قَالَ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا وُضُوْءًا دُوْنَ وُضُوْءٍ قَالَ وَبَقِيَ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ مَّآءٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ فَصَنَعَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ. **ترجمہ**:۔ ابو قتادہؓ سے روایت، کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا اور اسی میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستے سے ایک کنارے کو ہوئے اور لیٹ گئے، پھر فرمایا کہ اپنی نماز کی حفاظت کرو، چنانچہ سب سے پہلے بیدار ہونے والے رسول اللہ ﷺ تھے، اور سورج آپ کی پیٹھ پر تھا، راوی کہتے ہیں کہ ہم گھبرا کر کھڑے ہوئے، پھر نبی کریم ﷺ نے سوار ہونیکا حکم دیا چناچہ ہم سوار ہو کر چل دیئے، یہاں تک کہ ایک مقام پر اترے تو نبی کریم ﷺ نے وہ وضو کا برتن منگوایا جو (سفر میں) میرے ساتھ تھا جس میں کچھ پانی تھا راوی کہتے ہیں پھر آپ نے وضو پر وضو کیا، اور فرماتے ہیں کہ اس برتن میں کچھ پانی بچ گیا، پھر حضرت بلالؓ نے نماز کیلئے اذان پڑھی، نبی ﷺ نے دو رکعت نماز (سنت) ادا فرمائی پھر فجر کی نماز ادا فرمائی تو اس میں ویسا ہی کیا جیسا کہ ہر روز کرتے تھے۔

(مسلم کتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰة الفائتة .... الخ ج ۱ ص ۲۳۸)

(۳) **جب تک جماعت ملنے کا امکان ہو فجر کی سنت نہیں چھوڑنا چاہئیے**:۔ ● وَعَنْ اَبِيْ مِجْلَزٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِيْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَؓ وَابْنِ عَبَّاسٍؓ وَالْاِمَامُ يُصَلِّيْ فَاَمَّا ابْنُ عُمَرَؓ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَاَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍؓ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَؓ مَكَانَهٗ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو مجلزؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں صبح کی نماز میں ابن عباس اور

ابن عمرؓ کیساتھ مسجد میں داخل ہوا، اس حال میں کہ امام نماز پڑھا رہا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ صف میں شریک ہوگئے اور رہے ابن عباسؓ تو انہوں نے دو رکعت نماز (سنت) پڑھی پھر امام کیساتھ شریک ہوگئے پس جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ سورج نکلنے تک بیٹھے رہے اسکے بعد آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز (سنت) پڑھی (طحاوی کتاب الصلوۃ جلد ا ص ۲۵۷)

جن روایات میں فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنے کی کراہیت آئی ہے انکا کیا مطلب ہے؟

● وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثنا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَيْنَةَؓ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ ﷺ الصُّبْحَ اَرْبَعًا اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا. **ترجمہ**:۔ حضرت مالک بن بحینہؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جب کہ نماز کیلئے تکبیر کہی جا چکی تھی جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو لوگ اردگرد بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے صبح کی چار رکعتیں (بخاری کتاب الاذان، باب اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ج ا ص ۹۱، مسلم باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ بعد............ الخ ج ا ص ۲۴۷)۔

● حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَؓ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ بِالْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ صلوٰةِ الْغَدَاةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فِيْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَافُلَانُ بِاَيِّ الصَّلٰوتَيْنِ اِعْتَدَدْتَّ بِصَلٰوتِكَ وَحْدَكَ اَمْ بِصَلٰوتِكَ مَعَنَا. **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے اس نے دو رکعتیں مسجد کے ایک کونے میں پڑھیں پھر جماعت میں شریک ہوا رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تیری نماز کون سی تھی جو تو نے اکیلے پڑھی؟ یا جو ہمارے ساتھ پڑھی؟ (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، ج ا ص ۲۴۷ بَابُ كَرَاهَةِ الشُّرُوْعِ فِيْ نَافِلَةٍ بَعْدَ.......... الخ، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، ج ا ص ۱۸۰ بَابٌ اِذَا اَدْرَكَ الاِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، نسائی كِتَابُ الْاِمَامَةِ وَالْجَمَاعَةِ ج ا ص ۱۳۹ فِيْمَنْ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَالْاِمَامُ فِي الصَّلٰوةِ، ابن ماجة اَبْوَابُ اِقَامَةِ الصَّلَوَاتِ وَالسُّنَّةِ فِيْهَا ص ۸۲ بَابُ مَا جَآءَ فِيْ اِذَا اُقِيْمَتِ الصّلٰوةُ فَلَاصَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ)۔

● وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اُقِيْمَتْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَجَذَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِثَوْبِهٖ وَقَالَ اَتُصَلِّي الصُّبْحَ اَرْبَعاً. **ترجمہ**:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب فجر کی نماز کھڑی ہو چکی تو ایک شخص

کھڑا ہوا (تا کہ) دو رکعت نماز (سنت) پڑھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کپڑے کو کھینچا اور فرمایا کیا تو فجر کی چار رکعت (فرض) پڑھتا ہے (مسند احمد ج ا ص ۲۳۸)۔

●وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ ؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلاً صَلّٰی رَکْعَتَیِ الْغَدَاةِ حِیْنَ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ یُقِیْمُ فَغَزَالنَّبِیُّ ﷺ مَنْکِبَیْهِ وَقَالَ اَلَا کَانَ هٰذَاقَبْلَ ذَا. **ترجمه**:۔حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی دو رکعتیں (سنت) مؤذن کے اقامت شروع کرنیکے وقت پڑھ رہا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اسکے مونڈھوں کو کھینچا اور فرمایا خبردار! کہ یہ دو رکعتیں (سنت) تو اس (فرض) سے پہلے تھی (معجم صغیر للطبرانی ج ا ص ۵۵، مجمع لزوائد ج ۲ ص ۷۵)۔ یہ تمام روایات اس سلسلے میں ہیں جب کہ کوئی شخص صفوں میں سنت پڑھ رہا ہو۔ جماعت کی جگہ سے دور سنت پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ کے الفاظ سے اس پر دلالت ہوتی ہے اس روایت میں ہے کہ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰی رَجُلاً یُّصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ فَلَمَّاصَلّٰی قَالَ لَهٗ بِاَیِّ صَلٰوتَیْکَ اِعْتَدَدْتَّ. **ترجمه**:۔حضرت عبداللہ بن سرجس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جب کہ آپ ﷺ نماز میں تھے فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو کہا تو کون سی نماز پڑھ رہا تھا (یعنی اس پر نکیر فرمائی)

آپ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا جب کہ آپ خود نماز میں تھے، آپ ﷺ کا اس شخص کو دیکھنا اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ مسجد کے ایک جانب صف اول میں نماز پڑھ رہا ہو۔

نماز فجر کی جماعت کے وقت اگر کوئی مصلی آئے تو کیا کرے؟

(۱) فجر کی دو سنتوں کے بارے میں اصل طریقہ یہ ہے کہ ان کو گھر میں پڑھے۔

(۲) اگر گھر نہ پڑھ سکے تو مسجد کے پاس جو متعلق مسجد جگہ ہو وہاں پڑھ لے جیسے کہ مسجد کے دروازے اور وضوخانہ کے قریب

(۳) اگر کوئی مناسب جگہ خارج مسجد نہ ہو تو اگر مسجد کے دو حصے ہوں گرمی والا اور سردی والا، تو گرمی والے حصہ میں پڑھ لے، اگر جماعت شتوی (سردی والے) حصہ میں ہو رہی ہو، تو شتوی حصہ میں پڑھ لے، اگر جماعت صیفی (گرمی والے) حصہ میں ہو رہی ہو۔

(۴) اگر مسجد کے دو حصے نہ ہوں بلکہ پوری مسجد ایک ہی ہو تو صفوں کے پیچھے کسی کھمبے وستون کے آڑ میں پڑھ لے۔

(۵) یہ اس وقت ہے جب مسجد میں اس حال میں داخل ہو کہ امام نماز میں ہو اور سنت پڑھنے کے ساتھ ساتھ جماعت میں شمولیت ہو جائے۔

(۶) اگر جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سنت نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شامل ہو جائے۔

(۷) اگر امام نے نماز شروع نہیں کی ہے۔ جماعت میں وقت باقی ہے تو مسجد کے جس حصہ میں سنتیں پڑھنا چاہے پڑھ لے۔
(فتاویٰ تاتارخانیہ ج۱ ص۶۴۴)

(۸) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے جبکہ امام نمازِ فجر شروع کر چکا ہے تو اس وقت مسجد میں سنت پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے: **عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلاَ صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ** . **ترجمہ**:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو تو اس وقت سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں ہے (ترمذی **باب ما جاء اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ** ج۱ ص۹۶، ابن ماجہ **باب ما جاء اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ** ج۱ ص۸۰، صحیح ابن خزیمہ ج۲ ص۱۶۹) اور اس میں جماعت کی مخالفت ہے۔

اسلئے سنتوں کو اس وقت مسجد میں نہ پڑھا جائے بلکہ خارجِ مسجد متعلقات مسجد (باب مسجد وغیرہ) کے پاس پڑھ لے

(۹) اگر خارجِ مسجد جگہ نہیں ہے اور مسجد کے دو حصہ ہیں تو جس حصہ میں جماعت ہو رہی ہے اسکے علاوہ میں پڑھ لے، کیونکہ اس میں کم کراہت ہے بنسبت اس صورت کے جب کہ امام جس حصہ میں ہو اسی میں سنت ادا کی جائے۔

(۱۰) اور جس حصہ میں نماز ہو رہی ہو اس صف کو چھوڑ کر اسکے پیچھے صف میں پڑھنا کم مکروہ ہے بہ نسبت اسی صف میں سنت پڑھنے کے جس صف میں جماعت ہو رہی ہے۔

الحاصل: اس میں بڑی شدید کراہت ہے کہ اسی جماعت والی صف میں جماعت سے مل کر سنت ادا کی جائے جیسا کہ جاہل ناواقف لوگ کرتے ہیں۔

(۱) فتاویٰ قاضی خان میں ہے، اگر امام صیفی حصہ میں ہو تو فجر کی سنتوں کو شتوی حصہ میں پڑھ لے اور اگر شتوی حصہ میں ہو تو صیفی حصہ میں پڑھ لے۔ اور اگر صیفی و شتوی ایک ہی ہو تو صف کے پیچھے یا کسی کھمبے یا ستون کے پیچھے یا اس جیسی کوئی آڑ والی چیز کے پیچھے پڑھ لے۔

(۲) درمختار میں ہے: اگر مسجد کے دروازہ پر کوئی جگہ نماز (سنتِ فجر) کیلئے مناسب نہ ہو تو مسجد میں مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے پیچھے پڑھ لے، اور بڑی سخت کراہت کی بات یہ ہے کہ سنتوں کو جماعت کی صف کے متصل ہو کر ادا کیا جائے اسلئے کہ اس میں جماعت کی مخالفت ہے۔ (ہٰکذا فی فتح القدیر والخانیہ والبنایہ ودرالمختار التعلیق الحسن علیٰ آثارالسنن ۳۱۲، ۳۲)

☆ **وَعَنْ مَا لِکِ بْنِ مِغْوَلٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعاً یَّقُوْلُ اَیْقَظْتُ ابْنَ عُمَرؓ لِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَامَ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ**. **ترجمہ**:۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نمازِ فجر کیلئے بیدار کیا (ایسے وقت میں جب کہ) اقامت کہی جا چکی تھی آ کھڑے ہوئے اور دو رکعت سنت ادا کی۔

(رواہ الطحاوی **باب اداء سنة الفجر** ج۱ ص۲۲۰، اسنادہ صحیح)

☆عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّهُ جَاءَ وَ الْاِمَامُ يُصَلِّى الصُّبْحَ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّ كْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ فَصَلَّاهُمَا فِيْ حُجْرَةِ حَفْصَةَ ثُمَّ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ . **ترجمه**:۔ حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (مسجد میں) آئے امام صبح کی نماز پرھا رہا تھا۔ آپ نے فجر کی سنت نہیں پڑھ رکھی تھی تو ان دو رکعتوں کو اپنی بہن حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں پڑھا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوئے۔

(رواہ الطحاوی باب اداء سنة الفجر ج ١ ص ٢٢٠، رجالہ ثقات)

☆عَنْ اَبِى الدَّ رْدَآءِؓ اَنَّهُ كَانَ يَدْ خُلُ الْمَسْجِدَ وَا لنَّاسُ صُفُوْفٌ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّى الرَّ كْعَتَيْنِ فِيْ نَا حِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِى الصَّلٰوةِ . **ترجمه**:۔ حضرت ابودرداءؓ (جب) مسجد میں ہوتے تھے ایسے وقت جب کہ لوگ صف بستہ نماز فجر میں ہوتے تھے تو دو رکعتیں یعنی فجر کی سنتیں مسجد کے گوشہ میں پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز (فجر کی جماعت) میں شامل ہو جاتے۔ (رواہ الطحاوی باب اداء سنة الفجر ج ١ ص ٢٢٠، اسنادہ حسن)

☆عَنْ اَبِى الدَّ رْدَاءِؓ قَالَ اِنِّىْ لَاَجِىُ اِلَى ا لْقَوْمِ وَهُمْ صُفُوْفٌ فِىْ صَلَا ةِالْفَجْرِ فَاُصَلِّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ اَنْضَمُّ اِلَيْهِمْ . **ترجمه**:۔ حضرت ابودرداءؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ بلاشبہ میں لوگوں کے پاس اس حال میں آتا ہوں کہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے ہیں تو میں (فجر کی سنت) دو رکعتیں پڑھتا ہوں، پھر ان کیساتھ شامل ہو جاتا ہوں ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج ٤ ص ٣٩٤، مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقیمت الصلوٰة ج ٢ ص ٤٤٣)

فائدہ :۔ مصنف عبدالرزاق میں مزید وضاحت ہے کہ ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں نماز فجر کے ہوتے ہوئے مسجد میں پہنچتا ہوں تو مسجد کے کسی کھمبے کا قصد کرتا ہوں پھر اس کے آڑ میں اطمعنان سے دو رکعتیں مکمل طور سے پڑھتا ہوں، پھر نماز با جماعت میں شامل ہوتا ہوں۔ (مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقیمت الصلوٰة ج ٢ ص ٤٤٣، ٤٤٤)

☆عَنْ عَبْدِ ا للّٰهِ بْنِ اَبِىْ مُوْسىٰ قَالَ جَاءَ نَا ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ وَ ا لْاِمَامُ يُصَلِّى الْفَجْرَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اِلٰى سَارِيَةٍ وَّلَمْ يَكُنْ صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ . **ترجمه**:۔ حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تشریف لائے، امام نماز فجر پڑھا رہے تھے آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھ رکھی تھیں تو ایک کھمبے کے پاس دو رکعت سنتِ فجر ادا کی۔ (طبرانی فی کبیر ج ٩ ص ٢٧٧ حدیث نمبر ٩٣٨٥، مصنف عبدلرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقیمت الصلوٰة ج ٢ ص ٤٤٤)

☆عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرَّبٍ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَاَبَامُوْسىٰؓ خَرَجَامِنْ عِنْدِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِؓ فَاُ قِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَرَكَعَ ا بْنُ مَسْعُوْدٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِى الصَّلٰوةِ وَاَمَّااَبُوْمُوْسىٰ فَدَخَلَ فِى الصَّفِّ . **ترجمه** :۔ حضرت حارث بن مضرب کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ سعید بن العاصؓ کے پاس سے واپس ہوئے تو نماز فجر کی اقامت کہی گئی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دو رکعت سنت پڑھ کر نماز میں لوگوں کیساتھ

شامل ہوئے اورابوموسیٰ صف میں شامل ہوئے (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج۲ص۳۹۴)

☆عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ أَبِیْ مُوْسٰی عَنْ أَبِیْہِ قَالَ أُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَتَقَدَّمَ عَبْدُ اللّٰہِ اِلٰی الْأُسْطُوَانَۃِ فِیْ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی رَکَعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِیْ الْمَسْجِدِ. رواہ الطبرانی فی الکبیر ۔(۹:۲۷۷، حدیث نمبر ۹۳۸۷)

ترجمہ :۔ حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ نماز فجر کی اقامت کہی گئی تو عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد کے ستون کے پاس دو رکعت سنت پڑھی پھر نماز میں شامل ہوئے۔

عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسرُوقٍ أَنَّہُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْقَومُ فِیْ صَلَاۃِ الغَدَاۃِ وَلَمْ یَکُنْ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ فَصَلَّاھُمَافِیْ نَاحِیَۃٍ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلَاتِھِمْ . **ترجمہ**:۔ حضرت شعبیؒ سے منقول ہے کہ حضرت مسروقؒ مسجد میں اسوقت آئے جبکہ لوگ نماز فجر کی جماعت میں تھے اورانہوں نے فجر کی سنت نہ پڑھی تھی تو ان دو رکعتوں کو (مسجد کے) گوشہ میں پڑھ کر پھر لوگوں کیساتھ نماز میں شامل ہوئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج۲ص۳۹۲، مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقیمت الصلوٰۃ ۲:۴۴۴، رواہ الطحاوی باب اداء سنۃ الفجر ۱:۲۲۰، واسنادہ صحیح)

☆عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ اَنَّہُ جَاءَ فِی الْمَسْجِدِ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلاَۃِ الْفَجْرِ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّلِجَ الْمَسْجِدَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ. **ترجمہ**:۔ حضرت سعید بن جبیرؒ مسجد میں اس وقت تشریف لائے جبکہ امام نماز فجر میں تھے، چنانچہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل مسجد کے دروازہ پر دو رکعت سنت فجر ادا فرمائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج۲ص۳۹۲)

☆عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ الْاَنْصَارِیِّؒ قَالَ جَاءَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ وَلَمْ یَکُنْ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ فَصَلّٰی عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ الرَّکْعَتَیْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَھُمْ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابوعثمان انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (مسجد میں) آئے، امام کو صبح کی نماز میں پایا، فجر کی دو رکعت سنتیں نہیں پڑھ رکھی تھیں، آپ نے دو رکعتوں کو امام کے پیچھے (مسجد کے کسی حصہ میں) پڑھ کر امام کیساتھ نماز میں شامل ہوئے۔

(طحاوی باب اداء سنۃ الفجر ۱:۲۱۹)

☆عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ النَّھْدِیِّ قَالَ کُنَّانَاْتِیْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّیَ الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَ ھُوَ فِیْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلاَتِھِمْ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں ہم (صحابی وتابعین) حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس فجر کی دو رکعتوں کے پڑھے بغیر حاضر ہوجاتے اس حال میں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نماز فجر میں مشغول ہوتے۔ چنانچہ ہم لوگ مسجد کے اخیر حصہ میں سنت فجر پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہوجاتے تھے۔

(طحاوی ج۱ص۲۲۰، اسنادہ حسن)

عَنْ یَزِیْدَ ابْنِ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ اِذَادَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَلَمْ تُصَلِّ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَصَلِّهُمَا وَاِنْ کَانَ الْاِمَامُ یُصَلِّیْ ثُمَّ ادْخُلْ مَعَ الْاِمَامِ. **ترجمه**:۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے جب تم مسجد میں (نماز فجر کیلئے) پہنچو اور تم نے فجر کی دو سنتیں ادا نہ کی ہوں تو ان دونوں کو (مسجد کے گوشہ میں کمافی روایہ اخری) پڑھ لو۔ اگر امام نماز پڑھا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ (طحاوی باب اداء سنة الفجر ج ۱ ص ۲۲۰) اس روایت میں اضافہ ہے: فَارْکَعْھُمَا وَاِنْ ظَنَنْتَ أَنَّ الرَّکْعَةَ الْاُوْلٰی تَفُوْتُکَ یعنی دو سنتوں کو پڑھ لو اگرچہ پہلی رکعت کے فوت ہونے کا تم کو اندیشہ ہو۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۳۵۷.....تا ۳۶۲)

فـــائـده:۔ فائدہ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۰، مسلم ج ۱ ص ۲۴۷، نسائی ج ۱ ص ۱۰۰، والی وہ روایت جس میں ہے کہ آپ ﷺ نماز فجر پڑھا رہے تھے ایک صحابی آئے اور آ کر دو رکعت سنت فجر کی نیت باندھ لی اس سے فارغ ہو کر آپ کے ساتھ فرض نماز میں شامل ہوئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان سے انکار کے طور پر اور انکے اس فعل پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے دریافت کیا کہ تم نے یہ کونسی نماز تنہا ادا کی ہے اس روایت میں ہے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ جب امام نماز شروع کر دے تو سنت میں نہیں مشغول ہونا چاہئے اسلئے کہ آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی ہے۔

(عون المعبود ج ۴ ص ۱۰۵، کذافی نووی ج ۱ ص ۲۴۷)

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ اس نو وارد شخص نے مسجد کے اندر صف سے متصل ہو کر سنت فجر ادا کی تھی اسلئے آپ ﷺ نے نکیر فرمائی تھی جیسا کہ ابن ماجہ کے الفاظ سے اس پر دلالت ہوتی ہے. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأٰی رَجُلاً یُصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَھُوَفِی الصَّلٰوةِ الخ ......(ابن ماجہ ج ۱ ص ۸۰) اس روایت میں ہے کہ آپ نے اس شخص کو دیکھا جبکہ آپ خود نماز میں تھے، آپ ﷺ کا اس شخص کو دیکھنا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ مسجد کے ایک جانب صف اول میں نماز پڑھ رہا ہو، کوئی اگر صف سے علاحدہ دو رکعت سنت فجر ادا کرے تو مذکورہ روایت سے اس پر کوئی ممانعت وارد نہیں ہوتی ہے (بذل المجہود ج ۲ ص ۲۶۳)

خلاصۂ کلام:۔ مذکورہ آثار و روایات سے ثابت ہوا کہ فجر کی دو رکعت سنتوں کی بڑی اہمیت ہے اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہونچے جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو فجر کی سنت جماعت پانے کے امکان کیساتھ مسجد کے کسی گوشہ میں یا متعلق مسجد میں جماعت والی صف سے دور ہو کر ادا کر کے پھر جماعت میں شامل ہو جائے تا کہ جماعت کی فضیلت حاصل رہے اور سنت فجر کی تاکید و اہتمام پر بھی عمل رہے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام کا ایسے وقت میں معمول تھا کہ مسجد کے اخیر حصہ میں یا دروازے پر، یا کسی ستون و کھمبے کی آڑ میں پڑھ لیتے تھے۔ ہاں جماعت والی صف میں مسجد کے اندر سنت پڑھنا سخت مکروہ ہے۔ جیسا کہ لاعلم حضرات کرتے ہیں اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

’’فجر کی نماز کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے پہلے‘‘ فجر کی سنت پڑھنا مکروہ ہے

● عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَلٰوتَیْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو نمازوں سے منع فرمایا فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

(مسلم کتاب فضائل القرآن باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها ج۱ ص۲۷۵، بخاری کتاب مواقیت الصلوٰة، باب الصلوٰة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ج۱ ص۸۳)

● وعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ غَیْرَ وَاحِدٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ وَكَانَ اَحَبُّهُمْ اِلَیَّ اَنَّ رَسُوْلَ ﷺ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کئی صحابیوں سے سنا جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور مجھے دیگر صحابہ سے زیادہ محبوب ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا۔ (مسلم کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها ج۱ ص۲۷۵، بخاری کتاب مواقیت الصلوٰة، باب الصلوٰة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ج۱ ص۸۲)

● وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اور فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے (مسلم کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها ج۱ ص۲۷۵، بخاری کِتَابُ مَوَاقِیْتِ الصَّلٰوةِ، بَابُ لَا تَتَحَرَّی الصلوٰة قبل غروب الشمس ج۱ ص۸۲)

یہ روایت متفق علیہ ہے۔ غیر مقلدین ’’لَا صَلٰوةَ‘‘ کا ترجمہ کرتے ہیں کوئی نماز نہیں (نہ سنت نہ نفل نہ انفرادی نہ اجتماعی وغیرہ وغیرہ)

● وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطَانٍ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَّحْضُوْرَةٌ حَتّٰی یَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ حِیْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَیْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَّحْضُوْرَةٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰی تَغْرُبَ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطَانٍ وَّحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ. **ترجمہ**:۔ حضرت عمرو بن

عبسہؓ سے روایت ہے فرماتے کہ میں نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے نماز کے بارے میں بتلایئے ارشاد ہوا صبح کی نماز پڑھو پھر طلوع آفتاب کے وقت اسکے بلند ہونے تک نماز سے باز رہو، کیونکہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے، اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں، پھر آفتاب بلند ہونے پر نماز پڑھو کہ اس وقت کی نماز کی کراماً کاتبین گواہی دینگے، حتیٰ کہ نیزہ کا سایہ اسکے سر پر آجائے (یعنی نصف النہار کا وقت) اس وقت نماز نہ پڑھو، کیوں کہ اس وقت جہنم دہکائی جاتی ہے، پھر جب زوال ہو جائے تو نماز پڑھو کیونکہ اسوقت کی نماز کی حاضر فرشتے گواہی دیں گے، یہاں تک کہ تم نماز عصر پڑھ لو، تو آفتاب غروب ہو جانے تک نماز سے رکے رہو کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے، اور اس وقت کافر اسے سجدہ کرتے ہیں۔

(مسلم کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیھا ج۱ ص۲۷۶، مسند احمد ج۴ ص۱۱۱)

● حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمِ الْعَمِّيّ الْبَصرِيُ نَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ بَشِيْر بْنِ نَهِيْک وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَاتَطْلُعُ الشَّمْسُ (ترمذی ابواب الصلوۃ، باب ما جاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس ج۱ ص۹۶)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہ پڑھی ہو اس کو چاہیئے کہ سورج نکلنے کے بعد پڑھ لیوے۔

☆ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ فُضَيْلٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّهُ صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَمَا اَضْحٰى. **ترجمہ**:۔ حضرت نافع بن عمرؓ سے روایت ہیکہ انہوں نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) چاشت کے بعد پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 'قضاء سنة الفجر بعد صلاة الصبح 'ج۲ ص۱۷۰)

☆ وَعَنْ اَبِیْ مِجْلَزٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِی صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَؓ وَابْنِ عَبَّاسٍؓ وَالْاِمَامُ يُصَلِّیْ فَاَمَّا ابْنُ عُمَرَؓ دَخَلَ فِی الصَّفِّ وَاَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍؓ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَؓ مَكَانَهُ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابو مجلزؒ سے روایت ہے کہ میں ابن عباس اور ابن عمرؓ کیساتھ صبح کی نماز میں مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ امام نماز پڑھا رہا تھا چنانچہ ابن عمرؓ صف میں شامل ہو گئے اور رہے ابن عباسؓ تو انہوں نے دو رکعتیں (سنت) پڑھی پھر امام کیساتھ شامل ہو گئے پس جب امام نماز سے فارغ ہوا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ بیٹھے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تو آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔

(طحاوی کتاب الصلوۃ، باب اداء سنة الفجر ج۱ ص۲۵۷)

☆ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يَقُوْلُ اِذَا لَمْ اُصَلِّهِمَا حَتّٰى اُصَلِّيَ الْفَجْرَ صَلَّيْتُهُمَا بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوۃ، "فی رکعتی الفجر اذا فاتته

”ج۴ص۴۰۴) **ترجمہ**:۔ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میں فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہیں پڑھا ہوا ہوتا ہوں یہاں تک کہ میں فجر کی نماز (فرض) سے فارغ ہولیا ہوتا ہوں تو اس کو سورج نکلنے کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۳۶۸......تا ۳۷۰)

غیر مقلدین فجر کی قضاء سنتوں کو فجر کی فرض کے فوراً بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں اور اسکی دلیل میں درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں

● **حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقِ نَاعَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ جَدِّهٖ قَيْسٌ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِيْ اُصَلِّيْ فَقَالَ مَهْلاً يَا قَيْسُ اَصَلٰوتَانِ مَعًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَمْ اَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ فَلَا اِذَنْ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ** ۔ (ترمذی ابواب الصلوۃ، **باب ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس** ج۱ص۹۶، ابوداود کتاب الصلوۃ، **باب من فاتتہ متی یقضیھا** ج۱ص۱۸۰، ابن ماجہ **باب ماجاء فیمن فاتتہ الرکعتان قبل صلوٰۃ الفجر... الخ** ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیھا، ص۸۲، مسند احمد ج۵ص۴۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات، ”**فی رکعتی الفجر اذا فاتتہ**“ ج۴ص۴۰۰، مستدرک حاکم کتاب الصلوۃ، **باب قضاء سنۃ الفجر بعد الفرض** ج۱ص۲۷۵، سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوۃ، **باب من اجاز قضاءھما بعد الفراغ من الفریضۃ** ج۲ص۴۸۳)

ترجمہ:۔ حضرت قیسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے نکلے چنانچہ نماز کھڑی کی گئی تو میں نے آپ ﷺ کیساتھ صبح کی نماز پڑھی جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھکو نماز پڑھتے ہوئے پایا فرمایا رک جاؤ اے قیس کیا دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہیں پڑھی تھی فرمایا تب کوئی حرج نہیں۔

استدلال پر اعتراضات:۔ ترمذی نے کہا کہ محمد بن ابراہیم کی حدیث نہیں جانتے ھیں ان کو مگر حدیث سعد ابن سعید سے یہ حدیث متصل نہیں ہے اسلئے کہ محمد بن ابراہیم تیمی نے قیس سے نہیں سنا ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ قیس ابن عمرو ہیں اور کچھ نے کہا کہ قیس ابن قہد ہیں۔

ابوداؤد اور ترمذی اور دوسروں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت منقطع بھی ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے صراحت کی ہے۔ ابن خزیمہ ابن حبان حاتم اور دوسروں نے اس طرح موصولاً روایت کی ہیں **اسد ابن موسی عن اللیث بن سعد عن یحیٰی بن سعید بن ابیہ عن جدہ قیس ابن قھد** ۔ سعید ابن قیس کا انکے باپ سے سماع کے بارے میں نظر ہے اسلئے کہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ سعید یعنی یحیٰی بن سعید کے والد نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ اور اسکے ساتھ یہ طریق غیر محفوظ ہے اسلئے کہ اسد بن موسیٰ عن اللیث عن یحیٰی بن سعید کا تفرد ہے اور محفوظ یہ ہے

یحیٰ بن سعید نے ارسال کیا ہے اور اسد نے تفرد کیا ہے موصولاً اگر چہ زیادتی ثقہ سے ہو اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے لیکن اقویٰ اور ارجح کے مقابلے میں محفوظ نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث قیس متصل نہیں ہے صحیح سند کیساتھ بلکہ مرسل ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہیں۔ علامہ نیمویؒ کہتے ہیکہ اس سلسلے کی دوسری روایات سب کی سب ضعیف ہیں اور شدید ضعیف ہیں۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن حاشیہ ص ۳۶۶، اور اعلاء السنن وغیرہ)

● وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ رَأٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَجُلاً یُّصَلِّیْ بَعْدَ الْغَدَاۃِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ اَکُنْ صَلَّیْتُ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَصَلَّیْتُھُمَا الْاٰنَ فَلَمْ یَقُلْ لَّہٗ شَیْئاً۔ (محلی لابن حزمؒ کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص ۸۲ باب من سمع اقامة صلاة الصبح فلایشتغل لغیرها.) **ترجمہ**:۔ حضرت عطاء بن ابی رباح ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فجر (فرض) کے بعد نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس شخص نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہیں پڑھی تھی تو اس لئے ان کو ابھی پڑھی ہے آپ ﷺ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔

استدلال پر اعتراضات:۔ علامہ نیموی نے کہا کہ اس میں نظر ہے۔

اس روایت کی تخریج کی گئی مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ بْنِ ذَکْوَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ.

اَلْحَسَنُ بْنُ ذَکْوَانَ اَبُوْسَلَمَۃَ الْبَصْرِیُّ:۔ تقریب میں ہے صدوقٌ اور خطاء کرتے تھے اور تدلیس کرتے تھے۔

ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابن حزم سے راجح سند کیساتھ اس روایت کو مرسلاً روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث مرسلاً روایت کی گئی ہے۔ بہر حال محفوظ روایت مرسل ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن حاشیہ ص ۳۶۷/۶۸)

غرض فجر کی قضاء سنت، فجر کی فرض نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح روایت نہیں ہے اس لئے قضاء سنتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا چاہیئے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کیجئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فجر کی سنتوں کی قضاء کی ہو۔ اگر کی ہے تو کس وقت طلوع آفتاب سے پہلے یا بعد؟

(۲) فجر کی سنتوں کی قضاء کو فجر کی فرض کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟

ظہر کا آخر وقت اور عصر کا اول وقت (مثل اور مثلین کی بحث)

ایک مثل :۔ جب ہر چیز کا سایہ فیئ زوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے تو اصطلاح میں اس کو ایک مثل

(مانند) کہتے ہیں۔

دو مثل یا مثلین :۔ جب ہر چیز کا سایہ فی زوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے ڈبل (دوہرا) ہو جائے تو اصطلاح میں اس کو دو مثل یا مثلین کہتے ہیں۔

غیر مقلدین :۔ ان کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ :۔ ایک قول (اسد بن عمرو کی روایت سے) یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا ظہر کی نماز ایک مثل تک ختم کر لینا چاہئے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھنی چاہئے اسی میں احتیاط ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے اور اسکے فوراً بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے

غیر مقلدین کے دلائل

غیر مقلدین کا موقف ہے کہ عصر کی نماز کا وقت ایک سایہ پر شروع ہوتا ہے اسکی دلیل میں وہ دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں (۱) غیر صریح روایات (۲) صریح روایات۔

غیر صریح روایات :۔ ● حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں "فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَیْضَآءُ نَقِیَّةٌ"، یعنی رسول خدا ﷺ نے قائم کی نماز عصر دراں حالیکہ آفتاب تھا بلند صاف (یعنی زرد نہ تھا)۔
(مسلم باب استحباب التکبیر با لعصر ج ۱ ص ۲۲۵)

● وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَیَّةٌ روایت ہے حضرت انسؓ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز عصر پڑھتے تھے، اور آفتاب ہوتا تھا بلند، زرد، (یعنی روشن بغیر زردی کے) (بخاری ج ۱ ص ۷۸، مسلم باب استحباب التکبیر با لعصر ج ۱ ص ۲۲۵)

● حضرت انسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ یَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا صُفَرَّتْ وَکَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعاً لَا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهَا اِلَّا قَلِیْلاً یہ منافق کی نماز عصر ہے۔ (جو اخیر وقت پڑھی جائے) کہ بیٹھ رہتا ہے، انتظار کرتا ہے آفتاب کا۔ یہاں تک کہ جب ہو جاتا، زرد، اور ہوتا ہے درمیان دو سینگوں شیطان کے (یعنی غروب کے وقت) کھڑا ہوتا ہے (نماز کے لئے) پھر ٹھونگیں مارتا ہے چار نہیں کرتا یاد اس میں اللہ کو مگر تھوڑا۔ (مسلم باب استحباب التکبیر با لظہر ج ۱ ص ۲۲۵)

☆ حضرت عمرؓ کا گشتی فرمان ہے، جو آپ نے اپنے گورنروں کے نام جاری کیا تھا اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ ہو جائے، یہاں تک کہ وہ سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھو دراں حالیکہ سورج بلند،

چمکدار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سوار دو یا تین فرسخ سفر کر سکے..........

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ غیر نبی کا فرمان ہے اسلئے غیر مقلدین اسے بطور استدلال نہیں پیش کر سکتے۔

دوسرا یہ کہ یہ ایک سایہ کیلئے صریح نہیں ہے، مثلین کے قائل بھی اسلئے دعویدار ہیں کہ دو مثل پر سورج بلند، چمکدار اور صاف ہوتا ہے اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک سوار دو یا تین فرسخ سفر کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام روایات میں کہیں بھی ایک مثل یا دو مثل کا ذکر نہیں ہے اسلئے تمام روایات غیر صریح ہیں۔ رہ گیا ان روایات سے قیاس تو حضرت بریدہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات میں ہے کہ حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے جب کہ سورج بلند اور صاف ہوتا تھا۔ دو سائے پر بھی سورج کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسلئے اسے صرف ایک سایہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور تیسری روایت میں سورج کے غروب ہونیکے قریب کا وقت ہے دو سائے کا وقت نہیں ہے اسلئے ان روایات سے صرف ایک مثل قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ غرض مذکورہ روایات بطورِ استدلال قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے ایک مثل کی حجت میں قابلِ قبول نہیں ہیں۔ اور دیگر تمام غیر صریح روایات کا بھی یہی حکم ہے۔

صریح روایات:۔ ● حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِیّ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَیَّاشِ بْنِ رَبِیْعَةَ عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حَکِیْمٍ وَهُوَ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَافِعُ بْنُ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اِبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَمَّنِیْ جِبْرَئِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلَّی الظُّهْرَ فِی الْاُوْلٰی مِنْهُمَا حِیْنَ کَانَ الْفَیْءُ مِثْلَ الشِّرَاکِ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ کُلُّ شَیْءٍ مِّثْلَ ظِلِّهٖ ثُمَّ صَلَّی الْمَغْرِبَ حِیْنَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ وَاَفْطَرَ الصَّآئِمُ ثُمَّ صَلَّی الْعِشَآءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ صَلَّی الْفَجْرَ حِیْنَ بَرَقَ الْفَجْرُ وَحَرُمَ الطَّعَامُ عَلَی الصَّآئِمِ وَصَلَّی الْمَرَّةَ الثَّانِیَةَ الظُّهْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَهٗ لِوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْاَمْسِ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَیْهِ ثُمَّ صَلَّی الْمَغْرِبَ لِوَقْتِهِ الْاَوَّلِ ثُمَّ صَلَّی الْعِشَآءَ الْاٰخِرَةَ حِیْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ ثُمَّ صَلَّی الصُّبْحَ حِیْنَ اَسْفَرَّتِ الْاَرْضُ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ فِیْمَا بَیْنَ هٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔ **ترجمہ:۔** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے امامت کی میری جبرئیل نے خانہ کعبہ کے پاس دو بار، تو نماز پڑھی ظہر کی جب آفتاب ڈھل گیا اور سایہ جوتی کے تسمے کے برابر ہوا، اور عصر کی نماز پڑھی جب سایہ اس کا اسکے (سائے کے، مراد مثلین ہے) برابر ہوا اور نماز پڑھی مغرب کی جس وقت روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور نماز پڑھی عشاء کی جب شفق غائب ہوگئی اور نماز پڑھی فجر کی، جب روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق نکلتی ہے) پھر دوسری نماز پڑھی ظہر کی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوا۔ اور نماز پڑھی عصر کی جب سایہ ہر چیز کا برابر ہوا۔ اور نماز پڑھی مغرب کی جب روزہ دار روزہ کھولتا ہے، اور نماز پڑھی عشاء کی تہائی رات پر اور نماز پڑھی فجر کی روشنی میں پھر میری طرف متوجہ ہوئے (حضرت جبرئیل علیہ السلام)

اور کہا اے محمدؐ یہی وقت ہے تجھ سے پہلے پیغمبروں کا اور نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔ (ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ........ الخ ج۱ ص۳۸، ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت ج۱ ص۵۶، مسند احمد ج۱ ص۳۳۳، صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوٰۃ، باب ذکر الدلیل علی ان فرض الصلوٰۃ .... الخ ج۱ ص۱۶۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، باب امامة جبرئیل ج۱ ص۲۵۸، مستدرک حاکم کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوات الخمس ج۱ ص۹۳)

استدلال پر اعتراضات:۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کی دلیل ’’صحیح‘‘ حدیث ہے جب کہ یہ حدیث حسن ہے اسلئے ان سے بطور استدلال قبول نہیں کی جائیگی۔

نیز یہ کہ یہ روایت دور اول کی ہے اور باقی تمام روایتیں بعد کی ہیں اسلئے احتمال ہے کہ مثل اور مثلین کے معاملے میں نسخ ہوا ہو، یعنی عصر کا وقت گھٹا کر مثلین سے مثل کر دیا گیا ہو، اور ظہر کا وقت بڑھا کر مثلین تک کر دیا گیا ہو، لہٰذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تا کہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے۔ اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائیگی تو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت (موطا امام مالک، اور موطا امام محمد)، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت (متفق علیہ) اور حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایت جو صحاح ستہ میں مروی ہے (ترمذی) ان روایات کی بناء پر کھٹکا رہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔ اس لئے احوط (زیادہ احتیاط) یہی ہے کہ عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے۔

● وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَّسُوْلَ اللّٰہِ عَنْ وَّقْتِ الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا دَلَکَتِ الشَّمْسُ اَذَّنَ بِلَالٌ لِلظُّھْرِ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعَصْرِ حِیْنَ ظَنَنَّا اَنَّ ظِلَّ الرَّجُلِ اَطْوَلُ مِنْہُ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعِشَآءِ حِیْنَ ذَھَبَ بَیَاضُ النَّھَارِ وَھُوَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ لِلْفَجْرِ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَاَمَرَہٗ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ الْغَدَ لِلظُّھْرِ حِیْنَ دَلَکَتِ الشَّمْسُ فَاَخَّرَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَہٗ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَقَامَ وَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعَصْرِ فَاَخَّرَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَیْہِ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَقَامَ وَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخَّرَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی کَادَ یَغِیْبُ بَیَاضُ النَّھَارِ وَھُوَ الشَّفَقُ فِیْمَا یُرٰی ثُمَّ اَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَصَلّٰی ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعِشَآءِ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ فَقُمْنَا ثُمَّ قُمْنَا مِرَارًا ثُمَّ خَرَجَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ مَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ یَنْتَظِرُ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ غَیْرُکُمْ فَاِنَّکُمْ فِیْ صَلٰوۃٍ مَّا انْتَظَرْتُمُوْھَا وَلَوْلَآ اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُ بِتَاْخِیْرِ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ اَوْ اَقْرَبَ مِنْ نِّصْفِ اللَّیْلِ ثُمَّ اَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَاَخَّرَھَا حَتّٰی کَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَطْلُعَ فَاَمَرَہٗ فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی ثُمَّ قَالَ الْوَقْتُ بَیْنَ ھٰذَیْنِ. **ترجمہ:۔** حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے

رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے متعلق دریافت کیا (کہ نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے) اور پھر (پہلے دن) سورج ڈھلتے ہی (آپ نے حضرت بلال ؓ کو ظہر کی اذان کا حکم دیا) حضرت بلال ؓ نے ظہر کی اذان دی پھر ان کو (تکبیر کا) حکم دیا اور انہوں نے نمازِ ظہر کی تکبیر کہی اور نماز (ظہر) ادا کی۔ پھر (آپ نے حضرت بلال ؓ کو عصر کی اذان کا حکم دیا) حضرت بلال ؓ نے عصر کی اذان دی، ہمارا خیال ہے کہ اس وقت آدمی کا سایہ اس سے لمبا ہو چکا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو (تکبیر کا) حکم دیا انہوں نے تکبیر کہی پھر نماز (عصر) ادا کی پھر (آپ نے حضرت بلال ؓ کو مغرب کی اذان کا حکم دیا) حضرت بلال ؓ نے مغرب کی اذان دی اس وقت جب کہ سورج غائب ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو (تکبیر کا) حکم دیا حضرت بلال ؓ نے (مغرب) کی تکبیر کہی اور نماز (مغرب) ادا کی پھر حضرت بلال ؓ نے عشاء کی اذان دی اس وقت جب کہ دن کی سفیدی چلی گئی اور وہ شفق ہے پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) عشاء کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلال ؓ نے فجر کی اذان دی اس وقت جب کہ فجر طلوع ہوئی آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) فجر کی نماز کھڑی کی پھر دوسرے دن حضرت بلال ؓ نے سورج ڈھلتے ہی ظہر کی اذان دی رسول اللہ ﷺ نے اس (ظہر کی نماز) کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) ظہر کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلال ؓ نے عصر کی اذان دی رسول اللہ ﷺ نے اس (عصر کی نماز) کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) عصر کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلال ؓ نے مغرب کی اذان دی اس وقت جب کہ سورج غروب ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے اس (مغرب کی نماز) کو مؤخر کیا یہاں تک کہ دن کی سفیدی غائب ہو گئی اور وہ شفق ہے جو اس میں دکھائی دیتی ہے، آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) مغرب کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلال ؓ نے عشاء کی اذان دی اس وقت جب کہ شفق غائب ہو گئی پھر ہم کھڑے ہوئے اور دوبارہ کھڑے ہوئے پھر ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے علاوہ لوگوں میں سے کوئی اس نماز (عشاء) کا انتظار کرنے والا نہیں ہے، بلاشبہ تم نماز میں ہو جب تک کہ اس کا انتظار کرو اور اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس (عشاء) کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیتا پھر حضرت بلال ؓ نے فجر کی اذان دی رسول اللہ ﷺ نے اس (فجر کی نماز) کو اتنا مؤخر کیا قریب تھا کی سورج طلوع ہو جاتا آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) فجر کی نماز کھڑی کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔ (مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، ج۱ ص۳۰۴ بَابُ بَيَانِ الْوَقْتِ نَقْلاً عَنِ الطَّبْرَانِيِّ فِي الْاَوْسَطِ.)

استدلال پر اعتراضات: اسکی اسناد بھی حسن ہیں اور غیر مقلدین کی دلیل "صحیح" حدیث ہوتی ہے۔ اسلئے غیر مقلدین اس روایت کو عصر کی نماز ایک مثل کی دلیل میں نہیں پیش کر سکتے۔

احناف کے دلائل

● حَدَّثَنَاهَنَّادُ بْنُ السَّرِیّ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الزِّ نَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّ حْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَیَّا شِ بْنِ رَبِیْعَةَ عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حَکِیْمٍ وَهُوَ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَا فِعُ بْنُ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَمَّنِیْ جِبْرَئِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلَّی الظُّهْرَ فِی الْاُوْلٰی مِنْهُمَاحِیْنَ کَانَ الْفَیْءُ مِثْلَ الشِّرَاکِ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ کُلُّ شَیْءٍ مِّثْلَ ظِلِّهٖ ثُمَّ صَلَّی الْمَغْرِبَ حِیْنَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ وَاَفْطَرَ الصَّآئِمُ ثُمَّ صَلَّی الْعِشَآءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ صَلَّی الْفَجْرَحِیْنَ بَرَقَ الْفَجْرُ وَحَرُمَ الطَّعَامُ عَلَی الصَّآئِمِ وَصَلَّی الْمَرَّةَ الثَّانِیَةَ الظُّهْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَهٗ لِوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْاَمْسِ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَیْهِ ثُمَّ صَلَّی الْمَغْرِبَ لِوَقْتِهِ الْاَوَّلِ ثُمَّ صَلَّی الْعِشَآءَ الْاٰخِرَةَ حِیْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ ثُمَّ صَلَّی الصُّبْحَ حِیْنَ اَسْفَرَّتِ الْاَرْضُ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ هٰذَاوَقْتُ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ فِیْمَابَیْنَ هٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔ **ترجمه**:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے امامت کی میری جبرئیل نے خانہ کعبہ کے پاس دوبار، تو نماز پڑھی ظہر کی جب آفتاب ڈھل گیا اور سایہ جوتی کے تسمے کے برابر ہوا، اور عصر کی نماز پڑھی جب سایہ اسکا اسکے برابر ہوا اور نماز پڑھی مغرب کی جس وقت روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور نماز پڑھی عشاء کی جب شفق غائب ہوگئی اور نماز پڑھی فجر کی، جب روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے (یعنی صبح صادق نکلتی ہے) پھر دوسری مرتبہ نماز پڑھی ظہر کی جب ہر چیز کا سایہ اسکے برابر ہوا۔ اور نماز پڑھی عصر کی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوا۔ اور نماز پڑھی مغرب کی جب روزہ دار روزہ کھولتا ہے، اور نماز پڑھی عشاء کی تہائی رات پر اور نماز پڑھی فجر کی روشنی میں پھر میری طرف متوجہ ہوئے (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اور کہا اے محمدؐ یہی وقت ہے تجھ سے پہلے پیغمبروں کا اور نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے (ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ .... الخ ج ١ ص ٣٨، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت ج ١ ص ٥٦، مسند احمد ج ١ ص ٣٣٣، صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوٰۃ، باب ذکر الدلیل علی ان فرض الصلوٰۃ .... الخ ج ١ ص ١٦٨، دار قطنی کتاب الصلوٰۃ، باب امامة جبرئیل ج ١ ص ٢٥٨، مستدرک حاکم کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوات الخمس ج ١ ص ٩٣)

● وَعَنْ اَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیِّؓ قَالَ کُنَّامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍفَارَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ یُّؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهٗ اَبْرِدْ حَتّٰی رَأَیْنَافَیْءَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَااشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْابِالصَّلٰوةِ. **ترجمه**:۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کیساتھ تھے، جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی وقت کو ٹھنڈا

ہونے دو، کچھ دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا اردہ کیا، تو حضورﷺ نے پھر فرمایا ابھی وقت ٹھنڈا ہونے دو، حَتّٰـی رَأَیُـنَافَیُ ءَ التُّلُولِ (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، لہٰذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری **باب الابراد بالظہر فی السفر** ج ۱ ص ۷۷، مسلم باب **استحباب الابراد بالظہر... الخ** ج ۱ ص ۲۲۴)

اس روایت سے صاف صاف صراحتاً معلوم ہوا کہ حضور اکرمﷺ کے حکم سے نماز ظہر ایک مثل کے بعد پڑھی گئی۔ یعنی ایک سایہ کے بعد بھی ظہر کا وقت باقی ہوتا ہے۔

● ایک شخص نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے نماز کے اوقات دریافت کئے تو حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا أنـا أُخبـرُکَ اِصَلِّ الـظُّہرَ اِذا کَانَ ظِلُّکَ مِثْلَکَ، وَالْعَصْرَ اذا کَان ظِلُّکَ مِثْلَیْکَ. (موطا امام مالکؒ **باب وقوف الصلوٰۃ** ص ۳، موطا محمد ص ۴۲)۔ **ترجمہ**:۔ سنئے! میں آپ کو بتاتا ہوں! ظہر کی نماز پڑھئے جب آپکا سایہ آپ کے برابر ہو جائے، اور عصر کی نماز پڑھئے جب آپکا سایہ آپ کے دو مثل ہو جائے

اگر چہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہوتے اسلئے لامحالہ اسکو حکماً مرفوع ماننا ہوگا

● **حَدَّثَنَاقُتَیبَۃُنَااللَّیثُ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ سَعِیدِبْنِ الْمُسَیّبِ وَاَبِیْ سَلَمَۃَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اشْتَدَّالْحَرُّفَاَبْرِدُوْاعَنِ الصَّلوٰۃِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّمِنْ فَیحِ جَھَنَّمَ.** ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی تیزی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔ (ترمذی باب **ما جاء فی تاخیر الظہر فی شدۃ الحر** ج ۱ ص ۴۰)

اس حدیث سے صاحبِ ہدایہ نے امام اعظمؒ کی ظاہر روایت کیلئے استدلال کیا ہے، اور طریقۂ استدلال یہ ہے کہ عرب میں ایک مثل کے بعد ہی ٹھنڈک ہوتی ہے، کیونکہ وہاں ٹھنڈک اس وقت ہوتی ہے جب سمندر کیطرف سے ہوائیں چلنا شروع ہوتیں ہیں۔ محمد بن کعب قرظی جو مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ **نَحْنُ نَکُوْنُ فِی السَّفَرِ فَاِذَافَاءَ تِ الْاَفْیَاءُ .وھَبَّتِ الاَرْوَاحُ، قَالُوْا: اَبْرَدْتُمْ فَالرَّوَاحَ!** ہم سفر میں ہوتے ہیں تو جب سائے پلٹ جاتے ہیں، اور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، تو قافلہ میں اعلان کیا جاتا ہے کہ موسم ٹھنڈا ہو گیا ہے، اب شام کا سفر شروع کرو۔

آج بھی جس کا جی چاہے عرب میں جائے، اور گرمیوں کی شدت کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ شام کو ہوائیں کب چلنا شروع ہوتی ہیں، مثل اول میں شاید ہی کبھی چلتی ہوں، ہمیشہ مثلِ ثانی شروع ہونے کے بعد ہوائیں چلتی ہیں پس ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے۔

وجوہ ترجیح

امامت جبرئیل والی حدیث بھی قطعی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے اور یہ احتمال بھی بغیر دلیل نہیں ہے بلکہ مثلین کی روایتوں کی بناء پر یہ احتمال پیدا ہوا۔ دلیل کے قطعی ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے، جس سے دائما حضور اکرم ﷺ کا مثلِ ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا۔ اور ایسی تصریحات غیر مقلدین کے پاس نہیں ہیں۔ رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی تب تو وہ بالیقین ادا ہوگئی، اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی تب بھی ذمہ فارغ ہو جائیگا۔

الغرض غیر مقلدین نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی بر احتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مسلک کے مطابق مثلین کی روایتوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے اور امام اعظمؒ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اسمیں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

[اگر کسی مجبوری کی بناء پر کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے (وقت مہمل میں) تو ذمہ فارغ ہو جائیگا (جیسے کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے) مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے]

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایضاح الادلہ، مثل اور مثلین کی بحث ص ٢٧١......٢٩٨ مصنف شیخ الہندؒ)

عصر کا احوط وقت

ایک مثل :۔ جب ہر چیز کا سایہ فیئ زوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے تو اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند) کہتے ہیں۔

دو مثل یا مثلین : جب ہر چیز کا سایہ فیئ زوال کو منہا کرنیکے بعد اس چیز کے ڈبل (دوہرا) ہو جائے تو اصطلاح میں اسکو دو مثل یا مثلین کہتے ہیں۔

ظہر کا آخری وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے اسمیں اختلاف ہے۔

غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور اسکے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے

امام اعظم ابوحنیفہؒ :۔ اسد بن عمرو کی روایت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ہیکہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا۔ ظہر کی نماز ایک مثل پر ختم کر دینا چاہئے۔ اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھنا چاہئے اسی میں احتیاط ہے۔

عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے اس استدلال میں غیر مقلدین جو روایات پیش کرتے ہیں وہ دو اقسام پر ہیں ایک قسم صریح روایات کی ہے (جسمیں ایک مثل کی صراحت ہے) لیکن یہ روایات ''صحیح'' کے درجہ تک نہیں پہنچتیں اور

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انکی دلیل صرف ''صحیح'' حدیث ہوتی ہے اسلئے یہ تمام صریح روایات بطور استدلال کے ان کیطرف سے نا قابل قبول ہیں۔ روایات کی دوسری قسم جو بطور استدلال غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ ''صحیح'' کے درجہ تک پہنچتی ہیں لیکن اسمیں ایک مثل یا دو مثل کی صراحت نہیں ہے۔ غیر مقلدین ان روایات پر سے صرف قیاس کرتے ہیں اور انکے ''قیاس'' کے مقابلہ میں صحیح حدیث موجود ہے جسمیں عصر کی نماز کیلئے ''دو مثل'' کا صراحتاً ذکر ہے (مثلاً) حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایت۔

(صحیح بخاری باب ا لا براد با لظهر فی السفر ج۱ص۷۶، مسلم باب استحباب ا لا براد بالظهر...الخ ج۱ص۲۲۷)

صحیح صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح نہیں دی جائیگی۔ اسلئے عصر کی نماز دو مثل یا مثلین کے بعد پڑھنی چاہئے اسی میں احتیاط ہے۔

اگر ظہر مثل اول میں ادا کی گئی تو وہ بالیقین ادا ہوگئی اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی تب بھی ذمہ فارغ ہو جائیگا اور اگر کسی مجبوری کی بناء پر کوئی شخص مثلِ ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے (یعنی وقت مہمل میں) تو ذمہ فارغ ہو جائیگا (جیسا کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے) مگر ظہر یا عصر کو مثلِ ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے الغرض غیر مقلدین نے جو موقف اختیار کیا ہے اولاً تو وہ مبنی بر احتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مسلک کے مطابق مثلین کی روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

مغرب کی فرض نماز سے قبل دو رکعات کا مسئلہ

یومیہ نمازوں کی رکعات کی تعداد کیساتھ اگر کوئی نفل نمازوں کو ملا کر بیان کرتا ہے تو غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) اسکی زبردست مخالفت کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ مغرب کی نمازوں کی تعداد سات ۔۷، ہے اسطرح سے کہ تین فرض، دو سنت، دو نفل، تو نفل کی تعداد مغرب کی رکعات کیساتھ ملا کر بیان کرنیکی مخالفت کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے بدعت بھی کہتے ہیں۔ (حالانکہ نفل نمازیں ''مستحب'' کے درجہ میں ہیں) کچھ صحابہ کرامؓ سے مغرب کی اذان اور فرض نماز کے درمیان دو رکعات ادا کرنا منقول ہے اور وہ بھی بطور نفل نہ کہ بطور سنت بلکہ بعد میں اسے ترک بھی کر دیا۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ یہی غیر مقلدین اس ''نفل نماز'' کے سلسلے میں بڑی شدت برتتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مغرب سے قبل کی یہ دو رکعات سنت ہیں اور نہ صرف مغرب کی نماز کیساتھ شمار کرتے ہیں بلکہ نہ پڑھنے والوں پر نکیر کرتے ہیں اور ترک کے عمل کو خلاف سنت بتلاتے ہیں۔

مغرب سے قبل کی دو رکعات کے ”سنت نماز“ نہ ہونے اور اسے ”ترک“ کر دینے کہ دلائل و متابعات

(۱) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مغرب سے پہلے نماز پڑھو، مغرب سے پہلے نماز پڑھو، پھر تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے اس بات سے بچتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت بنالیں گے۔

(صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج۱ ص۱۵۸، ابوداؤد باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج۱ ص۱۸۲)

(۲) مرثد بن عبداللہ مزنی کہتے ہیں میں عقبہ بن عامر الجہنی کے پاس آیا اور کہا کہ کیا میں تم کو حیرت میں نہ ڈال دوں۔ ابی تمیم کی دو رکعتوں سے جو پڑھتے ہیں مغرب کی نماز سے پہلے۔ عقبہ نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایسا کیا کرتے تھے تو میں نے کہا اب کس چیز نے تم کو منع کیا ہے؟ انھوں نے کہا مشغولیت نے۔

(صحیح بخای باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج۱ ص۱۵۸)

(۳) حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں تو انہوں نے کہا میں نے کسی کو نہیں دیکھا دو رکعات پڑھتے ہوئے مغرب سے پہلے نبی ﷺ کے عہد میں۔

(ابوداؤد باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج۱ ص۱۸۲ سنن الکبریٰ ص۴۷۶ ج۲)

(۴) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعات نماز پڑھتے تھے میں (راوی مختار بن طفیل) نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں ہیں؟ تو حضرت انسؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ہم کو دیکھتے تھے تو نہ اس کے پڑھنے کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۲۷۸)

(۵) حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ یہ نہیں پڑھتے تھے (کتاب الآثار ص۲۹ ج۱۴۵)

اگر غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعات نماز ”سنت“ ہے اور متروک نہیں ہے تو اسکی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

تنبیہ: ”صحیح“ اسلئے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ (غیر مقلدین) صرف صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں اور ”صریح“ اسلئے کہ انکے نزدیک قیاس حجت نہیں ہے۔ اور امام اعظمؒ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہوجاتا ہے۔

جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں بدعت نہیں

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے دو اذانیں دی جاتی ہیں ایک تو وقت ہونے پر اور دوسری جب امام منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت۔ دونوں اذانیں مسنون ہیں۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ سے آج تک جمہور امت کا اس پر متواتر عمل رہا ہے۔ جب فرقۂ غیر مقلدین (تقریباً سوا سو سال پہلے) معرض وجود میں آیا تب بھی کچھ عرصہ تک یہ دونوں اذانیں مسنون تھیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں جدید انکشاف ہوا کہ آج تک جس پر امت عمل کرتے آئی ہے (اور جس پر غیر مقلدین خود کچھ عرصہ تک عمل کرتے آئے ہیں) وہ بدعت ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ اور انکا انکشاف بھی کتنا خطرناک ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جب آپ ﷺ منبر پر خطبہ کیلئے بیٹھتے تھے تو اس وقت منبر کے قریب اذان دی جاتی تھی۔ انکے نزدیک منبر کے قریب اذان کہنا بدعت ہے جمہور امت جیسے عام اذانیں دیتے ہیں ویسی ہی اذان انکے نزدیک سنت ہے اور حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان انکے نزدیک بدعت ہے۔ گویا پہلی اذان جو حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ سے شروع ہوئی اور جمہور امت کا اس پر جس طرح عمل رہا انکے نزدیک سنت ہے اور دوسری اذان جو حضور ﷺ کے زمانہ میں منبر کے پاس دی جاتی تھی انکے نزدیک بدعت ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

غیر مقلدین:۔ ان کے نزدیک منبر کے قریب کی جمعہ کی اذان بدعت ہے اور جو اذان اذان خانہ سے دی جاتی ہے وہ سنت ہے۔

جمہور امت:۔ ان کے نزدیک جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں۔

غیر مقلدین کے فتاوے

”چنانچہ مولوی محمد صاحب جونا گڑھی لکھتے ہیں: حضور ﷺ کے زمانہ اور آپ کے بعد دو خلیفوں کے زمانہ میں تو اس دوسری اذان کا وجود بھی نہ تھا ہاں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایجاد ہوئی، جو وقت معلوم کرنے کیلئے زوراء بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی، نہ کہ مسجد میں پس ہمارے زمانہ میں مسجد میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں، اور کسی طرح جائز نہیں (فتاویٰ ستاریہ ج ۳ ص ۸۵)“۔

”مولوی عبدالرحمٰن صاحب مدرس میاں صاحب دہلوی رقم طراز ہیں اب مسجد میں دو اذانیں کہنا بدعت ہے۔“

(فتاویٰ ستاریہ ج ۳ ص ۸۷)

”جماعت غرباء اہلحدیث کے امام اول عبدالوہاب صاحب صدری کے سوانح نگار ابو محمد میان والی لکھتے ہیں: مساجدِ احناف واہلحدیث میں جمعہ کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ آج کل احناف کے یہاں مروج ہے۔ مولانا موصوف (عبدالوہاب صاحب) نے پہلی اذان جو مسجد میں خطبہ سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ہوتی تھی اسے موثقہ دلائل سے

بدعت ثابت کر کے موقوف کا فتویٰ صادر فرمایا اور دوسری اذان عِنْدَ جُلُوْسِ الْاِمَامِ عَلَی الْمِنْبَرِ کے صحیح ہونیکا فتویٰ دیا آج اکثر مساجدِ اہلحدث میں اس طریقۂ نبوی پر عمل ہورہا ہے (مجموعۂ رسائل مکمل نماز وہدایۃ البنیٰ ص۲۱)''

جمہور امت کی دلیل

● عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ يَقُوْلُ اِنَّ الْاَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ اَوُّلُهٗ حِيْنَ يَجْلِسُ الْاِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ خِلَافَةُ عُثْمَانَ وَكَثُرُوْا أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْاَذَانِ الثَّانِيْ فَاُذِّنَ بِهٖ عَلَى الزَّوْرَآءِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ. **ترجمہ:** ۔ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتے۔ جب حضرت عثمانؓ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو آپ نے (خطبہ سے پہلے) ایک اور اذان دینے کا حکم فرمایا۔ یہ اذان ایک اونچی جگہ پر دی جاتی تھی، پھر اس اذان پر مسلسل عمل شروع ہوگیا۔ (صحیح بخاری شریف باب الاذان یوم الجمعة ج۱ص۱۲۴، ابوداؤد باب النداء یوم الجمعة ج۱ص۱۵۵، نسائی باب الاذان للجمعة ج۱ص۲۰۷، ترمذی باب ما جاء فی اذان الجمعة ج۱ص۱۱۵، ابن ماجہ الاذان یوم الجمعة ج۱ص۷۹، سنن کبریٰ بیہقی ج۳ص۱۹۲، نصب الرایہ ج۲ص۱۹۶، صحیح ابن خزیمہ ج۳ص۱۳۷)

فائدہ :۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی اذان جو خطبۂ جمعہ سے آدھ پون گھنٹے قبل دی جاتی ہے اسکا اضافہ سیدنا حضرت ذوالنورینؓ نے اپنے بابرکت عہد خلافت میں فرمایا۔ لوگوں کو نماز کا وقت بتانے اور تیاری کے لئے جیسا کہ فتح الباری میں ہے: وَتَبَيَّنَ بِمَامَضٰى أَنَّ عُثْمَانَ أَحدَثَهٗ لِاِ عْلَامِ النَّاسِ بِدُخُوْلِ وَقْتِ الصَّلٰوةِ قِيَاساً عَلٰى بَقِيَّةِ الصَّلَوَاتِ (فتح الباری ۲:۳۹۴) اور یہ اضافہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین عظام اساطین امت رحمہم اللہ کی موجودگی میں ہوا، کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ تمام شہروں میں اسی پر پابندی سے امت نے عمل کیا۔ لہذا یہ اذان فرمان نبوی: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ترجمہ:۔ تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت'' کے مطابق سنت ہے بدعت نہیں۔ بدعت کہنا گمراہی ہے، انتہائی خطرناک ہے، فتح الباری شرح البخاری میں ہے: قَوْلُهٗ فَثَبَتَ الْأَمْرُ كَذَالِكَ وَالَّذِيْ يَظْهَرُ أَنَّ النَّاسَ أَخَذُوْابِفِعْلِ عُثْمَانَ فِيْ جَمِيْعِ الْبِلَادِ اِذْ ذَاكَ لِكَوْنِهٖ خَلِيْفَةً مُّطَاعَ الْأَمْرِ ۔ **ترجمہ:** ۔ یعنی لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے اس مبارک عمل کو تمام شہروں میں اختیار کیا اسوجہ سے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت متفق علیہ قابل اطاعت خلیفہ تھے (فتح الباری ۲:۳۹۴، عون المعبود ۳:۳۴۳)

علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ اس اذان کی مشروعیت حضرت عثمانؓ کے اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی موافقت سے ہوئی ہے کسی نے انکار نہیں کیا ہے، اس پر اجماع سکوتی ہوگیا۔

"لِاَنَّهُ اَوَّلٌ بِاعْتِبَارِ الْوُجُوْدِ ثَالِثٌ بِاعْتِبَارِ مَشْرُوْعِيَّةِ عُثْمَانَ لَهُ بِاجْتِهَادِهٖ وَمُوَافَقَةِ سَآئِرِ الصَّحَابَةِ لَهُ بِالسُّكُوْتِ وَعَدَمِ الْاِنْكَارِ فَصَارَا جُمَاعاً سُكُوْتِيًّا۔ (ارشادالساری شرح البخاری ۲: ۵۸۵، عون المعبود ۳: ۳۲۰)

غرض یہ اذان جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ سے رائج ہوئی سنت ہے فرمان نبوی ﷺ سے، اجماعِ صحابہ سے اور اجماعِ امت سے۔

خانہ ساز اجتهاد :۔ رفض کے الزام سے بچنے کیلئے بعض غیر مقلدین جمعہ کی اذان ثانی کو سنت تو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس پر عمل نہ کرنے کیلئے خانہ ساز تاویلات پیش کرتے ہیں مثلاً

(۱) اس اذان کی ضرورت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تھی اب گھڑی اور لاؤڈ اسپیکر نے اس کی ضرورت کو ختم کر دیا۔

(۲) وہ اذان مقامِ زوراء پر ہوتی تھی جگہ بدل کر دینے کی ضرورت نہیں۔ یا وہ صرف مدینہ کے مقامِ زوراء میں ہوئی اور کہیں اس کو اختیار نہیں کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

صاف اور واضح بات ہے کہ جب ایک عمل سنت ثابت ہو چکا تو اس سنت کو مختلف تاویلات اور علتوں سے ساقط کرنے کا اختیار ان غیر مقلدین کو کس نے دیا؟ اگر ایسی ہی تاویلات اور علتوں سے سنت ساقط کی جاتی رہی تو پھر امت محمدیہ میں سنتوں کا باقی رہنا مشکل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں وقت میں فلاں سنت کے وقت میری فلاں فلاں مصروفیات ہیں یا فلاں دشواری ہے اس لئے فلاں تاویل یا علت کی بناء پر مجھ سے فلاں سنت ساقط۔ کیا یہ بات قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔

اذان ثانی کے مسئلہ پر حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے حدوثِ فرقۂ اہلحدیث تک بلکہ اس فرقہ پر جدید انکشاف تک جمیع اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع رہا ہے اگر روافض کی طرح کوئی مختلف تاویلات پیش کر کے اس سنت سے انکار کرے تو کیا وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے؟

عید کے دن جمعہ کی نماز کے مسئلہ میں

جدید انکشاف : غیر مقلدین کے یہاں ایک حیرت انگیز مسئلہ کا انکشاف ہوا وہ یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ ہو تو جمعہ کی نماز معاف ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے ایک سوال ہوا کہ اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں۔ زید ایسے دنوں میں جمعہ ادا نہیں کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں یہ کہنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں آپ کے شاگرد مولوی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں: "جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے اور ایسے دنوں میں زید جو نماز

ادا نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج۱ص۵۷۳)

نواب نور الحسن صاحب لکھتے ہیں:۔ ’’وچوں جمعہ و عید فراہم آیند در یک روز جمعہ رخصت باشد و ظاہر آنست کہ ایں رخصت عام ست از برائے امام و سائر مردم۔‘‘ **ترجمہ:۔** جب جمعہ اور عید ایک دن ہوں تو جمعہ رخصت ہو جائیگا اور ظاہر ہے کہ یہ رخصت عام ہے امام کے لئے اور عام انسانوں کیلئے۔ (عرف الجادی صفحہ۴۳)۔

نواب وحید الزماں صاحب رقمطراز ہیں: ’’وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ رُخْصَةٌ مُطْلَقًا لِاَهْلِ الْبَلَدِ وَغَيْرِهِمْ فَاِنْ شَاءَ صَلَّى الْعِيْدَ وَالْجُمُعَةَ كِلَيْهِمَا وَاِنْ شَاءَ صَلَّى الْعِيْدَ فَقَطْ وَلَمْ يُصَلِّى الْجُمُعَةَ وَفِيْ سُقُوْطِ الظُّهْرِ خِلَافٌ وَالْحَقُّ جَوَازُ تَرْكِهِ اَيْضًا. **ترجمہ:۔** اور عید کے دن جمعہ کی مطلق رخصت ہے شہر والوں کیلئے اور دوسروں کیلئے۔ اگر چاہے تو عید اور جمعہ کی نماز دونوں پڑھے اور اگر چاہے تو صرف عید کی نماز پڑھے اور جمعہ کی نماز نہ پڑھے اور ظہر کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے اور حق یہ ہے کہ اس (ظہر) کا چھوڑنا جائز ہے۔

(نزل الابرار ج۱ص۱۵۵)۔ (ملاحظہ ہو عید کے دن ظہر بھی ساقط کر دی گئی۔)

نوٹ:۔ غیر مقلدین قرآن و احادیث کے خلاف کتنی جرأت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عید اور جمعہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ کی نماز معاف ہے بلکہ ظہر بھی معاف ہے۔

عیدین کے دن جمعہ یا ظہر (فرض) ساقط کرنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض کے سلسلہ میں غیر مقلدین کی یہ جرأت قابلِ حیرت و افسوس ہے۔

(غیر مقلدین کے دلائل کیلئے ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص۴۲۲ اور ۴۴۵)

جمیع اہل سنت والجماعت کے دلائل

اہل سنت والجماعت کے یہاں اگر عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔ عید اور جمعہ کے جمع ہونے پر عدم سقوط جمعہ کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

● وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَهَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ وَرُبَّمَا اِجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ فَيَقْرَأُ بِهِمَا۔ **ترجمہ:۔** حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے تھے، بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتے تو بھی آپ ﷺ دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم فصل فی قرأۃ الم ج۱ص۲۸۸، ترمذیا باب القرأۃ فی العیدین ج۱ص۱۱۹، نسائی ’’ذکر الاختلاف علی النعمان بن بشیر فی القرأۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ ج۱ ص۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ’’ما یقرأ بہ فی العید‘‘ ج۴ص۲۲۰، سنن دارمی ج۱ص۲۹۰، ابوداوٗد ما یقرأ فی الجمعۃ ج۱ص۱۵۹)

اس حدیث شریف سے واضح ہوا کہ جب عید اور جمعہ جمع ہو جاتے تھے تو بھی آپ ﷺ دونوں کو پڑھتے تھے اور دونوں میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ.................خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اس آیت کریمہ سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے جو کہ نص قطعی ہے اور تمام جمعوں کو شامل ہے۔ اس میں کسی جمعہ کی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا عید کیوجہ سے جمعہ جو کہ فرض ہے ساقط نہیں ہوگا۔ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ پڑھانیکا ارادہ تھا کہ خطبہ میں ان حضرات کو رخصت دی جن پر جمعہ فرض نہیں تھا اسی لئے صراحت فرمادی کہ اہل عالیہ میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے انتظار کرے اور جس کو جانا ہو وہ چلا جائے۔ اہل عالیہ یہ وہ لوگ تھے جن پر جمعہ فرض نہیں تھا کیونکہ یہ شہر سے دور دیہات کے علاقہ میں رہتے تھے۔ عثمان بن عفانؓ کی روایت ملاحظہ ہو۔

● عَنِ الزُّھْرِیِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْعُبَیْدٍ مَوْلٰی ابْنُ أَزْھَرَ أَنَّهُ شَھِدَ الْعِیْدَ یَوْمَ الْأَضْحٰی مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فَصَلّٰی قَبْلَ الْخُطْبَةِ ....فَقَالَ أَبُوْعُبَیْدٍ ثُمَّ شَھِدْتُّ الْعِیْدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ وَکَانَ ذَالِکَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَصَلّٰی قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ یَا أَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَکُمْ فِیْهِ عِیْدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ یَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَھْلِ الْعَوَالِیْ فَلْیَنْتَظِرْ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ یَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ۔ **ترجمہ**:۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوعبید نے بیان کیا کہ وہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر نماز کیلئے حضرت عمر بن خطابؓ کیساتھ حاضر ہوئے، آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ ابوعبیدؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نماز عید کیلئے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ حاضر ہوا۔ یہ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، آپ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ فرمایا: لوگو! یہ ایسا دن ہے جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں تو جو اہل عوالی میں سے واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے اور جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے انتظار کرے۔ (بخاری شریف باب ما یو کل به من لحوم الا ضا حی و ما یتزود ج ۲ ص ۸۳۵ مصنف ابن ابی شیبہ" فی العید یجتمعان یجزی ء احد هما من الا خر" ج ۴ ص ۲۴۲، موطا امام مالک ص ۶۳، کتاب الام ج ۱ ص ۲۷۴، نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۲۵، موطا امام محمد ص ۱۳۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے جو رخصت دی تھی وہ اہل عوالی (دیہات والوں) کو دی تھی اور ان پر جمعہ فرض نہیں تھا لیکن چونکہ یہ عید کی نماز کیلئے حاضر ہو گئے تھے۔ اور اب ان کے زیادہ دیر ٹھہرنے میں مشقت ہی مشقت تھی اسلئے حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کو اجازت دی تھی۔ لیکن یہ غیر مقلدین اس روایت کے تحت سب کو جمع فرما لیتے ہیں "شہر" والوں اور "دیہات" والوں کو جواز روئے مقتضائے روایت بالکل صحیح نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے استدلال پر اعتراض

اس سلسلے میں غیر مقلدین ابن ماجہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت زید ابن ارقمؓ سے ہے۔ مگر یہ سند ضعیف ہے، ابن المنذرؒ نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ ایاس ابن ابی رملہ مجہول ہیں، ابن حجرؒ نے بھی اسے تقریب میں مجہول کہا ہے۔ روایت ملاحظہ ہو۔

● مِنْ طَرِیْقِ اِیَاسِ بْنِ اَبِیْ رَمْلَةَ الشَّامِیِّ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِیَةَ سَأَلَ زَیْدَبْنَ اَرْقَمَ شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِیْدَیْنِ قَالَ نَعَمْ صَلّٰی الْعِیْدَمِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ ثُمَّ رَخَّصَ فِی الْجُمُعَةِ فَقَالَ مَنْ شَاءَ اَنْ یُّصَلِّیَ فَلْیُصَلِّ.

ترجمہ: ۔ حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید پڑھائی اور جمعہ کے پڑھنے میں رخصت دے دی، اس حدیث کو حاکم، ذہبی اور علی بن مدینی نے صحیح کہا ہے نووی نے اس کی سند کو جید کہا ہے المجموع (ج۴ ص۴۹۲) مگر یہ سند ضعیف ہے ابن خزیمہ حدیث ذکر کرنے سے قبل فرماتے ہیں بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو ایاس بن رملہ کے بارے میں مجھے جرح وتعدیل کا علم نہیں۔ ابن المنذرؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے میزان الاعتدال (ج۱ ص۲۸۲) وتلخیص الحبیر (ج۲ ص۸۸) ابن حجرؒ نے بھی اسے ''تقریب'' میں مجہول کہا ہے۔

اسی مضمون کی روایات ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے مگر ابن حجر اور دار قطنی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے، ابن عمرؓ سے بھی اس سلسلے میں روایت ذکر کرتے ہیں مگر اس کی سند میں جبارہ اور مندل ہے یہ دونوں ضعیف ہیں،

جتنی احادیث غیر مقلدین اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں سب احادیث ضعیف ہیں۔ قَالَ ابْنُ الْحَزْمِ وَاِذَاجْتَمَعَ عِیْدٌ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ صَلّٰی لِلْعِیْدِثُمَّ لِلْجُمُعَةِوَلَابُدَّ وَلَایَصِحُّ اَثَرٌبِخِلَافِ ذٰلِکَ

ترجمہ: ۔ ابن حزم نے کہا کہ جب عید اور جمعہ کا دن جمع ہو جائے تو عید کی نماز پڑھے پھر جمعہ کی نماز پڑھے اور بیشک اس کے خلاف آثار سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ (المحلی لابن حزم ج۳ ص۹۳)۔

قَالَ اَبُوْمُحَمَّدٍ(ابْنِ الْحَزْمِ)اَلْجُمُعَةُ فَرْضٌ وَالْعِیْدُتَطَوُّعٌ وَالتَّطَوُّعُ لَایَسْقُطُ الْفَرْضَ. **ترجمہ:** ۔ ابن حزم نے کہا کہ جمعہ فرض ہے اور عید نفل (تطوع، سنت) ہے اور نفل فرض کو ساقط نہیں کرتا۔'' (جس طرح ظہر عید کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی) (المحلی لابن حزم ج۳ ص۹۳)

نماز جمعہ کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہے لہذا اس کے سقوط کیلئے بھی دلیل قطعی کی ضرورت ہوگی جب کہ اسکے بارے میں کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے تو دلیل قطعی کا سوالِ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا اثر کا سہارا لے کر کتاب اللہ، اخبار متواترہ، اور اجماع کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ لہذا آیت کریمہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ، تعامل خلفاء راشدین وتوارث ائمہ متبوعین وفقہاء نیز توافق کبار محدثین کی وجہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جب بھی جمعہ وعید جمع

ہو جائے تو دونوں پڑھنا ضروری ہے۔ عید کی وجہ سے جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔

نماز عیدین

نماز عیدین میں کچھ تکبیرات زوائد ہیں جن کی مختلف روایات میں مختلف تعداد آئی ہے اسی لحاظ سے مختلف مسالک کے مختلف طریقے ہیں۔

احناف :۔ نماز عیدین واجب ہے۔ **مالکیہ**:۔ نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے۔

شوافع:۔ نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے۔ **حنابلہ**:۔ ان کا ظاہر مسلک فرض کفایہ ہے۔

زائد تکبیریں کتنی؟

غیر مقلدین:۔ ان کے نزدیک زائد تکبیرات بارہ ہیں۔

احناف:۔ ان کے نزدیک زائد تکبیرات چھ ہیں۔

غیر مقلدین کے دلائل

● حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ ثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ یَعْلٰی عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَنَّہٗ کَبَّرَ فِیْ صَلٰوۃِ الْعِیْدِ سَبْعًا وَّخَمْسًا

ترجمہ :۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز عید میں پانچ اور سات تکبیریں کہیں۔ (ابن ماجہ اَبْوَابُ اِقَامَۃِ الصَّلٰوات باب ما جاء فی کم یکبر الامام فی صلوٰۃ العیدین، ص۹۲ دار قطنی کتاب العیدین ج۲ ص۴۸، سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوٰۃ ج۳ ص۲۸۶، مسند احمد ج۲ ص۱۸۰)

صاحب آثار السنن نے کہا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہیں [تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص۴۹۴]

عَمْرُو بْنُ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ:۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور اپنے دادا سے، اس میں کلام ہے۔

عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الطَّائِفِي:۔ ابن معین نے بھی ان کی تضعیف کی ہے۔ امام نسائی، ابو حاتم، وغیرہ نے ان کے متعلق فرمایا ہے لَیْسَ بِالْقَوِیِّ۔ ابن قطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک جماعت نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابن جوزی نے بھی ان کی تضعیف کی ہے۔

غرض اس روایت کی سند قوی نہیں ہے۔ اسلئے یہ روایت ’’صحیح‘‘ درجہ تک نہیں پہنچتی۔ اسلئے غیر مقلدین اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔

● حَدَّثَنَا اَبُوْ مَسْعُوْدٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُبَیْدِ بْنِ عُقَیْلٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَثْمَۃَ ثَنَا کَثِیْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ

بُنِ عَمْرِوبُنِ عَوْفِ اَلْمُزَنِيّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَبَّرَفِي الْعِيْدَيْنِ سَبْعًافِي الْاُوْلٰى وَخَمْسًافِي الْآخِرَةِ. **ترجمہ**:۔ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں تکبیریں کہیں۔ (ابن ماجہ ص باب ما جاء فی کم یکبر ا لا مام فی صلوٰۃ العیدین ۹۲، ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین ج۱ ص۱۱۹)

اس کی اسناد بہت ضعیف ہیں۔

● حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ خَالِدِبْنِ يَزِيْدَوَعَقِيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَبَّرَفِي الْفِطْرِوَالْاَضْحٰى سَبْعًا وَّخَمْسًاسِوٰى تَكْبِيْرَتِي الرُّكُوْعِ **ترجمہ**:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں رکوع کی دو تکبیروں کے سوا۔

اس میں ابن لھیعہ ہیں اور ان میں بہت مشہور کلام ہے (ابن ماجہ اَبْوَابُ اِقَامَةِ الصَّلٰوٰتِ، باب ما جاء فی کم یکبر ا لا مام فی صلوٰۃ العیدین ص۹۲، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب فی التکبیر فی العیدین ج۱ ص۱۶۳)

● حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنُ بْنُ سَعْدِبْنِ عَمَّارِبْنِ سَعْدِالْمُؤَذِّنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُكَبِّرُفِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاْةِ فِي الْآخِرَةِ خَمْسًاقَبْلَ الْقِرَآةِ ۔ **ترجمہ**:۔ سعد موذن سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عید کی نماز میں، پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہتے تھے، اور دوسری رکعت میں بھی قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

(ابن ماجہ اَبْوَابُ اِقَامَةِ ا لصَّلٰوٰتِ، باب ما جاء فی کم یکبر ا لا مام فی صلوٰۃ العیدین ص۹۲،

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص۴۹۶)

اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار:۔ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ خزرجی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ ابن معین نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ حافظ نے تقریب میں انہیں مستور کہا ہے۔

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص۴۹۳....۴۹۷)

آثار:۔ بارہ زائد تکبیرات کے سلسلہ میں حضرت نافعؒ، حضرت عمارؓ وغیرہ کے آثار بھی موجود ہیں لیکن غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے اس لئے آثار کو بطور استدلال نہیں پیش کر سکتے۔

غرض غیر مقلدین کے پاس بارہ زائد تکبیرات کے سلسلہ میں ایک بھی صحیح صریح مرفوع روایت موجود نہیں ہے اسلئے انکا یہ فعل بلا دلیل ہے۔

احناف کے دلائل وشواہد

●حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْعَلَاءِ وَابْنُ اَبِیْ زِیَادٍالْمَعْنٰی قَرِیْبٌ قَالَ نَازَیْدٌیَعْنِیْ ابْنَ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ مَکْحُوْلٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْعَائِشَةَ جَلِیْسٌ لِّاَبِیْ ھُرَیْرَةَؓ اَنَّ سَعِیْدَبْنَ الْعَاصِ سَأَلَ اَبَامُوْسٰی الْاَشْعَرِیَّ وَحُذَیْفَةَ بْنَ الْیَمَانؓ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یُکَبِّرُ فِی الْاَضْحٰی وَالْفِطْرِ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰی کَانَ یُکَبِّرُ اَرْبَعاً تَکْبِیْرَہٗ عَلَی الْجَنَآئِزِ فَقَالَ حُذَیْفَةُ صَدَقَ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰی کَذٰلِکَ کُنْتُ اُکَبِّرُ فِی الْبَصْرَةِ حَیْثُ کُنْتُ عَلَیْھِمْ قَالَ اَبُوْعَآئِشَةَ وَاَنَاحَاضِرٌ سَعِیْدَبْنَ الْعَاصِ ۔**ترجمہ**:۔محمد بن علاء اور ابن ابی زیاد، زید، عبد الرحمٰن، ان کے والد، مکحول، ابو عائشہ سے روایت ہے، کہ سعید بن العاص نے ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ ابن الیمان سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کیونکر تکبیر کہتے تھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں ابوموسیٰ نے کہا چار تکبیریں کہتے تھے جتنی جنازے پر کہتے ہیں حذیفہ نے کہا سچ ہے اور ابوموسیٰ نے کہا میں اتنی ہی تکبیریں کہا کرتا تھا بصرے میں جب ان پر حاکم تھا، ابو عائشہ نے کہا میرے سامنے سعید بن العاص نے پوچھا (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر فی العیدین ج ا ص ١٦٣)

صاحبِ آثار السنن کہتے ہیں کہ اس کی اسناد حسن ہیں۔

●قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌعَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ قَالَا کَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ جَالِسًاوَّعِنْدَہٗ حُذَیْفَةُؓ وَاَبُوْمُوْسٰی الْاَشْعَرِیُّؓ فَسَاَلَھُمْ سَعِیْدُ بْنُ الْعَاصِ عَنِ التَّکْبِیْرِ فِیْ صَلٰوةِ الْعِیْدِ فَقَالَ حُذَیْفَةُ سَلِ الْاَشْعَرِیَّ فَقَالَ الْاَشْعَرِیُّ سَلْ عَبْدَ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَقْدَمُنَا وَاَعْلَمُنَافَسَأَلَہٗ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یُکَبِّرُ اَرْبَعاً ثُمَّ یَقْرَأُ ثُمَّ یُکَبِّرُ فَیَرْکَعُ فَیَقُوْمُ فِی الثَّانِیَةِ فَیَقْرَأُثُمَّ یُکَبِّرُ اَرْبَعاًبَعْدَالْقِرَآءَةِ ۔**ترجمہ**:۔حضرت علقمہ اور اسودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور انکے پاس حضرت حذیفہ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے تو ان لوگوں سے سعید بن عاصؓ نے عید کی تکبیر کے متعلق پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھئے ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھئے اسلئے کہ وہ ہم سے زیادہ پرانے اور ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں چنانچہ سعید بن عاصؓ نے ابن مسعودؓ سے پوچھا، ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے، پھر قرأت فرماتے، پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہتے۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، ج٣ باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ص ٢٩٣ حدیث نمبر ٥٦٨٧)

اس کی اسناد صحیح ہیں .

●قَالَ حَدَّثَنَامُحَمَّدُبْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الْحَضْرَمِیُّ ثَنَامَسْرُوْقُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ ثَنَاابْنُ اَبِیْ زَائِدَةَ عَنْ اَشْعَثٍ وَّعَنْ کُرْدُوْسٍ قَالَ اَرْسَلَ الْوَلِیْدُ اِلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ بَعْدَ الْعَتَمَةِ فَقَالَ اِنَّ ھٰذَا عِیْدٌ لِّلْمُسْلِمِیْنَ فَکَیْفَ

الصَّلٰوةُ فَقَالُوْا سَلْ اَبَاعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَقُوْمُ فَيُكَبِّرُ اَرْبَعاً ثُمَّ يَقْرَأُبِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ عَنِ الْمُفَصَّلِ ثُمَّ يُكَبِّرُ اَرْبَعاً يَرْكَعُ فِيْ اٰخِرِ هِنَّ فَتِلْكَ تِسْعٌ فِي الْعِيْدَيْنِ فَمَآ اَنْكَرَهُ اَحَدٌ مِّنْهُمْ .

ترجمہ :۔ حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور ابومسعودؓ کے پاس عشاء کے بعد قاصد بھیجا، پس فرمایا کہ بیشک یہ مسلمانوں کی عید ہے تو اس میں نماز عید کیونکر ہوگی انہوں نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن سے پوچھئے، چنانچہ انہوں نے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کھڑے ہوکر چار تکبیر کہتے پھر سورۂ فاتحہ اور مفصلات میں سے کسی سورۃ کی تلاوت فرماتے پھر چار تکبیر کہتے، ان کے ختم پر رکوع فرماتے پس یہ نو تکبیریں عیدین میں ہوئیں، ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج۹ص۳۵۰)

اس کی اسناد حسن ہیں۔

● قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍؓ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيْدَيْنِ تِسْعاً اَرْبَعاً قَبْلَ الْقِرَآءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ وَفِي الثَّانِيَةِ يَقْرَأُ فَاِذَافَرَغَ كَبَّرَ اَرْبَعاً ثُمَّ رَكَعَ وَفِي الثَّانِيَةِ يَقْرَأُ فَاِذَافَرَغَ كَبَّرَ اَرْبَعاً ثُمَّ رَكَعَ. **ترجمہ**:۔ حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے، تکبیر تحریمہ کیساتھ چار تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اسی طرح دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جاتے تو تکبیر کہتے تھے پھر رکوع فرماتے یعنی رکوع والی تکبیر سمیت چار تکبیر قرأت کے بعد کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ج۳ص۲۹۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّصْرِ الْاَزْدِيّ ثَنَامُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو ثَنَازَائِدَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ وَعَنْ كُرْدُوْسٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍؓ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ تِسْعاً تِسْعاً يَبْدَأُ فَيُكَبِّرُ اَرْبَعاً ثُمَّ يُكَبِّرُ وَاحِدَةً فَيَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ يَقُوْمُ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ فَيَبْدَأُ فَيَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ اَرْبَعاً ثُمَّ يَرْكَعُ بِاِحْدَاهُنَّ

ترجمہ:۔ حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں نو نو تکبیریں کہا کرتے تھے، شروع میں چار تکبیریں کہتے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے چنانچہ شروع میں قرأت فرماتے پھر چار تکبیریں کہتے پھر ان میں سے ایک کے ذریعہ رکوع فرماتے (المعجم الکبیر للطبرانی ج۹ص۳۵۰)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● قَالَ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ الْوَلِيْدِ ثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ شَهِدْتُّ ابْنَ عَبَّاسٍؓ كَبَّرَ فِيْ صَلٰوةِ الْعِيْدِ بِالْبَصْرَةِ تِسْعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَالٰى بَيْنَ الْقِرَآءَتَيْنِ قَالَ وَشَهِدْتُّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَؓ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ. **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ نماز عید میں

حاضر ہوا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے اندر نماز عید میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں رکعت کی قرأتوں کو جمع فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کیساتھ بھی نماز عید میں حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

(مصنف عبد الرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ج۳ ص۲۹۴)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۴۹۷........۵۰۰، اعلاء السنن ج ۸ ص ۱۲۷........۱۴۴)

نمازِ عیدین میں چھ زائد تکبیروں کی حجت میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مرفوع روایت حسن سند کیساتھ، حضرتِ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایات صحیح سند کیساتھ (جو کہ مرفوع کے حکم میں ہیں) بطورِ استدلال موجود ہیں جو واجب کے ثبوت کیلئے کافی ہیں اسلئے نمازِ عیدین میں چھ زائد تکبیروں کا احناف کا موقف ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا عمل اختلاف کا

اکثر غیر مقلدین کے نزدیک نماز عیدین میں تکبیرات بارہ ہیں۔
بعض غیر مقلدین کے نزدیک تکبیرات بارہ ہیں۔
بعض غیر مقلدین کے نزدیک تکبیرات تیرہ ہیں۔
بعض عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت تکبیروں کے بعد کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں تکبیروں سے پہلے
بعض دونوں رکعات میں تکبیرات قرأت کے بعد کرتے ہیں۔
غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے جب کہ مقلدیت میں نظم وضبط امت ہے۔

سوالات

(۱) آپ کے نزدیک عیدین کی نماز میں کتنی تکبیرات ہیں نو، بارہ یا تیرہ؟

(۲) عیدین کی نماز میں بارہ تکبیرات ہیں اسکی دلیل میں صرف ایک ''صحیح'' حدیث پیش کیجئے۔

نماز عیدین کی چھ زائد تکبیروں کی روایات

(۱) محمد بن علاء اور ابن ابی زیاد، زید، عبد الرحمٰن، ان کے والد، مکحول، ابو عائشہ سے روایت ہیں، کہ سعید بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمانؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کیونکر تکبیر کہتے تھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں ابو موسیٰؓ نے کہا چار تکبیریں کہتے تھے جتنی جنازے پر کہتے ہیں حذیفہؓ نے کہا سچ ہے اور ابو موسیٰؓ نے کہا میں اتنی ہی تکبیریں کہا کرتا تھا بصرے میں جب ان پر حاکم تھا، ابو عائشہؓ نے کہا میرے سامنے سعید بن العاصؓ نے پوچھا۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر فی العیدین ج ۱ ص ۱۶۳)

اس کی اسناد حسن ہیں۔

● (۲) حضرت علقمہ اور اسودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور انکے پاس حضرت حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعریؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے تو ان لوگوں سے سعید بن عاصؓ نے عید کی تکبیر کے متعلق پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھئے ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھئے اسلئے کہ وہ ہم سے زیادہ پرانے اور ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں چنانچہ سعید بن عاصؓ نے ابن مسعودؓ سے پوچھا، ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے، پھر قرأت فرماتے، پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہتے (مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ج ۳ ص ۲۹۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● (۳) حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور ابو مسعودؓ کے پاس عشاء کے بعد قاصد بھیجا، پس فرمایا کہ بیشک یہ مسلمانوں کی عید ہے تو اس میں نماز عید کیونکر ہوگی انہوں نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن سے پوچھئے، چنانچہ انہوں نے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کھڑے ہوکر چار تکبیر کہتے پھر سورۂ فاتحہ اور مفصلات میں سے کسی سورۃ کی تلاوت فرماتے پھر چار تکبیر کہتے، انکے ختم پر رکوع فرماتے پس یہ نو تکبیریں عیدین میں ہوئیں، ان میں سے کسی نے اسکا انکار نہیں کیا (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۵۰ حدیث نمبر ۹۵۱۴)

اس کی اسناد حسن ہیں۔

● (۴) حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے، تکبیر تحریمہ کے ساتھ چار تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اسی طرح دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جاتے تو تکبیر کہتے تھے پھر رکوع فرماتے یعنی رکوع والی تکبیر سمیت چار تکبیر قرأت کے بعد کہتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ج ۳ ص ۲۹۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● (۵) حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نو نو تکبیریں کہا کرتے تھے، شروع میں چار تکبیریں کہتے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے چنانچہ شروع میں قرأت فرماتے پھر چار تکبیریں کہتے پھر ان میں سے ایک کے ذریعہ رکوع فرماتے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۵۰ حدیث نمبر ۹۵۱۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● (٦) حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے اندر نماز عید میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں رکعت کی قرأتوں کو جمع فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ساتھ بھی نماز عید میں حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یو م العید ج٣ ص٢٩٤)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

مسائلِ نمازِ جنازہ

نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لَهُ شَیْءٌ** (ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد ص١١٠، ابوداؤد کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد ج٢ ص٩٨) ابوداؤد میں دونوں نسخے میں **فَلَا اَجْرَ لَهُ** اور **فَلَا شَیْءَ لَهُ**۔

ترجمہ:۔ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے کچھ بھی ثواب حاصل نہ ہوگا۔ صاحب آثار السنن نے تحریر کیا ہے کہ اسکی اسناد حسن ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج٢ ص٢٧٦، ٢٧٧، ٢٧٨ حاشیہ)

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اور کراہت کے دو اسباب ہیں (١) مسجد کا بے جا استعمال، اسلئے کہ مساجد فرائض اور اس کے توابعات کے لئے بنائی جاتی ہیں نہ کہ جنازے کیلئے (٢) دوسرا سبب مسجد کے ملوث ہونے کا خوف اور احتمال ہے۔ تزیہ مسجد (مسجد کی صاف صفائی) واجب ہے اسلئے مسجد کو ہر اس چیز سے بچانا ضروری ہے۔ جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو (مسجد ملوث ہوتی ہو) یا ہونے کا احتمال ہو۔ مسجد کو بچوں اور پاگلوں سے بچانے کا حکم اسلئے ہے کہ ان سے خطرہ رہتا ہے کہ کوئی گندگی پھیلا دیں گے۔ اور یہ علت (گندگی کا خطرہ کہ خون وغیرہ نجاست خارج ہو جائے) جنازہ میں بھی پایا جاتا ہے اسلئے میت کو بطریق اولیٰ مسجد سے الگ رکھا جائے۔

نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ:۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ الگ تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہود نے اپنے ایک مرد اور عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا نبی ﷺ کے پاس لایا پس آپ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا مسجد کے قریب نماز جنازہ کی جگہ کے پاس۔

(بخاری شریف باب الصلاۃ لی الجنائز با لمصلیٰ و المسجد ج١ ص١٧٧)

ابن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ ”مدینہ“ میں جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ مسجد (نبوی) سے متصل مشرق کی جانب تھی۔

(فتح الباری ج٣ ص١٦٠)

یہ بات قطعی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت مستمرہ اور آپ کا دوامی عمل اور طریقہ مسجد میں ''میتوں'' کو داخل کرنیکا نہ تھا۔
(فتح القدیر ج۲ ص۹۲)

اس بارے میں آپ ﷺ کا عمل یہانتک تھا کہ نجاشی کی وفات کی خبر آپ ﷺ نے مسجد میں دی مگر نماز وہاں نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کو لے کر نماز جنازہ کی جگہ پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز ادا فرمائی۔ (دیکھئے صحیح بخاری ج ا ص ۱۷۰، صحیح مسلم فصل فی النعی للناس المیت ج ا ص ۳۰۹) حالانکہ جنازہ وہاں پر موجود نہ تھا، باوجود اس کے مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی کہ مسجد کے غلط استعمال کے مرادف ہے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے انتقال پر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جنازہ مسجد میں رکھا جائے تا کہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں اس پر حضرات صحابہؓ نے انکار کیا............ (صحیح مسلم فصل فی جواز الصلوٰۃ علی المیت فی المسجد ج ا ص ۳۱۳) اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا ورنہ درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور صحابہ کے انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آنحضرت ﷺ کے دوامی عمل اور سنت مستمرہ کے خلاف عذر کی وجہ سے تھا۔ صحابہ کرام کا یہ فرمانا تھا ''مَا کَانَتِ الْجَنَائِزُ یُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ **ترجمہ**:۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد میں جنازے لائے نہیں جاتے تھے'' (صحیح مسلم، کتاب الجنائز ج ا ص ۳۱۳) مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت ہونے پر روشن اور واضح دلیل ہے۔ مسجد نبوی کے قریب نماز جنازہ کی جگہ (جسے مصلی الجنائز کہا جاتا ہے) میں حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیمؓ کی جنازہ کی نماز پڑھائی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت سے ظاہر ہے (مکہ کی مسجد حرام کو اس نہی سے مستثنی قرار دیکر لکھا ہے کہ ''مسجد حرام نماز پنجگانہ، عیدین، جمعہ، کسوف، خسوف، جنازہ، اور استسقاء اور تمام امور کیلئے بنی ہے'' (شرح نقایہ لملا علی قاری ج ا ص ۱۳۶)

شوافع اور حنابلہ : شوافع اور حنابلہ اسبات کے قائل ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونیکا خوف نہ ہو۔

غیر مقلدین : لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ سنت ہے اور اس سے انکار کرنا سنت کی مخالفت کرنا ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

- حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ جب سعد بن ابی وقاصؓ فوت ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ان کو (جنازہ) مسجد میں داخل کرو تا کہ میں ان پر نماز پڑھ لوں۔ تو لوگوں نے اسکا انکار کیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے نماز پڑھی بیضاء کے دو بیٹوں کی سہیل اور اس کے بھائی کی مسجد میں۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز، فصل فی جواز الصلوٰۃ علی المیت فی المسجد ج۱ص۳۱۳)

اس سے عام حکم ثابت نہیں ہوسکتا یہ روایت مستثنیات میں سے ہے کسی عذر کی بناء پر کیونکہ (۱) حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کے متعلق حضرت عائشہؓ کی درخواست مشیر ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا، ورنہ درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (۲) صحابہ کے انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آنحضرت ﷺ کے دوامی عمل اور سنت مستمرہ کے خلاف عذر کی وجہ سے تھا۔ عذر کیا تھا؟ اس کا جواب محدث قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۔۱۲۸۹ھ یہ دیتے ہیں کہ ''ایک روایت میں یہ صریح آیا ہے کہ حضرت معتکف تھے اسلئے مسجد میں پڑھی'' (مظاہر حق ص ج:۲:۴۹)۔ (۳) اس موقعہ پر صحابہ کا یہ فرمانا کہ مَا كَانَتِ الْجَنَائِزُ يُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ **ترجمہ** (آنحضرت ﷺ کے زمانے میں) مسجد میں جنازے لائے نہیں جاتے تھے (صحیح مسلم ج۱ص۳۱۳) مسجد میں نماز جنازہ خلافِ سنت ہونے پر روشن اور واضح دلیل ہے۔

(۴) محض بیضاء کے لڑکے کے جنازہ کو داخلہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ جنازے خارج مسجد پڑھے جاتے تھے اور مذکورہ دو جنازے کسی عذر کیوجہ سے مسجد میں پڑھے گئے، حضرت عائشہؓ کو عذر کا علم نہ ہوگا یا حضرت عائشہؓ کا یہ اجتہاد تھا کہ مسجد میں جنازہ کی نماز جائز سمجھتی ہیں جس کو صحابہؓ نے تسلیم نہیں کیا، واللہ اعلم، الغرض حدیث مذکور مسلک احناف کے خلاف نہیں ہے بلکہ تائید میں ہے، عذر کی صورت میں علمائے احناف بھی مسجد میں جنازہ پڑھنے کو بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔

● حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ صحابہ نے مسجد میں پڑھی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج۳ص۵۲۶)

اگر مقلدین حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے جنازے کی دلیل دیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو آنحضرت ﷺ کے حجرہ مبارکہ میں دفن کرنا تھا اسلئے مسجد میں جنازہ لے جائے بغیر چارہ نہ تھا، لہذا یہ دونوں واقعے بھی عذر کی وجہ سے پیش آئے۔ حکم عام نہیں۔

لیکن غیر مقلدین تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ کا حوالہ دے نہیں سکتے کیونکہ یہ عمل غیر نبی کا ہے اور غیر نبی سے دلیل لینا تقلید ہے جو انکے نزدیک شرک ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین حضرت عائشہؓ کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی دلیل نہیں لے سکتے کہ وہ غیر نبی کا فعل ہے۔

اسلئے غیر مقلدین کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس سے مسجد میں نماز جنازہ کے سنت ہونے یا جائز ہونے کا حکم عام ثابت ہو۔

اسلئے یہ فیصلہ قطعی ہے کہ بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اور مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہونیکے دو سبب بیان کئے گئے ہیں (پہلا مسجد کا بے جا استعمال، دوسرا مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ) پہلے سبب کے لحاظ سے مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرے سبب کے لحاظ سے مکروہ تحریمی ہے۔

عذر کی بناء پر مسجد میں نمازِ جنازہ کی صورت

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ”فَاِنَّہٗ ﷺ اِنَّمَا صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ لِعُذْرِ الْمَطَرِ وَلِذَا لِکَ لَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّجَاشِیْ فِیْ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ تُصَلِّیْ فِیْہِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ مَعَ اَنَّہٗ لَمْ تَکُنِ الْجَنَازَۃُ حَاضِرَۃً فَعُلِمَ اَنَّ الصَّلوٰۃَ فِیْ الْمَسْجِدِ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ مَکْرُوْھَۃٌ اِلیٰ آخِرِہٖ. **ترجمہ**: بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں نمازِ جنازہ بارش کے عذر کیوجہ سے پڑھی تھی اسی لئے نبی ﷺ نے نجاشی کی نمازِ جنازہ اس مسجد میں نہیں پڑھی جس میں پانچ نمازیں ادا کی جاتی تھیں مزید یہ کہ جنازہ سامنے موجود بھی نہیں تھا۔ لہذا یہ بات معلوم ہوگئی کہ مسجد میں نمازِ جنازہ بغیر عذر کے مکروہ ہے۔

فائدہ: جگہ کی تنگی یا بارش وغیرہ اعذار کی بناء پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے اس میں یہ صورت اختیار کرنی چاہئے کہ میت امام اور کچھ مقتدی خارج مسجد ہوں اور بقیہ مسجد میں ہوں (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۱۱)

غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے

نماز جنازہ کی مشروعیت کیلئے ضروری ہے کہ ”میت“ جنازہ پڑھانے والے کے سامنے موجود ہو اگر میت نماز پڑھانے والے کے سامنے نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔ لیکن غیر مقلدین کہتے ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ درست ہے۔ اور دلیل میں صحاح ستہ کی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی کی نماز غائبانہ پڑھائی ہے۔ جبکہ غائبانہ نماز جنازہ کا حکم عام نہیں ہے بلکہ یہ تخصیص تھی۔ کیونکہ (۱) خود غیر مقلدین کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۴۸۷، ۴۸۸ حاشیہ۔ انہوں نے ”امام خطابی کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ وہ ایک مسلمان آدمی تھا اور اس نے حضور ﷺ پر ایمان لایا تھا۔ آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی مگر وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا۔ اور مسلمان کے فوت ہونے پر نماز جنازہ ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ اور نجاشی اہل کفر میں مقیم تھا اور وہاں کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اس کی نماز جنازہ پڑھتا لہذا رسول اللہ ﷺ کیلئے یہ کام کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ اسکے نبی تھے اور اس کے لوگوں سے زیادہ حقدار تھے۔ پس اسی سبب نے آپ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دی۔“ (۲) حضور اکرم ﷺ نے صرف شاہ حبشہ حضرت نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے اسکے علاوہ بیشمار صحابہ کرامؓ کا انتقال وشہادت آپ ﷺ کے زمانے میں ہوا بعضوں کی شہادت تو بڑی دردناک ہوئی ہے مگر آپ ﷺ نے کسی کی بھی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی ہے۔

نہ تو صحابہ کرامؓ نے کسی صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے کہ اگر نماز جنازہ غائبانہ جائز ہوتی تو ضرور عمل فرماتے۔ (۳) حضرات خلفائے اربعہؓ جو صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑھ کر تھے انکی وفات وشھادت کے موقع پر نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی گئی۔ حالانکہ بے شمار صحابہ غیر حاضر تھے انکو اطلاع ملی مگر نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی۔ اگر نماز

جنازہ غائبانہ جائز ہوتی تو وہ صحابہ وتابعین جو غائب تھے ضرور پڑھتے۔ (۴) شاہ حبشہ حضرت نجاشی کا جنازہ بطور معجزہ بوقت نماز جنازہ حضور اکرم ﷺ کیسامنے رای العین (آنکھوں کیسامنے) کر دیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ اور نجاشی کے درمیان جتنے حجابات ارضی تھے وہ سب اللہ تعالی نے جس طرح بھی چاہا دور فرما دیا تھا۔ یہاں تک کہ نجاشی کا جنازہ آپ کو نظر آنے لگا تھا۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ابن حبان نے نقل کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے انکی نماز جنازہ پڑھو۔ چنانچہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے پھر ہم لوگ آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے چار تکبیریں کہیں ہم یہی گمان کرتے تھے کہ جنازہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہے۔ مسند ابی عوانہ کی روایت میں مزید اضافہ ہے: کہ فَصَلَّيْنَا خَلْفَهُ وَنَحْنُ لَا نَرىٰ اِلَّا اَنَّ الْجَنَازَةَ قُدَّامَنَا یعنی ہم نے پیغمبر علیہ السلام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی اور ہم سمجھتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ خلاصہ: یہ ہے کہ یہ حضرت نجاشیؓ کی خصوصیت تھی اسلئے کہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں کہ انکے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو۔ نیز یہ آپ ﷺ کیساتھ مخصوص تھا اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا جیسا کہ قریش کے سوال کے وقت بیت المقدس آپ کے روبرو مشاہدہ کر دیا گیا تھا۔

غائبانہ نماز جنازہ کے جواز پر حضرت معاویہ بن معاویہ المزنیؓ کے واقعہ کو بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انکی نماز تبوک میں پڑھی جب کہ انکی وفات مدینہ منورہ میں ہو چکی تھی جیسا کہ اسد الغابہ (ج ۴ ص ۳۸۹) میں ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۴)

اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یہ بھی ان کی خصوصیت قرار دی جائے گی۔ خصوصیت کی وجہ روایت میں یہ ہے: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجِبْرِيْلَ بِمَ بَلَغَ مُعَاوِيَةُ هٰذَا قَالَ بِكَثْرَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ كَانَ يَقْرَءُ هَا قَائِماً وَّقَاعِداً وَّرَاقِداً فَبِهٰذَا بَلَغَ مَابَلَغَ۔ **ترجمہ**: ۔حضور اکرم ﷺ نے سید الملائکہ حضرت جبرئیلؑ سے حضرت معاویہ بن معاویہ کے بارے میں دریافت فرمایا کہ ان کو یہ بلند مقام کیوں ملا۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ سورۂ اخلاص کی کثرت کیوجہ سے کہ وہ اس کو اٹھتے بیٹھتے، سوتے، جاگتے، چلتے، پھرتے پڑھتے تھے اسلئے اس مرتبہ کو پہونچے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ س ۳۸، **باب الصلوٰۃ علی الغائب**، رواہ الطبرانی فی الکبیر ج ۱۹ ص ۴۲۹، حدیث ۱۰۴۱، مستفاد درس ترمذی ج ۳ ص ۳۰۰، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۴، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۳ ص ۴۳۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۵۱)

اسکے علاوہ اس واقعہ میں مذکور ہے۔ حضرت معاویہ بن معاویہؓ کے جنازہ سے حجابات ارضی دور کر دیئے گئے تھے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ (ج ۳ ص ۴۳۶) میں طبرانی، ابن مندہ، اور بیہقی وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ فرض نہیں ہے

غیر مقلدین نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں اگر کسی نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اسکی نماز باطل ہوگی اور بقول بعض شرط ہے جسکے بغیر نماز جنازہ ہوگی ہی نہیں۔

غیر مقلدین کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے بلکہ بعض کے نزدیک شرط ہے۔ فرض کی دلیل کیلئے قرآنی یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ ضروری ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

●عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَءَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ **ترجمہ**:۔ حضرت طلحہ بن عبداللہؓ کہتے ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔ اور فرمایا کہ تم کو جان لینا چاہئے کہ یہ سنت ہے (نسائی ج۱ ص۲۱۸، کتاب الجنائز، باب الدعاء)

استدلال پر اعتراضات:۔ (۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی بعض روایات میں ''لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ'' کی بجائے ''حَقٌّ وَسُنَّةٌ'' ہے اور انہی کی بعض روایات میں سورۂ فاتحہ کیساتھ دوسری سورۃ پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ جس کے جمہور اہل سنت والجماعت قائل نہیں ہیں۔

(۲) راوی کہتے ہیں کہ جب عبداللہ ابن عباسؓ فارغ ہوئے تو میں نے تعجب سے انکا ہاتھ پکڑ کر سوال کیا تو فرمایا کہ یہ ایک طریقہ ہے اور برحق ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ خیر القرون میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا جواز نہ تھا کیونکہ طلحہ بن عبداللہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر تعجب سے سوال کیا جو انکے نزدیک بالکل ایک نئی بات تھی

(۳) بعض شراح یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اسکو سنت قرار دینا سنت اصطلاحی نہیں (یعنی نبی کریم ﷺ کی سنت مراد نہیں کیونکہ کسی بھی صحیح حدیث سے آپ ﷺ سے نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا حکم دینا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ خلفاء راشدین سے۔ بلکہ امام دار الھجرۃ امام مالکؒ نے فرمایا ''نماز جنازہ دعا ہے اسمیں قرأت کا معمول میں نے اپنے اس شہر (مدینہ) میں نہیں پایا'' (عمدۃ القاری ج۸ ص۱۳۹)

غیر مقلدین اس سلسلے میں اور دیگر روایات بھی پیش کرتے ہیں جو سب کے سب ''غیر صحیح'' ہیں یعنی ''صحیح'' کے درجہ تک بھی نہیں پہنچی ہیں

آثار:۔ غیر مقلدین کو دلیل میں آثار پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے اعلاء السنن ج۸ ص۲۵۵ باب کیفیۃ صلوٰۃ الجنازۃ تا ص۲۶۱، دین کے بنیادی مسائل حدیث کی روشنی میں) مؤلف مولانا مفتی محمد آزاد بیگ صاحب قاسمی طبع مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری بمبئی ۱۰۲ ص۳۴۸ تا ۳۵۷، تخریج صلوٰۃ الرسول ص۴۷۶ تا ۴۷۹ حاشیہ) نیز نماز میں

سورۂ فاتحہ یا قرأت نہیں ہے اس کے دلائل میں احادیث اور آثار مذکورہ کتابوں میں ہی دیکھئے۔)

فرض کے استدلال کیلئے قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث صریحہ متواترہ چاہئے جبکہ اس سلسلے میں ایک بھی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے۔

اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ رد ہے۔ کہ ”نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے بلکہ شرط ہے“۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائیگا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

اکثر غیر مقلدین نماز جنازہ میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔
اور بعض غیر مقلدین سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ بھی پڑھتے ہیں۔
بعض غیر مقلدین سورۂ فاتحہ میں جہر (زور) کے قائل ہیں اور بعض سر (آہستہ) کے۔
بعض کہتے ہیں امام زور سے قرأت کرے اور مقتدی آہستہ سے۔
غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے جب کہ مقلدیت میں نظم وضبط امت ہے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہو۔
(۲) حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے۔
(۳) امام اور مقتدی سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ؟ حدیث پیش کیجئے۔

ترکیب نماز جنازہ

احناف کے دلائل

نماز جنازہ کا طریقہ احناف کے نزدیک اس طرح ہے۔ نماز میں چار تکبیریں (اللہ اکبر کہنا) ہیں۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر (اللہ اکبر) کیساتھ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ پھر ثناء پڑھے اسکے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دوسری تکبیر کہے۔ پھر درود ابراہیم (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) پڑھے

اسکے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے تیسری تکبیر کہے۔ پھر میت کیلئے مسنون دعا پڑھے۔ اس کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے چوتھی تکبیر کہے پھر دائیں بائیں سلام پھیرے۔

دلائل: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو نجاشی کی موت کی خبر سنائی پھر آگے بڑھے تو لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ پس اپنے بھائی کیلئے مغفرت طلب کرو۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ اس (نماز جنازہ) میں تکبیر بھی ہے اور سلام بھی ہے۔

نماز جنازہ میں ثناء، درود اور دعا ہے

امام مالک سعید مقبری سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہے کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ جنازہ کی نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا بخدا میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ میں جنازہ کے گھر سے اس کیساتھ ہو لیتا ہوں۔ جب جنازہ نماز کیلئے رکھا جائے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور آنحضرت ﷺ پر درود پڑھتا ہوں پھر دعا پڑھتا ہوں۔

☆عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ: اَلتَّکْبِیْرَۃُ الْاُوْلیٰ عَلَی الْمَیِّتِ ثَنَاءٌ عَلَی اللّٰہِ وَالثَّانِیَۃُ صَلَاۃٌ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَالثَّالِثَۃُ دُعَاءٌ لِّلْمَیِّتِ وَالرَّابِعَۃُ لِلتَّسْلِیْمِ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کہنے کے وقت اللہ کی حمد و ثناء کرنا ہے۔ دوسری تکبیر پر درود شریف پڑھنا ہے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیرنا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "ما یبدأ بہ فی التکبیرۃ الاولیٰ فی الصلوٰۃ علیہ و الثانیۃ و الثالثۃ و الرابعۃ" ج۷ ص۲۵۱، مصنف عبدالرزاق باب القرأۃ و الدعاء فی الصلاۃ علی المیت ج۳ ص۴۹۱)

غیر مقلدین کے دلائل

ترکیب نماز (یعنی پہلے تکبیر کہیں سورۂ فاتحہ پڑھیں پھر تکبیر کہیں درود پڑھیں پھر تکبیر کہیں دعا پڑھیں پھر تکبیر کہیں پھر سلام پھیریں) کیلئے کوئی مرفوع حدیث موجود ہی نہیں ہے۔

یعنی غیر مقلدین کے پاس ترکیب نماز جنازہ کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسلئے وہ نماز جنازہ بغیر دلیل کے پڑھتے ہیں (غیر مقلدین کا اصول ہے کہ بغیر دلیل کے عمل کرنا شرک ہے)

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے

الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائیگا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتہ اتحاد پر لانیوالے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

غیر مقلدین نماز جنازہ کے سلسلے میں بڑا ہی اختلاف رکھتے ہیں۔

کسی کے نزدیک تکبیرات چار ہیں، کسی کے نزدیک پانچ، اور کسی کے نزدیک چھ،

کوئی جھراً پڑھنے کا قائل ہے کوئی سراً۔

کوئی صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے اور کوئی ساتھ میں سورۃ ملائیگا۔

غیر مقلدیت میں اختلاف وانتشار ہے جب کہ مقلدیت میں نظم وضبط امت ہے۔

سوال

ترکیب نماز جنازہ کی دلیل میں صرف ایک مرفوع حدیث پیش کیجئے۔

دفن کے بعد قبر پر اول وآخر سورۂ بقرہ پڑھنا

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مستحب قرار دیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کا اول اور آخر پڑھا جائے (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۳۵۷) حضرت عبداللہ ابن عمر اسکی وصیت فرماتے تھے (المغنی ج ۲ ص ۴۲۵)

حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد علاء ابن اللجلاج سے نقل کرتے ہیں کہ۔

● عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ ابْنِ اللَّجْلَاجِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ لِیْ اللّجْلَاجُ اَبُوْخَالِدٍؓ یَابُنَیَّ اِذَا اَنَامِتُّ فَالْحَدْ لِیْ فَاِذَاوَضَعْتَنِیْ فِیْ لَحْدِیْ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ سُنَّ عَلَیَّ التُّرَابَ سَنّاً ثُمَّ اقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِیْ بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتِهَافَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ لله ﷺ یَقُوْلُ ذٰلِکَ۔ **ترجمہ**:۔ حضرت لجلاج ابوخالدؓ نے کہا کہ اے میرے بیٹو جب میں مرجاؤں تو میرے لئے لحد کھودو اور جب مجھے لحد میں رکھو تو پڑھو بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ پھر مجھ پر مٹی ڈال کر قبر بناؤ پھر پڑھو میرے سرہانے سورۂ بقرہ کا شروع اور اسکا آخر اسلئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ایسا کہتے ہوئے (الطبرانی فی الکبیر ج ۹ ص ۲۲۱ حدیث ۴۰۱، مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب ما یقول عند ادخال المیت القبر ج ۳ ص ۴۴) صاحب آثار السنن نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاسْرِعُوْا اِلٰی قَبْرِهٖ وَلْیُقْرَءْ عِنْدَ رَاْسِهٖ بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَیْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ. **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسکو گھر میں روکے مت

رکھواور اسکی تدفین میں جلدی کرواور اسکے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پائنتانے اسکی آخری آیتیں پڑھی جائیں۔
(بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۹، طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۳۴۰، حدیث ۱۳۶۱۳، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۰۱ حدیث ۴۲۳۹۰)

غیر مقلدین اپنے مُردوں کے حق میں کیا کر سکتے ہیں؟

نمازِ جنازہ کی ترکیب کیلئے کوئی مرفوع حدیث موجود ہی نہیں ہے اور دفن کرنے کے بعد قبر پر پڑھنے کی دلیل میں کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے اسلئے غیر مقلدین نہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ ایصالِ ثواب کے قائل ہیں اسلئے مردوں کو گڑھے میں ڈال کر انہیں واپس ہوجانا چاہئے اور اگر وہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں یا قبر پر کچھ پڑھتے ہیں تو یہ عمل بلا دلیل ہے اور بغیر دلیل کے عمل انکے نزدیک شرک ہے۔

عورتوں اور مردوں کے بعض احکامات میں فرق

احادیث کی روشنی میں دین کے بہت سے احکامات میں عورتوں اور مردوں میں فرق ہے۔ جس میں سے چند درج ذیل ہیں

مرد پاک ہو یا ناپاک کسی وقت بھی نماز معاف نہیں۔.............حیض ونفاس کی حالت میں عورتوں کو نماز معاف ہے۔

پاکی یا ناپاکی کی حالت میں مردوں پر روزہ رکھنا ہے۔..............حیض ونفاس کی حالت میں عورتوں کو روزہ رکھنا منع ہے۔ پاکی کی حالت میں ان روزوں کی قضاء کرے۔

استطاعت رکھنے پر مرد پر حج فرض ہے وہ کسی کیساتھ کا محتاج نہیں ہے۔..........عورت بغیر محرم کے حج کیلئے نہیں جاسکتی۔

اگر جہاد فرض ہوجائے تو ہر مرد پر فرض ہے۔..................................عورت پر جہاد فرض نہیں ہے۔

مردوں کیلئے جمعہ اور عیدین کی جماعت واجب ہے۔.........................عورتوں کیلئے جمعہ وعیدین واجب نہیں ہے۔

مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے۔........................عورتیں پوری مستور ہیں سوائے چہرے اور ہتھیلی اور پیر کے۔

ایک کپڑے میں مردوں کی نماز ہوسکتی ہے۔...............................اگر سر بھی کھلا ہے تو عورت کی نماز نہیں ہوگی۔

جب نماز کیلئے اذان ہوجائے تو مردوں کو جماعت میں شریک ہونا واجب ہے۔..........................بغیر شوہر کی اجازت کے عورت مسجد جا نہیں سکتی۔

مردوں کی مسجد میں حاضری مشروط نہیں۔ انہیں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں...................عورت کی مسجد میں حاضری مشروط ہے بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد نہیں جاسکتی۔

مرد ہر ایک کی امامت کرسکتا ہے۔...عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔

مرد اذان دے سکتا ہے۔...عورت اذان نہیں دے سکتی۔

بعض مسالک میں مرد کو امام کے پیچھے بلند آواز سے آمین کہنا چاہیئے ۔........................عورت کو آہستہ سے کہنا چاہیئے ۔

عورتوں اور مردوں کی نماز کا فرق

احناف :۔ وَبَدنُ الْحرُکَۃِ کُلُّھَا عَوْرَۃٌ اِلَّا وَجْھَھَا وَکَفَّیْھَا ،لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اَلْمَرْأۃُ عَوْرَۃٌ مَسْتُوْرَۃٌ ،وَاسْتَثْنَی الْعَضْوَیْنِ لِلْاِبْتِلَاءِ بِاِ بْدَائِھِمَا (ھدایہ اولین ص ۹۳) فقہ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب ھدایہ میں ہے کہ وَالْمَرْأۃُ تَنْخَفِضُ فِیْ سُجُوْدِ ھَا وَتَلْزَقُ بَطْنَھَا بِفَخِذَ یْھَا لِاَنَّ ذَالِکَ اَسْتُرُلَھَا (ھدایہ:۱/۱۱۰) عورت اپنے سجدہ میں پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکائے رہے گی کیونکہ اس کے حق میں یہی زیادہ چھپانے والا ہے

مالکیہ:۔ امامِ دارالھجرۃ حضرت مالک بن انسؒ جن کے مسلک کی بنیاد اکثر اہل مدینہ کے تعامل پر ہوتی ہے۔ ان کا مسلک فقہ مالکی کی معروف اور مستند کتاب ’’اَلشَّرْحُ الصَّغِیْرِ عَلیٰ اَقْرَبِ الْمَسَالِکِ اِلیٰ مَذْھَبِ الْاِمَامُ مَالِکُ کی ’’عبارت‘‘ سے ملاحظہ ہو۔

وَنُدِبَ (مُجَافَاۃُ)أیْ مُبَاعَدَۃُ (رَجُلٍ فِیْہِ)أیْ اَلسُّجُوْدِ (بَطْنَہٗ بِفَخِذَ یْہِ)فَلَا یَجْعَلُ بَطْنَہٗ عَلَیْھَا (وَ)مُجَافَاۃُ (مِرْفَقَیْہِ وَرُکْبَتَیْہِ) أیْ عَنْ رُکْبَتَیْہِ (وَ)مُجَافَاۃُ (ضَبُعَیْہِ)بِضَمِّ ا لْبَاءِ الْمُوَحَّدَۃِ تَثْنِیَۃُ ضَبُعٍ،مَافَوْقَ الْمِرْ فَقِ اِلیٰ الْاِ بِطِ (جَنُبَیْہِ)أیْ عَنْھَا مُجَافَاۃً (وَسْطاً)فِی الْجَمِیْعِ،وَأمَّاالْمَرْأۃُ فَتَکُوْنُ مُنْضَمَّۃً فِیْ جَمِیْعِ أحْوَالِھَا .(اَلشَّرْحُ الصَّغِیْرُعَلیٰ أقْرَبِ الْمَسَالِکِ اِلَی الْاِمَامِ مَالِکُ:۱/۳۲۸.۳۲۹) یعنی مرد کیلئے حالت سجدہ میں اپنے پیٹ کو رانوں سے علاحدہ رکھنا مطلوب ہے، اسی طرح کہنیوں، گھٹنوں، بازوں اور پہلووں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور کشادہ رکھنا مطلوب اور مندوب ہے۔ لیکن عورت اپنے تمام احوال میں سمٹی رہے گی۔

شوافع:۔ امام محمد ابن ادریس الشافعیؒ کی تصنیف جو ان کے تلمیذِ رشید امام مزنیؒ کی روایت سے منقول ہے اور فقہِ شافعی کے مستند ترین مأخذ میں شمار کی جاتی ہے اس میں عورتوں کے طریقۂ نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قَالَ الشَّافِعِیُّ) وَقَدْ أدَّبَ اللّٰہُ تَعَالیٰ النِّسَاءَ بِالْاِسْتِتَارِ، وَأدَّبَھُنَّ بِذٰلِکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاَحَبُّ لِلْمَرْأۃِ فِی السُّجُوْدِ أنْ تَضُمَّ بَعْضُھَااِلیٰ بَعْضٍ ،وَتُلْصَقُ بَطْنَھَابِفَخِذِھَا، وَتَسْجُدُ کَأسْتُرِمَایَکُوْنُ لَھَا، وَھٰکَذَا أحَبُّ لَھَافِی الرُّکُوْعِ وَالْجُلُوْسِ وَجَمِیْعِ الصَّلٰوۃِ اَنْ تَکُوْنَ کَأسْتُرِمَایَکُوْنُ لَھَا ،وَأحَبُّ اَنْ تَکُفَّتْ جِلْبَابَھَاوَتَجَافِیْہِ رَاکِعَۃً وَسَاجِدَۃً عَلَیْھَالِئَلَّا تَصِفُھَا ثِیَا بُھَا. (کتاب الام:۱/۱۰۰)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چھپ کر رہنے کا ادب سکھلایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کو یہی ادب سکھلایا ہے اور میں عورتوں کیلئے حالتِ سجدہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے بدن کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملالے اور اپنے پیٹ کو ران سے چپکالے اور اس طرح سجدہ کرے جو اس کیلئے زیادہ چھپانے والا ہو۔ اسی طرح عورت

کیلئے رکوع، جلسہ اور پوری نماز میں یہی پسند کرتا ہوں کہ عورت اس ہیئت پر رہے جو اس کیلئے سب سے زیادہ ساتر (چھپانے والی) ہو۔ اور میں پسند کرتا ہوں کہ رکوع سجدہ میں اپنی چادر کو کشادہ رکھے تا کہ کپڑوں سے اسکے بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔ (ص ۸۲/۸۳)

حنابلہ:۔ فقہ حنابلہ کی مشہور کتاب زَادُ الْمُسْتَقْنِعِ اور اس کی شرح "اَلسَّلْسَبِیْلُ فِیْ مَعْرِفَةِ الدَّلِیْلِ لِفَضِیْلَةِ الشَّیْخِ صَالِحِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ الْبَلِیْهِیّ" طبع ۱۴۰۱ھ میں مردوں کی نماز کا طریقہ بیان کرنیکے بعد فرماتے ہیں: وَالْمَرْأَةُ مِثْلُهُ، تَضُمُّ نَفْسَهَا وَتَدُلُّ رِجْلَيْهَا فِیْ جَانِبِ يَمِيْنِهَا (زَادُ الْمُسْتَقْنِعِ ص ۱۱۹) یعنی عورت بھی مرد کی طرح ہے لیکن عورت اپنے آپ کو سمیٹے رہے گی اور اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکال لے گی (۸۴)

غیر مقلدین:۔ ان کے نزدیک "عورتوں اور مردوں کی نماز یکساں ہے" نیز عورتوں اور مردوں کی نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں"

مذکورہ بالا جملے "قیاس" ہیں، قرآنِ کریم کی کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے۔

"اسلام کے احکامات عام طور پر عورتوں اور مردوں کیلئے یکساں ہیں" (یہ اصول ہے جو قیاس کی حیثیت رکھتا ہے)۔ مگر وہ احکامات مستثنٰی ہیں جن میں فرق بتایا گیا ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کی نماز یکساں ہے۔ سوائے ان امور کے جن میں احادیث سے استثناء آیا ہے (یعنی فرق بتایا گیا ہے)۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے "فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ. **ترجمہ:۔** کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے۔ (مراسیل ابوداوٗد ص ۸)"

اگر عورت اور مرد کی نماز کا فرق احادیث میں بتایا گیا ہو ہو تو احادیث کو ترجیح دی جائیگی قیاس پر (اگر چہ احادیث ضعیف ہوں)۔ ہمارے نزدیک ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک قیاس حجت نہیں ہے پھر بھی وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔

نماز میں درج ذیل امور مردوں سے فرق کے ساتھ ہیں

خواتین نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھائیں (کانوں تک نہ اٹھائیں)

●عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاابْنَ حُجْرٍ اِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْکَ حِذَاءَ اُذُنَيْکَ وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا. **ترجمہ:۔** حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابن حجر! جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے مقابل کرلو (اٹھاتے وقت) اور عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے ثدیین (پستانوں) کے مقابل میں کرلے یعنی مونڈھے تک اٹھائے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر ج ۲۲ ص ۲۰)

☆سَلْمَانُ بْنُ عُمَيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ رَأَيْتُ اُمَّ الدَّرْدَاءِؓ وَهِیَ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهَا . **ترجمہ:۔** حضرت

سلمان بن عمیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ام الدارداءؓ کو دیکھا (جو جلیل القدر مشہور صحابیہ ہیں جن کا نام خیرۃ ہے، تہذیب التہذ یب ج ۱۲ ص ۴۶۶) کہ وہ اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں کے مقابل اٹھاتی تھیں. (جزء رفع یدین بخاری ص ۱۲)

☆عَنْ عَبْدِرَبِّهِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍقَالَ رَأَيْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِؓ تَرْفَعُ يَدَيْهَا فِي الصَّلٰوةِحَذْوَ مَنْكِبَيْهَا **ترجمہ**:۔ عبدربہ بن سلیمانؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ام لدرداءؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "فی المرأة اذا افتتحت الصلاة الی این تر فع یدیها" ج ۲ ص ۴۲۱)

☆حضرت عطاءؒ سے پوچھا گیا کہ عورت نماز میں اپنے ہاتھ کہاں تک اٹھائے گی تو فرمایا کہ اپنے پستانوں تک (مصنف ابن ابی شیبہ "فی المرأة اذا افتتحت الصلاة الی این تر فع یدیها" ج ۲ ص ۴۲۱)

عورت کو سجدہ میں پیٹ زمین سے چمٹا رکھنا چاہئے

● "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّعَلٰى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ ،فَقَالَ :اِذَا سَجَدتُّمَا فَضُمَّابَعْضَ اللَّحْمِ اِلَى الْاَرْضِ، فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِيْ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ. **ترجمہ**:۔ حضور ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے (مراسیل ابوداوٗد ص ۸)"

●عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ مَرْفُوْعاًاِذَاجَلَسَتِ الْمَرْأَةُ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلٰى فَخِذِ هَا الْاُ خْرٰى ،فَاِ ذَا سَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا عَلٰى فَخِذِهَا كَاَ سْتُرِمَايَكُوْنُ ، فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْظُرُاِلَيْهَا يَقُوْلُ :يَامَلَا ئِكَتِيْ !اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهَا، **ترجمہ**:۔ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی ران سے ملا لے جو کہ اس کیلئے زیادہ چھپانے والا ہو گا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو (یعنی عورت کو) دیکھ کر اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس عورت کی مغفرت کردی۔

(بحوالہ اعلاء السنن ج ۳ ص ۳۳، ابن عدی فی الکامل، بیھقی فی سننہ، کنزل العمال ج ۴ ص ۱۱۷)

● حَدَّثَنَااَبُو الْاَ حْوَصِ ،عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ ،عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ أِذَاسَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَحْتَفِزْ فَلْتَضُمْ فَخِذَيْهَا. **ترجمہ**:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو (اچھی طرح) ملا لے۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ " المرأة کیف تکون فی سجودها "ج ۲ ص ۵۰۴)

نماز جمعہ عورت، بچہ، مریض و مسافر پر فرض نہیں

حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ جماعت کیساتھ ہر مسلمان پر فرض ہے

ثابت شدہ ہے۔ سوائے چار لوگوں کے ۔ یعنی غلام، عورت، بچہ، بیمار کے (ابوداؤد شریف ج۱ ص۱۵۳، سنن دار قطنی ج۲ ص۳، طبرانی کبیر ج۸ ص۳۲۱ حدیث نمبر ۸۲۰۶، سنن کبریٰ بیہقی ج۳ ص۱۷۲، مستدرک حاکم ج۱ ص۴۲۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پانچ لوگوں پر جمعہ فرض نہیں عورت، مسافر، غلام، بچہ اور اہل دیہات۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط، کنز العمال ج۷ ص۲۲۷ حدیث نمبر ۲۱۰۹۶)

حضرت محمد بن کعب قرضیؒ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد ہے کہ چار اشخاص ایسے ہیں جن پر جمعہ فرض نہیں ہے عورت، غلام، مسافر اور مریض (امام محمد کتاب الآثار ص۳۵)

حضرت محمد بن کعب قرضیؒ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس پر جمعہ کے روز نماز جمعہ فرض ہے سوائے عورت، بچہ، غلام اور بیمار پر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص۶۵، "فیمن لاتجب علیه الجمعة"، المعرفہ للبیهقی ج۴ ص۳۱۲، مصنف عبد الرزاق ج۳ ص۱۷۳)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس پر جمعہ کے روز نماز جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، بچہ اور غلام (سنن دار قطنی ج۲ ص۳)

غیر مقلدین کی عورتوں کی نماز کے بارے میں فکر مندی کی حقیقت

غیر مقلدین عورتوں کے تعلق سے بڑی فکر مندی ظاہر کرتے ہیں اور عورتوں کی حالتِ زار کے عنوان سے آنسو بہاتے ہیں۔ عورتوں کو مسجد کے نام پر گھروں سے نکالتے ہیں اور انکے پیچھے شیطان کو لگا دیتے ہیں۔ (کیونکہ حدیث میں ہے کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔ ترمذی "باب ماجاء فی کراھیة الدخول علی المغیبات، باب ج۱ ص۲۲۲)۔ اور انکو اپنے رب سے دور کر دیتے ہیں (اسلئے کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ "عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے"۔ الترغیب للمنذری ج۱ ص۱۳۶) اور اسکے بعد بھی مسجد میں نماز کا موقع نہیں دیتے۔ انہیں ایک الگ حجرے میں رکھتے ہیں جب کہ خیر القرون میں عورتوں کی صفیں مسجد ہی میں مردوں اور بچوں کے بعد لگتی تھیں۔ (صحیح بخاری باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال ج۱ ص۱۲۰، صحیح مسلم باب جواز الجماعة النافلة و الصلوٰة علی حصیر وخمرة و ثوب وغیرها من الطاهرات ج۱ ص۲۳۴، نسائی "المنفرد خلف الصف " ج۱ ص۱۳۹، ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی و معه رجل و نساء ج۱ ص۵۵، ابوداؤد باب اذا کانوا ثلاثة کیف یقومون ج۱ ص۹۰، مسند احمد ج۳ ص۱۶۴)

اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کے پاس ایک حدیث بھی نہیں ہے کہ وہ اسکے حوالے سے عورتوں کی نماز کا طریقہ بتا سکیں۔ انکے پاس صرف "قیاس" ہے کہ "عورتوں اور مردوں کی نماز یکساں ہے" یا "عورتوں اور

مردوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے'' یہ قیاس کسی حدیث میں نہیں ملتا۔ اور بغیر کسی دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے جو ان کے نزدیک شرک ہے۔ اب چونکہ ان کے پاس عورتوں کی نماز پڑھنے کے طریقہ میں کوئی حدیث نہیں ہے اس لئے غیر مقلدین کے اصول کی رو سے عورتیں نماز پڑھ سکتی ہی نہیں۔

سوالات

(۱) کوئی آیت یا حدیث پیش کیجئے جس میں یہ جملہ ہو ''عورت اور مرد کی نماز یکساں ہے، کوئی فرق نہیں ہے''

(۲) ''عورتوں کی نماز'' کے طریقہ کے سلسلہ میں صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے۔

فی زمانہ مساجد میں عورتوں کی نماز کی حقیقت

حضور ﷺ کا زمانہ خیر القرون ہے عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی انکی صفیں آخر میں مردوں، بچوں کے بعد لگا کرتی تھی (صحیح بخاری **باب صلوٰة النساء خلف الرجال** ج۱ ص۱۲۰، صحیح مسلم **باب جواز الجماعة النافلة و الصلوٰة علی حصیر وخمرة و ثوب وغیرها من الطاهرات** ج۱ ص۲۳۴، نسائی **''المنفرد خلف الصف''** ج۱ ص۱۳۹، ترمذی **باب ما جاء فی الرجل یصلی و معه رجل و نساء** ج۱ ص۵۵، ابوداوٗد **باب اذا کانوا ثلاثة کیف یقومون** ج۱ ص۹۰، مسند احمد ج۳ ص۱۶۴)

(۱) حضور ﷺ کا زمانہ خیر القرون تھا (۲) فتنوں سے محفوظ تھا (۳) رسول مقبول ﷺ بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ وحی نازل ہوتی تھی۔ نئے نئے احکام آتے تھے (۴) نماز وغیرہ کے مسائل سیکھنے کی ضرورت تھی (۵) اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنیکا شرف حاصل ہوتا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود عورتیں نماز با جماعت پڑھنے کی مکلّف نہیں تھیں صرف اجازت تھی اور وہ بھی مشروط تھی۔ یعنی ان کیلئے مسجد میں جانے کا حکم عام نہیں تھا ان کیلئے لازم تھا کہ وہ مسجد کی نماز کیلئے اجازت لیں۔ اسی لئے حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ''کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانیکی اجازت چاہے تو اسے نہ روکو'' (صحیح بخاری ج۱ ص۱۲۰، صحیح مسلم ج۱ ص۱۸۳ وغیرہ)۔ اجازت کی شرط فتنوں سے احتیاط ہی تھی۔ خلیفہ راشدِ ثانی حضرت عمر فاروق (جن کے حق میں بھی یہ حدیث صادق آتی ہے ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ .... یعنی تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت'') کا دور آیا اور عورتوں کی حالت میں تبدیلی دیکھ کر آپ نے ان عورتوں کو جو مسجد میں آتی تھیں روک دیا۔ تمام صحابہ کرام نے اس بات کو پسند فرمایا کسی نے مخالفت نہیں کی۔ البتہ بعض عورتوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اسکی شکایت فرمائی تو حضرت ام المومنینؓ جو مزاج نبوت کی پہچاننے والی تھیں اور اسرار شریعت سے واقف تھیں انہوں نے بھی فیصلہ فاروق سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔ ''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے جو (زیب و زینت آرائش

وزیبائش کا) طریقہ ایجاد کیا ہے اگر رسول اللہ ﷺ اسے ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا'' (صحیح بخاری ج۱ ص۱۱۹، صحیح مسلم ج۱ ص۱۸۳، ابوداؤد ج۱ ص۸۴، مؤطا امام مالک ص۶۹، مسند بزار ج۳ ص۱۴۹)۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنینؓ کے اس اثر میں جس کو امام بخاریؒ نے نقل کیا اس بات کی دلیل ہے کہ جب عورتوں میں بدعات پیدا ہو جائے تو پھر انکا مسجدوں میں جانا درست نہیں ہے (عمدۃ القاری شرح بخاری ج۲ ص۱۵۹)۔ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک عورتوں کا مساجد میں نماز کیلئے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ خلیفہٗ راشد ثانی نے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے تنبیہ فرمائی اور حضرات صحابہ کرامؓ اجمعین، تابعین عظام، اور فقہاءِ امت نے اس پر اتفاق کیا۔ عورتوں کو مساجد میں جانے سے روکا گیا۔ اور اس پر اجماع امت ہو گیا۔ علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ سبب ہے حرمت کا۔ اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔ اس اجماع امت پر ہر دور میں عمل باقی رہا۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج عورتوں کو مساجد میں جانے پر زور دیا جا رہا ہے بلکہ اس کو سنت سمجھا جا رہا ہے۔ کیا آج کا معاشرہ ام المومنین اور حضرات صحابہ کرامؓ کے معاشرہ سے اچھا ہو گیا ہے؟ یا حضرات صحابہ کرام منشاء نبوت کو بہتر طور پر سمجھنے والے نہیں تھے؟ کیا حضرات صحابہ کرامؓ حقوق نسواں کا پاس ولحاظ کرنے والے نہیں تھے؟ مقلدین کی ضد میں غیر مقلدین ،عورتوں کو ''مساجد میں نماز'' کے نام پر گھروں سے نکالتے ہیں اور شیاطین کو ان کے پیچھے لگاتے ہیں (کیوں کہ حدیث میں ہے کہ اَلْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیطَانُ (ترمذی ج۱ ص۲۲۲) ترجمہ: عورت سراپا چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے) اور ان کو اپنے رب سے دور کر دیتا ہے (اس لئے کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ''وَ اَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَهِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا. یعنی عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ الترغیب للمنذری ج۱ ص۱۳۶) اور اس کے بعد بھی مسجد میں نماز کا موقع دیتے ہی نہیں۔ انہیں ایک الگ حجرے میں رکھتے ہیں جب کہ خیر القرون میں عورتوں کی صفیں مسجد ہی میں مردوں اور بچوں کے بعد لگتی تھیں۔ (صحیح بخاری باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال ج۱ ص۱۲۰، صحیح مسلم باب جواز الجماعۃ النافلۃ والصلوٰۃ علی حصیر وخمرۃ وثوب وغیرها من الطاهرات ج۱ ص۲۳۴، نسائی ''المنفرد خلف الصف'' ج۱ ص۱۳۹، ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی و معه رجل و نساء ج۱ ص۵۵، ابوداؤد باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون ج۱ ص۹۰، مسند احمد ج۳ ص۱۶۴)۔ اگر غیر مقلدین الگ سے حجرہ بنانے کی وجہ یہ بیان کریں کہ یہ ''فتنوں سے احتیاط'' ہے تو پھر فتنوں سے زیادہ احتیاط تو عورتوں کا گھروں کے حجرے میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں

زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام حمیدؓ نبی ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم میرے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق رکھتی ہو لیکن تمہارے لئے گھر کے حجرے میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے صحن کی نماز سے، اور صحن کی نماز برآمدہ کی نماز سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) میں ادا کرنے سے بہتر ہے حضرت ام حمیدؓ نے یہ ارشاد گرامی سن کر اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ ایک جگہ نماز کیلئے گھر میں اندرونی کوٹھری میں جو نہایت تاریکی میں تھی بنادی گئی یہ اس میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ خدا سے جاملیں (یعنی گھر ہی میں نماز پڑھتی رہیں مسجد میں نہیں گئیں۔ مسند احمد ج ٦ ص ۳۷۱، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۲۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳، ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ)

حضور ﷺ نے عورتوں کے حق میں فرمایا بُیُوتُهُنَّ خَیْرٌ لَّهُنَّ یعنی ان کے گھر ان کیلئے زیادہ بہتر ہیں (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۲۷، ابوداؤد باب ما جاء في خروج النساء الی المسجد ج ۱ ص ۸۴)۔

روایات میں ہے کہ خَیْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُیُوتِهِنَّ یعنی عورتوں کیلئے بہترین مساجد ان کی کوٹھریوں کا اندرونی مکان ہے۔ (مسند احمد ج ٦ ص ۲۹۷، بیھقی، کنز العمال ج ۷ ص ٦٧٦، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۲۸)

قضاء نمازوں کا بیان

ہر مسلمان پر ہر دن پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر کسی دن کی یا کسی وقت کی نماز کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو اسے قضاء ہو جانا کہتے ہیں اور ان چھوٹی نمازوں کو پڑھنا ضروری ہے جسے قضاء کی ادائیگی کہتے ہیں۔ اگر اس کی قضاء نہ کرے تو آخرت میں اس کا محاسبہ ہوگا۔

غیر مقلدین کا موقف :۔ قضاء نمازوں کے سلسلہ میں غیر مقلدین کا موقف متعین نہیں ہے۔ بعض قضاء نمازوں کی دو قسم بتاتے ہیں ایک وقتی یعنی جو فی الحال قضاء ہوئی ہو اور دوسری غیر وقتی جو کچھ عرصہ قبل چھوٹی ہو۔ وقتی تو قضاء کرلے اور غیر وقتی کی قضاء نہیں کرسکتا۔ کچھ غیر مقلدین کا موقف ہے کہ اگر بھول کر قضاء ہوئی ہوں تو پڑھ سکتا ہے اور جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھی ہوں انکی قضاء نہیں کرسکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ان کے فتاوے ملاحظہ ہوں۔

مولوی یونس صاحب لکھتے ہیں ''اگر کوئی دیدہ دانستہ نمازیں چھوڑ دے اور پھر ان کی قضاء کرنا چاہے تو اس قسم کی نمازوں کی قضاء حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ آدمی کے لئے توبہ واستغفار کافی ہے۔ (دستور المتقی ص ۱۴۹)

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں بلوغ کے بعد اگر نمازیں چھوڑی جو آسانی سے ادا ہوسکتی ہیں تو کرلی جائیں اگر زیادہ مدت کی ہوں جن کو ادا کرنا مشکل ہو تو یہی کافی ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۴۱۵)

مفتی عبدالستار صاحب سابق امام جماعت غرباءِ اہل حدیث رقمطراز ہیں: لیکن سوال یہ ہے کہ نماز قضاء کیوں ہوئی اصل یہ کہ عمداً چھوڑی ہے شرع میں نہ قضاء کرنے کا حکم ہے اور نہ اس کی کوئی صورت ہے۔ انسان سو جائے تو جب بیدار ہو وہی اس کا وقت ہے، اگر بھول جائے تو جب یاد آجائے وہی اس کا وقت ہے اگر بے ہوشی ہو جائے تو جب ہوش آئے وہی اس کا وقت ہے، پھر قضاء ہو جانیکی صورت کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نفسانی عذر بنا کر چھوڑی ہے، جس کی قضاء نہیں، اس پر جرم ہے کہ وہ کافر ہو گیا، اسلئے مسلمان توبہ کر کے ہوئے (فتاویٰ ستاریہ ج ۴ ص ۱۵۴)

تنبیه:۔ جو نماز چھوٹ جائے وہ قضاء ہے اب اسے وقتی یا غیر وقتی کہنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ان نمازوں کی قسمیں بتا کر اس کی قضاء کو ساقط کر دینا اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندہ پر جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے فَاقْضُوا اللّٰهَ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ یعنی اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔ (نسائی ج ۲: ص ۲) ایک دوسری روایت میں ہے: فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ یعنی اللہ کا قرض زیادہ اس لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ (نسائی ج ۲: ص ۳) یہ فوت شدہ نماز ایک ہو یا کئی ایک ہوں۔ ادائیگی بہرحال لازم ہے۔

ازالہ شبہ : بعض دین سے ناواقف لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ قضاء عمری ادا کرنا سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ کرام ؓ سے ثابت نہیں ہے۔ ایسے جاہل لوگوں کو جاننا چاہئے کہ آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں سے یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اہم فریضہ سے سستی وغفلت ہوتی۔ جب وہ مقدس ہستیاں نمازوں کی شدید حریص و پابند تھے پھر قضاء کا کیا تصور، البتہ نماز کے فوت ہونے کی صورت میں ادائیگی کا حکم آپ ﷺ نے دیا ہے، خواہ وہ ایک نماز ہو یا زندگی میں فوت شدہ کئی نمازیں ہوں، زندگی میں چھوٹی ہوئی کئی نمازوں کی ادائیگی کو ہی قضاء عمری کہا جاتا ہے۔

ذیل میں چندر روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قضاء نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے۔

- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَدْلَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ عَرَّسَ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ اَوْ بَعْضُهَا فَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى وَهِيَ صَلٰوةُ الْوُسْطٰى **ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رات میں سفر کیا پھر رات کے اخیر حصہ میں قیام کیا بیدار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ سورج کے بلند ہونے تک آپ ﷺ نے نماز ادا نہیں کی اسکے بعد آپ ﷺ نے نماز فجر ادا کی۔ (نسائی باب کیف یقضی الفائت من الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۲)

- عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا اَنْ يُوْقِظَهُم لِلصَّلَاةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ ...... فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالنَّاسِ. **ترجمه** حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اخیر رات سفر میں قیام

فرمایا۔ (اہل قافلہ کو) بیدار کرنے کی ذمہ داری حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سونپ دی۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سو گئے اور اہل قافلہ بھی محو خواب ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اہل قافلہ بیدار ہوئے جبکہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا (حدیث میں ہے) پھر آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (قضاء نماز) باجماعت پڑھائی (موطا امام مالک ص ۵)

فائدہ:۔ یہ دونوں روایتیں نیز ماسبق عنوان کی روایتیں اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ رات کے اخیر حصہ میں تھکان سے آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آنکھ لگ گئی۔ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر کی قضاء فرمائی جس سے قضاء نمازوں کے وجوباً ادائیگی کا ثبوت ہوا۔ ابن ماجہ (ج ۱: ص ۵۰) میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کیساتھ ہے بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب نماز قضاء فرما چکے تو ارشاد فرمایا: جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر اس کو ادا کرے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ للّٰہِ ﷺ حِیْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَۃِ خَیْبَرَ فَسَارَ لَیْلَۃً حَتّٰی اِذَا اَدْرَکَہُ الْکَرٰی عَرَّسَ (وَ فِیْہِ) ثُمَّ تَوَضَّاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلَاۃَ فَصَلّٰی بِہِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّاقَضٰی النَّبِیُّ ﷺ الصَّلَاۃَ قَالَ مَنْ نَّسِیَ صَلٰوۃً فَلْیُصَلِّھَااِذَاذَکَرَھَافَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۰ بَابُ مَنْ نَامَ عَنْ صَلٰوۃٍ اَوْنَسِیَھَا)

● عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ نَّسِیَ صَلَاۃً فَلْیُصَلِّ اِذَاذَکَرَ لَاکَفَّارَۃَ لَھَا اِلَّاذٰلِکَ اَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ **ترجمہ:**۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی نماز بھول جائے تو جب بھی یاد آئے چاہئے کہ اسکو پڑھ لے۔ اسکے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ ارشاد فرمایا: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے۔ (صحیح بخاری باب **من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر... الخ** ج ۱ ص ۸۴، صحیح مسلم **باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا** ج ۱ ص ۲۴۱، نسائی ج ۱: ص ۷۱، ابوداود ج ۱: ص ۶۳، ترمذی ج ۱: ص ۴۳، ابن ماجہ ج ۱: ص ۵۰، مصنف عبدالرزاق ج ۲: ص ۴۹، حدیث نمبر ۳۹۴، نصب الرایہ ج ۲: ص ۱۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ "الرجل ینسی الصلاۃ او ینام عنھا" ج ۳ ص ۵۱۴)

● عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَارَقَدَ اَحَدُکُمْ عَنِ الصَّلٰوۃِ اَوْغَفَلَ عَنْھَافَلْیُصَلِّھَااِذَاذَکَرَھَافَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ **ترجمہ:**۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا نماز سے غفلت ہو جائے تو جب اسکو یاد آئے اس کو پڑھ لے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے۔ (صحیح مسلم شریف ۱: ۲۴۱، نسائی ۱: ۷۱)

● عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَانَسِیْتَ الصَّلَاۃَ فَصَلِّ اِذَاذَکَرْتَ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ **ترجمہ:**۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کو بھول جاؤ تو جب یاد آئے پڑھ لو اسلئے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرتے ہیں: نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔

(نسائی ج ۱ ص ۱۰۰، سنن کبری بیہقی ۲: ۲۱۷، کنز العمال ۷: ۵۳۷)

● عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَّسِیَ صَلَاةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَلْیُصَلِّهَا اِذَا ذَکَرَهَا **ترجمه** :۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھے۔ (مسند بزار ۹: ۱۳۷، حدیث نمبر ۳۶۹۴، مجمع الزوائد ۱: ۳۲۲، رِجَالُهٗ مُوَثَّقُوْنَ کَذَا عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ مصنف ابن أبي شیبه "الر جل ینسی الصلا ة او ینام عنها" ج ۳ ص ۵۱۴)

فائدہ :۔ ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نماز بھول کر یا جان بوجھ کر یا سونے کی بناء پر فوت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی ہے بلکہ اسکی قضاء (ادائیگی) جلد از جلد ضروری و لازم ہے (بہتر یہ ہے کہ وقت پر نہ پڑھنے پر توبہ کرے)۔

قضاء نمازوں میں ترتیب ضروری ہے

● عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُوَازِیَ الْعَدُوِّ فَشَغَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ حَتّٰی کَانَ نِصْفُ اللَّیْلِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَبَدَا بِالظُّهْرِ فَصَلَّاهَا ثُمَّ الْعَصْرِ ثُمَّ الْمَغْرِبِ ثُمَّ الْعِشَاءِ یَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضاً. **ترجمه**: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ (غزوۂ خندق کے دن) دشمن کے مقابلہ میں تھے۔ ان دشمنوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء پڑھنے سے باز رکھا، یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے ظہر سے قضاء کرنا شروع فرمایا۔ پہلے ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر عصر کی نماز، پھر مغرب کی نماز اور اخیر میں عشاء کی نماز ادا فرمائی یکے بعد دیگرے آپ ﷺ نے ادا فرمائی (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲: ص ۲۱۹، ۲۲۰، باب قضاء الصلوات ا لاولی فالاولی)

فائدہ :۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کی تین نمازیں فوت ہوئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں بالترتیب ادا فرمائیں۔ آپ ﷺ کے اس عمل مبارک سے چھوٹی ہوئی نمازوں میں اور وقتیہ نماز میں ترتیب ثابت ہوئی۔ نیز آپ ﷺ کے ارشاد: صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (مسند امام شافعی ص: ۵۵، صحیح بخاری باب ا لا ذان للمسافر اذا کا نوا جما عة .... الخ ج ۱ ص ۸۸، سنن دارمی ۱: ۲۰۲) سے ترتیب کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ فائدہ: ۔ حضرات محدثین نے جو باب قائم فرمایا اس سے مزید ترتیب کا اثبات معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے باب قائم فرمایا ہے: بَابُ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ الْاُوْلیٰ فَالْاُوْلیٰ یعنی نمازوں کی قضاء کا بیان جو ترتیب میں پہلی ہو وہ قضاء میں بھی پہلی ہو۔

● عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ شَغَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَرْبَعِ صَلوٰاتٍ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی ذَهَبَ مِنَ اللَّیْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ فَاَقَامَ فَصَلّٰی

الظُّهرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلّٰی الْعَصرَثُمَّ اَقَامَ فَصَلیَّ الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلّٰی الْعِشَاءَ **ترجمہ**: حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے روز مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کو چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ گذر گیا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی (مصنف ابن ابی شیبہ "الر جل یتشا غل فی الحرب او نحو ہ ، کیف یصلی" ج ۳ ص ۵۲۶، سنن ترمذی ج ۱ ص ۴۳، نسائی ج ۱ ص ۷۲، بَابٌ کَیْفَ یَقْضِی الْفَوَائِتَ مِنَ الصَّلٰوۃِ)

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث شریف کا جو باب قائم کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسکی کئی نمازیں فوت ہوگئی ہوں وہ کس نماز سے قضاء کی ابتداء کرے۔ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے فوت شدہ نمازیں کس طرح ادا کی جائیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ ان محدثین کے نزدیک بھی قضاء ضروری ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں پہلی روایت کے مقابل مزید صراحت موجود ہے۔

چھوٹی ہوئی نماز اور وقتیہ نماز میں ترتیب ضروری ہے

● عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّاب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جَاءَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَمَاغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ یَسُبُّ کُفَّارَقُرَیْشٍ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! مَاکِدْتُ اُصَلِّیَ الْعَصْرَحَتّٰی کَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ وَاللّٰہِ مَاصَلَّیْتُھَا فَقُمْنَااِلٰی بُطْحَانَ فَتَوَضَّاَلِلصَّلَاۃِ وَتَوَضَّأنَابِھَافَصَلَّی الْعَصْرَ بَعْدَمَاغَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَھَاالْمَغْرِبَ **ترجمہ**: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے روز تشریف لائے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! میں نے نماز عصر ادا نہیں کی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے بھی نماز عصر ادا نہیں کی ہے۔ چنانچہ مقام بطحان میں ٹھہرے۔ آپ ﷺ نے وضو فرمایا ہم نے بھی وضو کیا۔ غروب شمس کے بعد پہلے نماز عصر ادا کی پھر اسکے بعد نماز مغرب ادا کی۔ (اعلاء السنن ۷: ۱۴۳، صحیح بخاری شریف باب قضاء الصلوات الا ولیٰ فا لاولی ج ۱: ۸۴، صحیح مسلم باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الو سطیٰ ھی صلوٰۃ العصر ج ۱ ص ۲۲۷، سنن کبری بیہقی ۲: ۲۱۹، نسائی ۱: ۱۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ "الر جل یتشا غل فی الحرب او نحو ہ ، کیف یصلی" ج ۳ ص ۵۲۶)

فائدہ: حدیث شریف سے صاف واضح ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز اور وقتیہ نماز میں ترتیب ضروری ہے اسلئے کہ آپ ﷺ کے عمل اور قول (ویسے ہی نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو) (بخاری ۱: ۸۸) سے ثابت ہے اور اسلئے بھی کہ احادیث میں وارد ہے کہ فوت شدہ نماز جب یاد آئے ادا کرلے۔ مکروہ اوقات کے علاوہ۔ لہٰذا فوت شدہ کو پڑھے پھر وقتیہ ادا کرے، اگر وقتیہ

نماز کے دوران فوت شدہ نماز یاد آجائے تو وقتیہ مکمل کر کے قضاء والی نماز پڑھے پھر وقتیہ نماز دوبارہ پڑھے۔

● عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَّسِيَ صَلَاةً فَذَكَرَهَا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَلْيَقْضِ اللَّتِيْ نَسِيَ ثُمَّ لْيُعِدْ اَللَّتِيْ صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ ۔ **ترجمہ**: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی نماز بھول جائے پھر اس کو یاد آئے اس حال میں کہ وہ امام کیساتھ ہو تو چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کر لے اور اس بھولی ہوئی نماز کی قضاء کرے پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کیساتھ ادا کی ہے (طبرانی فی الاوسط، اعلاء السنن ۷: ۱۴۴، موطا امام محمد ص: ۱۳۵، سنن کبری بیہقی ۲: ۲۲۱، بَابٌ مَنْ ذَكَرَ صَلٰوةً وَهُوَ فِيْ اُخْرٰی، دار قطنی ۱: ۴۲۱، کذافی مصنف عبدالرزاق ۲: ۵، ومعرفۃ السنن والآثار ۳: ۱۴۰)

● عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيْ جُمُعَةَ حَبِيْبِ بْنِ سَبَاعٍ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْاَحْزَابِ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَنَسِيَ الْعَصْرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَصْحَابِهِ هَلْ رَأَيْتُمُوْنِيْ صَلَّيْتُ الْعَصْرَ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُؤَذِّنَ فَاَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَنَقَضَ الْاُوْلٰى ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ **ترجمہ**: حضرت عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ صحابی رسول حضرت ابو جمعہ حبیب بن سباع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے سال نماز مغرب ادا فرمائی اور نماز عصر بھول گئے جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے نماز عصر پڑھتے دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں دیکھا۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے مؤذن کو حکم دیا اس نے اذان دی۔ پھر اقامت کہی آپ ﷺ نے نماز عصر ادا کی۔ پہلی نماز مغرب کو کالعدم قرار دے کر۔ پھر نماز مغرب کا اعادہ کیا (سنن کبری بیہقی ۲: ۲۲۰، مسند احمد ۴: ۸۸، بحوالہ اعلاء السنن ۷: ۱۴۵، نصب الرایہ ۲: ۱۶۳، رواہ الطبرانی فی الکبیر ۴: ۲۳، حدیث نمبر ۳۵۴۲، مجمع الزوائد ۱: ۳۲۴)

فائدہ: ۔ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ فوت شدہ نماز اور وقتیہ نماز کے درمیان ترتیب ضروری ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے نماز دہرانے کا حکم دیا ہے۔ اور خود آپ نے فوت شدہ نماز بھول کر وقتیہ ادا کرنے کی صورت میں وقتیہ نماز کا اعادہ کیا ہے۔

مسائل متفرقہ

قربانی کے ایام

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جوقربانی کی جاتی ہے۔ جمہور امت کے نزدیک اسکے دن متعین ہیں انہیں متعینہ دنوں میں قربانی کی جاتی ہے۔

غیر مقلدین :۔ ان کے نزدیک قربانی کے دن چار ہیں۔ وہ ہیں دسویں، گیارہویں، بارہویں، اور تیرہویں ذی الحجہ۔

جمہور امت:۔ ان کے نزدیک قربانی کے دن تین ہیں۔ وہ ہیں دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ۔

غیر مقلدین کے دلائل

اصل میں غیر مقلدین کے پاس قربانی کے دنوں کے سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسکے بعد بھی دلیل کے نام پر غیر مقلدین دو قسمیں پیش کرتے ہیں (۱) قرآن مجید کی آیتوں سے قیاس (۲) روایات غیر صحیحہ وصریحہ

(۱) **قرآن مجید کی آیتوں سے قیاس** :۔ غیر مقلدین کے نزدیک صرف قرآنِ کریم یا احادیث حجت ہیں۔ اور قیاس (رائے) انکے نزدیک حجت نہیں ہے۔ مزید یہ کہ قیاس یا رائے کے متعلق غیر مقلدین کا موقف ہے کہ (۱) قیاس شیطان کا کام ہے (۲) رائے سے جو بات کہی جائے اس پر پیشاب کردو۔ اسکے بعد بھی غیر مقلدین قیاس کرتے ہیں۔ گویا ان کا موقف جھوٹ یا دھوکہ پر مبنی ہے۔

قربانی کے چار دن کے سلسلہ میں غیر مقلدین قرآنِ کریم کی دو آیات کے دو الفاظ سے قیاس کرتے ہیں۔

(۱) ایام معدودات (۲) ایام معلومات۔

آیت وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ سے قیاس:۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ ۔

فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلاَاِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ التَّقٰى، توَاَتَّقُوْااللّٰهَ وَاعْلَمُوْااَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ.
ترجمہ :۔ اوراللہ کا ذکر کرو گنتی کے چند دنوں میں پھر کوئی جلد ہی چلا گیا دوہی دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کوئی رہ گیا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس جمع ہوں گے۔

(سورۂ بقرہ آیت۔۲۰۳، پارہ ۲)

غیر مقلدین ’’وَاذْكُرُوا اللّٰهَ یعنی اللہ کا ذکر کرو‘‘ سے قربانی مراد لیتے ہیں اور اپنے اس قیاس پر کوئی حدیث نہیں پیش کرتے ان کا یہ قیاس تفسیر بالرائے کے مانند ہے جو کہ حرام ہے۔ حالاں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اَيَّامِ مَّعْدُوْدَاتِ یعنی ایام تشریق (صحیح بخاری ج ا ص ۱۳۲)۔

جبکہ ایام تشریق پانچ دن ہیں نویں ذی الحجہ سے تیرھویں ذی الحجہ تک۔ اسلئے اس قیاس پر بھی کہ ایام تشریق ایام قربانی ہیں غیر مقلدین کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ قربانی چار دن کہتے ہیں اور ایام تشریق پانچ دن ہیں۔

’’لِيَشْهَدُوْامَنَافِعَ لَهُمْ‘‘ سے قیاس:۔ غیر مقلدین اپنے استدلال میں درج ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں۔
لِيَشْهَدُوْامَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُو اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِالْاَ نْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوْاالْبَائِسَ الْفَقِيْرَ. **ترجمہ**:۔ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں۔ اور قربانی کے ایام معلوم میں چہار پایاں مویشی کے ذبح کے وقت جو خدا نے ان کو دیئے ہیں ان پر خدا کا نام لیں۔ اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ۔ (سورہ حج آیت ۲۸) غیر مقلدین یہاں اَيَّامِ مَّعْلُوْمَاتِ کو قربانی کے ایام پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں ہے ’’وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ وَاذْكُرُوااللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ اَيَّامِ الْعَشْرِ. یعنی اَيَّامِ مَّعْلُوْمَاتِ دس دن ہیں‘‘ (صحیح بخاری بَابُ فضل العمل فی ایام التشریق ج ا ص ۱۳۲)۔

معلوم ہوا کہ ایام معلومات یکم ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین قربانی کے چار دن کہتے ہیں گویا یہ بھی ان کا قیاس غلط ہے۔ دراصل یہاں ذکر سے مراد تکبیرات ہیں۔
(صحیح بخاری بَابُ فضل العمل فی ایام التشریق ج ا ص ۱۳۲)

غیر مقلدین کا ایک فرقہ منکر حدیث (جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے) ان آیات سے بیس یا اکیس دن یا پورا مہینہ قربانی کا قائل ہے۔

غیر مقلدین کا وطیرہ ہے کہ اپنی بات کو کہیں قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں اور کہیں حدیث کے نام سے۔
جسے کہا جاتا ھے ’’بات اپنی نام قرآن کا‘‘ اور ’’بات اپنی نام حدیث کا‘‘

تو معلوم ہوا کہ یہ غیر مقلدین کا اپنا قیاس ہے جس کا حقیقت (قربانی) سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لئے ’’قربانی کے چار دن ہیں‘‘ کے استدلال میں غیر مقلدین کا یہ قیاسِ غلط ناقابل قبول ہے۔

(۲)**روایات غیر صریحه اور صریحه :۔** ●حَدَّثَنَا هَنَّادٌنَاوَکِیْعٌ عَنْ مُّوْسَی بْنِ عُلَيٍّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمُ عَرَفَةَ وَیَوْمُ النَّحْرِوَاَیَّامُ التَّشْرِیْقِ عِیْدُ نَا اَهْلِ الْاِسْلَا مِ وَهِیَ اَیَّامُ اَکْلٍ وَّشُرْبٍ ۔**ترجمہ**:۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوم عرفہ اور یوم نحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید ہے اور وہ کھانے اور پینے کے دن ہیں۔ (ترمذی بَا بُ ما جا ء فی کرا ھیة صوم ایام التشریق ج۱ص۱۶۰)

اس روایت سے غیر مقلدین کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ

(۱) اس حدیث میں قربانی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدین ''اَیَّـامُ اَکْلٍ وَّشُرْبٍ یعنی کھانے پینے کے دن'' پر ایام قربانی کو قیاس ہے۔ جبکہ اس روایت سے قربانی کے ایام کی دلیل میں قیاس غلط ہے۔

(۲) امام ترمذی نے اگلا جملہ ترمذی میں یہ نقل فرمایا ہے'' وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَاعِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ یَکْرَهُوْنَ صِیَامَ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ **ترجمہ**:۔ اھل علم کا اس (حدیث) پر عمل ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے ھیں (ترمذی بَا بُ ما جا ء فی کرا ھیة صوم ایام التشریق ج۱ص۱۶۰)۔ امام ترمذی صراحتاً ایام اکل وشرب سے افطار (روزہ نہ رکھنا) مراد لیتے ہیں۔ اگر غیر مقلدین جمہور کے خلاف اس روایت کو قربانی پر محمول کرنے پر بضد ہوں تو پہلے اپنے چار دن کی قربانی کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں کیوں کہ اس روایت میں صریحاً پانچ روز یعنی یومِ عرفہ (نویں ذی الحجہ، یوم النحر) (دسویں ذی الحجہ) اور ایامِ تشریق (گیارہویں، بارہویں، اور تیرہویں ذی الحجہ کا بھی) حکم ہے۔ اگر غیر مقلدین یومِ عرفہ کو ایامِ اکل وشرب کے صریح حکم سے خارج کرتے ہیں تو ان کا یہ فعل اپنے قیاس غلط کو حدیث پر ترجیح دینا ہے۔

استد لا ل پر اعترا ض:۔

موسیٰ بن علی:۔ موسیٰ بن علی کے متعلق ساجی نے یحیٰ ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے ''لیس با لقوی'' کہ یہ قوی نہیں ہیں، اور ابن عبدالبر نے کہا کہ جب یہ روایت کرنے میں منفرد ہوں تو قوی نہیں ہیں۔

اگر غیر مقلدین دلیل میں دوسری غیر صریح روایات بھی پیش کرتے ہیں تو انکی حیثیت بطورِ استدلال قیاس کی ہے جس سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

●عَنْ عَبْدِ الرَّ حْمٰنِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنٍ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ : اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ کُلُّهَا اَیَّا مُ ذِبْحٍ، پورے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔ (مسند احمد، ابن حبان، مسند بزار، بیہقی فی المعرفہ، سنن دارقطنی، بحوالہ نصب الرایہ ج۴، ص۲۱۳)

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ علامہ ناصر الدین البانی نے کہا ہے کہ ''یہ حدیث اسناد کے تمام طریقوں سے میرے نزدیک صحیح ہے''۔ یعنی اس حدیث کو اصول حدیث سے صحیح ثابت کرنے کے بجائے ناصر الدین البانیؒ کے قول سے ثابت کرتے ہیں۔ ویسے شیخ البانیؒ کی تحقیق کا درجہ کیا ہے؟ یہ بات جاننے کیلئے محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی کتاب ''اَلْبَانِیْ شُذُوْذُهٗ وَاَخْطَاهٗ یعنی البانی، ان کی شذوذ اور غلطیاں'' کا مطالعہ کیجئے۔ شیخ البانیؒ کا کہنا ہے کہ یہ

حدیث اسناد کے تمام طریقوں سے میرے نزدیک صحیح ہے۔

ابن قیمؒ نے علت کو پیش کرتے ہوئے اس روایت پر کلام کیا ہے چنانچہ علامہ ابن قیمؒ کی کتاب ''الھدیٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جبیر ابن **مطعم** کے طریق سے جو حدیث ہے وہ منقطع ہے کیونکہ ابن ابی حسین کی جبیر ابن **مطعمؓ** سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ اور کہا کہ اس کی اصل ثابت نہیں ہے اور علامہ شوکانی ''**النیل**'' میں اسی بات کو قبول کرتے ہیں (ج ۴ ص ۳۵۸)۔ بیہقی نے عن سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن **مطعم** کے طریق سے روایت کی ہے اور کہا کہ سلیمان بن موسیٰ کی اور جبیر بن **مطعمؓ** کی ملاقات نہیں ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں **عن معاویہ بن یحییٰ الصدفی عن الزھری عن ابن المسیب عن ابی سعید الخدری عن النبی** ﷺ کے طریق سے پیش کی ہے ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں کہا ہے کہ اس سند کے ساتھ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور دیگر طریق سے روایات کے راویوں پر بھی کلام ہے۔

غرض مسند احمد کی مذکورہ روایت میں تین علتیں ہیں

(۱) وہ منقطع ہے (۲) غیر محفوظ ہے (۳) غیر صحیح ہے

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۲۳۰......۲۳۶)

غرض غیر مقلدین کے پاس ایک بھی دلیل نہیں ہے نہ قرآن کریم سے اور نہ احادیثِ صحیحہ سے، اسلئے ''قربانی کے دن چار ہیں'' یہ دعویٰ رد ہے۔

جمہور کے دلائل

قربانی کے ایام تین دن (دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ) ہیں اس پر اجماع ہے۔ اس کے خلاف نہ حضور اکرم ﷺ کے کسی فعل سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ و کبار تابعین (جو حضورؐ کے زمانے میں پیدا ہوئے) سے اس کے خلاف سنا گیا۔ خود غیر مقلدین بھی ان تین دنوں کے قائل ہیں ایک دن کے اضافہ کے ساتھ۔ اسلئے تین دن میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے پھر بھی استحساناً تین دن کی روایات ملاحظہ ہوں۔

● **عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ: اَلْاَضْحٰى، يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰى. مَالِكٌ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍؓ كَانَ يَقُوْلُ مِثْلَ ذَالِكَ.** **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''قربانی، یوم الاضحیٰ اور اسکے بعد دو دن ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ ان تک اسی کے مثل حضرت علیؓ سے بھی روایت پہنچی ہے۔''۔

(موطا امام مالک ص ۱۸۸، ۱۸۹، سنن کبریٰ بیہقی ۹ ۲۹۷)

اس روایت کی سند اصح الاسانید ہے۔

اگر چہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ ہدایہ میں ہے: حضرات صحابۂ کرامؓ

اجمعین نے یہ بات کہ ایام اضحیہ تین دن ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے سن کر ہی کہا ہے کیونکہ مقادیر شرعی میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (ہدایہ علی فتح القدیر ج۸ ص۴۳۲)

- ● عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: اَلْاَ ضُحٰی یَوْ مَانِ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ. **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”قربانی یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہے“ (طحاوی فی احکام القرآن بحوالہ اعلاء السنن ص۲۳۲ ج۱۷)

یہ سند جید ہے۔

- ●وَکِیْعٌ عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ اَلْاَ ضُحیٰ یَوْ مُ النَّحْرِ وَیَوْمَانِ بَعْدَہٗ. **ترجمہ**:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”قربانی یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہے۔“ (بحوالہ المحلیٰ ص۳۷۷ ج۷)

- ●عَنِ الْمِنْھَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ زِرٍّ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ: اَلنَّحْرُ ثَلَاثَۃُ اَیَّامٍ اَفْضَلُھَا اَوَّلُھَا. **ترجمہ**:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ”قربانی تین دن ہے اور اسکا افضل دن پہلا ہے۔“ (ابن ابی لیلیٰ بحوالہ اعلاء السنن ص۲۳۲ ج۱۷)

یہ سند صحیح ہے۔

جائزہ:۔ غیر مقلدین کے پاس چار دن کی قربانی کی حجت میں شرط کے مطابق کوئی دلیل نہیں ہے۔

”قربانی کے ایام تین دن ہیں“، جمہور امت کے پاس اسکی دلیل میں اصح الاسانید سے حضرت ابن عمرؓ، سند جید سے حضرت ابن عباسؓ، سند صحیح سے حضرت انسؓ اور سند حسن سے حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمرؓ سے اقوال منقول ہیں جو مرفوع کے حکم میں ہیں۔

ان دلائل سے ”قربانی کے ایام تین دن ہیں“ ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اس کے الٹا ہے۔ جمہور امت کے نزدیک قربانی کے ایام تین دن ہیں۔ اس کے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کا عمل یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔

غیر مقلدین کا ایک فرقہ جو بے انتہا ہی گمراہ ہے۔ وہ تو قربانی کا قائل ہی نہیں ہے۔

فرقۂ منکر حدیث میں سے بعض ۲۰/۲۱ دن اور بعض پورے ماہ قربانی کے قائل ہیں۔

اور فرقۂ اہلحدیث چار دن کا قائل ہے۔

جو اس بات کا ثبوت ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط امت ہے۔

سوالات

(۱) قرآن کریم کی صریح آیت پیش کیجئے جس میں چار دن کی قربانی کا حکم ہو۔

(۲) صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے جس میں چار دن کی قربانی کا ذکر ہو؟

ایک بکرا یا ایک بکری پورے گھر کی طرف سے کافی نہیں

ہر صاحب نصاب پر الگ الگ قربانی واجب ہے، ایک بکرا، یا ایک بکری، یا ایک حصہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی۔ ایک بکرا یا ایک بکری صرف ایک شخص کی طرف سے ہوسکتی ہے اور بس۔ اس لئے کہ قربانی دیگر عبادات کی طرح ایک عبادت ہے۔ عبادت میں ایک آدمی دوسرے کی طرف سے قائم مقامی نہیں کرسکتا۔

(۱) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُضَحِّیْ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِیْلٍ یَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ وَّیَاکُلُ فِیْ سَوَادٍ وَّیَمْشِیْ فِیْ سَوَادٍ** **ترجمہ**: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سینگ والے موٹے تازے نر دنبے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا (یعنی اس کی آنکھوں میں سیاہی ہوتی تھی) سیاہی میں کھاتا تھا (یعنی منہ اس کا سیاہ ہوتا تھا) اور وہ سیاہی میں چلتا تھا (یعنی اس کے گھر کالے ہوتے تھے)

(ترمذی **باب ما یستحب من الاضاحی** ج۱ ص۲۷۵، ابوداؤد ج **باب ما یستحب من الاضاحی** ۲ ص ۳۸۶، نسائی ج۲ ص۲۰۴، بن ماجہ ج۲ ص ۲۲۶،)۔

فائدہ:۔ اسی طریقہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے دو موٹے تازے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ ضَحّٰی ﷺ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے دو موٹے تازے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی فرمائی (صحیح بخاری **باب نحر البدن قائمة** ج۱ ص۲۳۱، صحیح مسلم **باب استحباب استحسان الضحية و ذبحها .... الخ** ج۲ ص۱۵۶، اللفظ لہ، مصنف عبدالرزاق ج۴ ص۳۷۹)۔

(۲) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِکَبْشٍ اَعْیَنَ اَقْرَنَ فَحِیْلٍ.** **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے وایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بڑی بڑی آنکھوں والے سینگوں والے موٹے تازے نر دنبے کی قربانی کی۔ (مصنف عبدالرزاق باب الضحایا ج۴ ص۳۸۰ حدیث نمبر ۸۱۳۲)

(۳) **عَنْ حَنَشٍؓ عَنْ عَلِیٍّؓ اَنَّهُ کَانَ یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ اَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَّفْسِه فَقِیْلَ لَهٗ قَالَ اَمَرَنِیْ بِهٖ یَعْنِی النَّبِیَّ ﷺ فَلَا اَدَعُهٗ اَبَدًا.** **ترجمہ**:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھوں کی قربانی فرماتے

تھے۔ ایک نبی کریم ﷺ کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے۔ آپ سے اسکے بارے میں عرض کیا گیا تو فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے اس بارے حکم فرمایا ہے اس کو میں کبھی بھی ترک نہیں کروں گا۔

(ترمذی ابواب الاضاحی، باب الا ضحیة بکبشین ج۱ص۲۷۵، ابوداؤد ج۲ص۳۸۵ باب الا ضحیة عن المیت، مصنف عبدالرزاق باب الضحایا ج۴ص۳۸۱، حدیث نمبر۸۱۳۷)۔

(۴) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بِالْحُدَیْبِیَّةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَّالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ. **ترجمہ**:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں حدیبیہ میں اونٹ کی سات لوگوں کی طرف سے اور گائے کی سات لوگوں کی طرف سے قربانی کی (صحیح مسلم باب جواز الا شتراک فی الهدی و اجزاء البدنة و البقرة کل واحدة منهما عن سبعة ج۱ص۴۲۴، ترمذی باب الا شتراک فی الا ضحیة ج۱ص۲۷۶، سنن ابن ماجہ ج۲ص۲۲۶، نسائی ج۲ص۱۸۱، ابوداؤد ج۲ص۳۸۸، موطا امام مالک ص۱۸۸، سنن کبری بیہقی ۲۹۵۹)

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَمَّنِ اعْتَمَرَ مِنْ نِّسَائِهٖ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً بَیْنَهُنَّ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنی عمرہ کرنیوالی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمائی۔ (ابن ماجہ ج۲ص۲۲۶، بَابُ عَنْ کَمْ تُجْزِئُ الْبَدَنَةُ وَالْبَقَرَةُ)

فائدہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔ قَالُوْا ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ اَزْوَاجِهٖ بِالْبَقَرَةِ.

(صحیح بخاری باب الا ضحیة للمسافر و النساء ج۲ص۸۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مکرمات کی طرف سے قربانی فرمائی۔ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰہِ یَقُوْلُ نَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ نِّسَائِهٖ. (صحیح مسلم باب جواز الا شتراک فی الهدی و اجزاء البدنة و البقرة کل واحدة منهما عن سبعة ج۱ص۴۲۴)۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً یَّوْمَ النَّحْرِ. یعنی آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی (صحیح مسلم باب جواز الا شتراک فی الهدی و اجزاء البدنة و البقرة کل واحدة منهما عن سبعة ج۱ص۴۲۴)۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی اجازت سے ان کیطرف سے قربانی فرمائی ہے اسلئے کہ غیر کی طرف سے بغیر اسکی اجازت کے واجب قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ قَالَ النَّوَوِیُّ هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰی اَنَّهٗ ﷺ اِسْتَاذَنَهُنَّ فِیْ ذَالِکَ فَاِنَّ تَضْحِیَةَ الْاِنْسَانِ عَنْ غَیْرِهٖ لَاتَجُوْزُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (عمدۃ القاری ج۲۱ص۱۴۷)

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ عَلَیَّ بَدَنَةٌ وَّاَنَا مُوْسِرٌ بِهَا وَلَا

اَجِدُهَافَاشْتَرِيُهَا فَاَمَرَهُ النَّبِىُّ ﷺ اَنْ يَّبْتَا عَ سَبْعَ شِيَاةٍ فَيَذْبَحُهُنَّ. **ترجمه**: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ میرے ذمہ اونٹ یا گائے کی قربانی لازم ہے، مجھے اس کے خریدنے کی وسعت ہے، لیکن میں اس کو نہیں پا رہا ہوں کہ اس کو خرید لوں، تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ (اس کی جگہ پر) سات بکریاں خرید کر ذبح کر ڈالیں۔

(سنن ابن ماجہ بَابُ عَنْ كَمْ تُجْزِئُ الْبَدَنَةُ وَالْبَقَرةج۲ص۲۲۶، رواہ احمد و ابن ماجہ)

(۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَتَمَتَّعُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَذْبَحُ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَّالْجُزُوْرَعَنْ سَبْعَةٍ نَشْتَرِكُ فِيُهَا. **ترجمه**: ۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں حج تمتع کرتے تھے تو گائے کو سات لوگوں کی طرف سے اور اونٹ کو سات لوگوں کی طرف سے ذبح کرتے تھے۔ (قربانی کرتے تھے) اس میں ہم لوگ شریک ہوتے تھے۔

(ابوداؤد باب البقر و الجزور عن كم تجزئ ج۲ص۳۸۸)

فائده: ۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے قربانی الگ فرماتے تھے اور اپنی ازواج کی طرف سے قربانی الگ فرماتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بکری ایک مینڈھا صرف ایک شخص کی طرف سے کافی ہوسکتا ہے اور گائے اونٹ سات لوگوں کی طرف سے کافی ہوسکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بدنہ کو سات بکریوں کے برابر قرار دیا ہے۔ اور بدنہ کو سات لوگوں کی طرف سے کافی قرار دیا ہے۔ تو ان دونوں باتوں سے صاف ثابت ہوا کہ ایک بکری ایک شخص کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے۔ اس پر اجماع منقول ہے۔ وَحَكٰى فِيْهِ اَيْضًا اَنَّ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَّالشَّاةَ عَنْ وَّاحِدَةٍ اِجْمَاعاً (نیل الاوطار ج۵ ص۱۱۶)

غیر مقلدین کا موقف: ۔ غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ ایک بکرا یا بکری اہل خانہ کہ طرف سے یا ایک جماعت کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے۔ بعض روایات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے مثلاً

● عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلْاَضْحٰى فِى الْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهُ نَزَلَ مِنْ مِّنْبَرِهٖ اَتٰى بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّىْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِىْ. **ترجمه**: ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی معیت میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر عیدگاہ میں تھا جب آپ ﷺ ـ نا خطبہ پورا فرمایا۔ آپ اپنے منبر سے اترے ایک مینڈھا لایا گیا اس کی آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے قربانی فرمائی اور بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح فرمایا اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے ہے جنھوں نے قربانی نہیں کی ہے۔

(ابوداؤد باب فی الشاة یضحی بها عن جماعة ج۲ص۳۸۸)

●عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَبِكَبْشٍ اَقْرَن يَطَاءُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَّيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةَ هَلُمِّيْ الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَالْكَبْشَ فَاَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ. **ترجمہ**:۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسا سینگ والا مینڈھا لانے کا حکم فرمایا جو سیاہی میں چلتا ہے، سیاہی میں بیٹھتا ہے، سیاہی میں دیکھتا ہے۔ (یعنی اسکا سر، پیٹ اور آنکھ کا حلقہ سیاہ تھا) پھر فرمایا: اے عائشہ! میرے پاس چھری لاؤ پھر ارشاد فرمایا اسکو پتھر سے تیز کردو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیز کیا۔ پھر آپ نے چھری کو اور مینڈھے کو لیا اس کو لٹا کر ذبح کر کے فرمایا بسم اللہ اے اللہ (اسکو) محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کیطرف سے اور امت محمد ﷺ کی جانب سے قبول فرما اسکی آپ نے قربانی فرمائی۔ (تلخیص الحبیر ج۴ص ۹۴۸۴، صحیح مسلم بَاب استحباب الضحية و ذبحها مبا شرةبلا تو كيل و التسمية و التكبير ج۲ص ۱۵۶، ابوداوٗد بَابُ مَايُسْتَحَبُّ مِنَ الضَّحَايَاج ۲ص ۳۸۶، طحاوی ج۲ص ۳۰۲، شرح السنہ ج۳ص ۱۹۶)

دراصل مذکورہ روایات اور ان کے ہم معنی روایات کا صحیح محمل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آل محمد اور پوری امت کو صرف ثواب میں شریک فرمایا ہے۔ يُحْمَلُ الْحَدِيْثُ عَلَى الْاِشْتِرَاكِ فِي الثَّوَابِ قِيْلَ وَهُوَ الْاَوْجَهُ فِي الْحَدِيْثِ عِنْدَالْكُلِّ (فتح الودود بحوالہ بذل المجہود ج۴ص ۷۵، عون المعبود ج۸ص ۳) علامہ رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک بکری تو صرف ایک شخص کی طرف سے کافی ہوگی، رہا آپ ﷺ کا فرمان: اَللّٰهُمَّ هٰذَاعَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّةِ مُحَمَّدٍ تو یہ نفس ثواب میں شرکت پر محمول ہے اداء قربانی پر نہیں۔ وَقَالَ الرَّمْلِيُّ فِيْ نِهَايَةِ الْمُحْتَاجِ (ج۸ص ۱۲۶) وَالشَّاةُ عَنْ وَّاحِدٍ فَقَطْ ....وَأَمَّاخَبْرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَاعَنْ مُحَمَّدٍ وَّأُمَّةِ مُحَمَّدٍ فَمَحْمُوْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَالتَّشْرِيْكُ فِي الثَّوَابِ لَافِي الْاُضْحِيَّةِ (تکملہ فتح الملہم ج۳ص ۵۶۴) اور ثواب میں شریک کرنے سے سب کی طرف سے وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثُمَّ الْمُشَارَكَةُ أَمَّا مَحْمُوْلَةٌ عَلَى الثَّوَابِ وَأَمَّا عَلَى الْحَقِيْقَةِ فَيَكُوْنُ مِنْ خُصُوْصِيَّةِ ذٰلِكَ الْجَنَابِ، یعنی آپ ﷺ کا اپنی قربانی میں امت کو شریک کرنا یا ثواب میں شریک کرنے پر محمول ہے یا حقیقت پر محمول ہے تو یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۳ص ۵۶۸)

:تہذیب میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض کم فہم لوگوں نے آپ ﷺ کے ارشاد گرامی: هٰذَاعَنْ مُحَمَّدٍ وَّعَمَّنْ وَّجَدَ مِنْ اُمَّتِيْ سے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنی نفس قربانی میں شریک کیا ہے۔ لہٰذا ایک جماعت ایک بکری میں شریک ہو سکتی ہے۔ اور اس پوری جماعت کو ایک بکری کی قربانی کافی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس امت کے کسی فرد کو کسی قربانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور آپ ﷺ کے ارشاد گرامی: مَنْ وَّجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا ہے۔ اگر ایک بکری کی قربانی پوری جماعت کی طرف سے کفایت کر جاتی تو نہ کرنے والوں کے بارے میں کوئی وعید

نہ ارشاد فرمائی جاتی۔ اسلئے کہ آپ ﷺ نے انکی طرف سے قربانی کردی ہے۔ (الجوائز النقی علی سنن البیہقی ج ۹ ص ۲۶۵) علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بکری میں ایک سے زائد کی شرکت جائز نہیں ہے اس پر اجماع ہے۔ قَالَ النَّوَوِیُّ وَاجْمَعُوْا عَلٰی أَنَّ الشَّاۃَ لَایَجُوْزُ الْاِشْتِرَاکُ فِیْھَا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۲۴)

خلاصہ :۔ ہر صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے، ایک بکرا یا ایک بکری ایک پورے گھر والوں کیطرف سے کافی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ صرف ایک شخص کی طرف سے وجوب ساقط ہوگا۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم

فرقہ غیر مقلدین ایک محدث (نیا) فرقہ ہے، جس کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں ہے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے کثیر التعداد تلامذہ و متعلقین میں سے ایک صاحب نے سب سے الگ ڈیڑھ انیٹ کی مسجد بنائی، اور پھر اسی ڈیڑھ اینٹ پر مزید اینٹیں بڑھتی گئیں، اس فرقہ نے چند اختلافی مسائل کو شناخت اور علامت بنایا۔ اور یہی طریقہ ہر اس گروہ کا رہا ہے۔ جو صراط مستقیم سے منحرف ہوا ہے۔ روافض اور خوارج سے لیکر زمانہ حال کے تمام فرقوں اور گروہوں پر نظر ڈال لیجئے کہ کسی کے پاس اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جاؤ) کا پروگرام نہیں ملے گا، ہر ایک اپنی اپنی ایک شناخت بنا کر اسکو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اس طرح ایک ایسا مسئلہ جو پورے مجموعۂ اسلام کے پس منظر میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں رہا ہے۔ حق و باطل کا امتیاز بن جاتا ہے، اسکی ایسی مثال ہے، جیسے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں قدرت نے ہر ایک کی ایک مقدار بنادی ہے، اس مقدار میں وہ خوب صورت اور برمحل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان پانچوں انگلیوں میں سے ایک انگلی اگر گز بھر کی ہوجائے تو وہ اس شخص کی شناخت بن جائیگی، مگر پھوہڑ اور بدصورت۔ آپ دیکھ لیجئے کسی نے صحابہ کرام میں چند مخصوص اصحاب کو چن کر انہیں بہت اونچا اٹھا دیا، اور دوسروں کو گرادیا، کہیں گناہ کبیرہ کی حیثیت کو اسکے مقام سے بلند کرکے اسے کفر کے ہم پایہ بنا کر اپنی شناخت قائم کی گئی۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ورنہ ہر فرقہ کی ایک ایک شناخت دکھائی جاسکتی ہے۔ فرقہ غیر مقلدین نے بھی چند جزئی مسائل کو اپنی شناخت بنایا، نمازوں میں رفع یدین، آمین بالجہر، قراءۃ خلف الامام، آٹھ رکعات تراویح، ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر حق و باطل کا مدار ہو، مگر اس عجیب و غریب فرقہ نے ان مسائل کو انکے رتبہ سے اٹھا کر کہیں سے کہیں پہونچا دیا، اور اسکو اپنی شناخت بنالیا، پھر اس پردہ شور و شر مچایا، اتنے رسالے نکالے، مناظرے اور مجادلے کے وہ بازار گرم کئے کہ الامان والحفیظ۔

انہیں علاماتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا ہے، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم علیہما الرحمۃ نے پہلی مرتبہ ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا مگر انکے علاوہ کسی عالم نے اسے تسلیم نہیں کیا، اس نومولود فرقہ کو اپنی شناخت کیلئے یہ مسئلہ پسند آیا۔ اور اسنے پوری قوت سے اس مسئلہ کو اچھالا۔ اور دلائل کے نام سے عجیب عجیب قلابازیاں کھائیں۔

ابتداء میں غیر مقلدین خود ایک مجلس کی تین طلاقوں کے نافذ ہونے کے قائل تھے۔ چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ میں فرقۂ اہلحدیث کے ایک عالم مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب دہلوی کا فتویٰ ہے جس کا اقتباس ہے ''اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلسِ واحد کی محدثین کے نزدیک ایک حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہ و تابعین و تبعِ تابعین وغیرہ ائمۂ محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند اور انکے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا تو وقت کے علماء اسلام نے انکی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور انکے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے، انکو اونٹ پر سوار کر کے دُرّے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کئے گئے اسلئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی ص ۳۱۸۔ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ج ۲ ص ۹۸ اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب ص ۲۸۶ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں۔ التاج المکلل (ص ۲۸۸، ۲۸۹) ہاں تو جب کہ متاخرین علماءِ اہلحدیث نے جو عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کے معتقد ہیں، اسلئے وہ بے شک اس مسئلہ میں شیخ الاسلام سے متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں، اور مشہور کر دیا گیا کہ یہ مذہب محدثین کا ہے اور اسکا خلاف مذہب حنفیہ کا ہے، اسلئے ہمارے اصحاب اسے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں اور اسکے خلاف کو رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے.........۔ (بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۴۵، ۴۶)''۔ لیکن کچھ عرصہ بعد غیر مقلدین کو جدید انکشاف ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے حکم میں آج تک جمہور امت جس پر عمل کرتے آئی ہے اور جس پر وہ خود بھی عمل کرتے آئے ہیں وہ غلط تھا۔ صحیح وہ ہے جو سات سو سال بعد علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں پیش کیا (جو دراصل روافض کی علامت ہے)۔

غیر مقلدین:۔ ان کا موقف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقع ہوتی ہے اور مطلقہ اس کیلئے حلال ہے رجوع کر سکتا ہے۔

جمہور امت:۔ قرآن کریم کا صریح حکم ہے ''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ

ترجمہ : پس اگر اس کو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اسکے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے'' (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰) اس آیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے جمہور امت کا موقف درجِ ذیل ہے

''ایک مجلس کی تین طلاقیں بیک لفظ دی جائیں یا بالفاظِ متعددہ، واقع ہو جاتی ہیں۔ اور تین طلاقوں کے بعد چاہے وہ جس طرح دی گئی ہوں رجعت کرنا شرعاً ممکن نہیں ہے۔ شریعت کا یہ وہ مسئلہ ہے جس پر اہلسنت والجماعت کے ہر

چہار امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اور نہ صرف یہی بلکہ دیگر اکابر ائمۂ فقہ وحدیث مثلاً امام اوزاعیؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام اسحاقؒ، امام ابوثورؒ، امام بخاریؒ کا بھی یہی قول ہے، بلکہ جمہور صحابہ وتابعین و جمہور ائمۂ سلف وخلف اسی کے قائل ہیں۔"

نکتۂ اختلاف:۔ چونکہ غیر مقلدین کا موقف قرآن کریم کے صریح حکم "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ **ترجمه**:۔ پس اگر اسکو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اسکے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)" کے خلاف ہے۔ قرآن کریم تین طلاقیں دی ہوئی عورت کو طلاق دینے والے پر "حرام" قرار دیتا ہے اور غیر مقلدین اسے "حلال" قرار دیتے ہیں اس لئے انہیں اپنی دلیل میں نص صریح (قرآن کریم کی آیت) یا کم ازکم احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔

غیر مقلدین کے دلائل

غیر مقلدین جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو رجعی قرار دیتے ہیں وہ دلیل میں دو روایات ذکر کرتے ہیں۔ اور دونوں عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ ایک روایت مسلم شریف کے حوالے سے اور دوسری روایت مسند احمد کے حوالے سے۔ انکے دلائل ملاحظہ ہوں۔

● حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ ابْنِ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ طَاؤسٍ اَنَّ اَبَا الصَّهْبَآءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ هَاتِ مِنْ هَنَاتِكَ اَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَاحِدَةً فَقَالَ قَدْ كَانَ ذَالِكَ فَلَمَّا كَانَ فِىْ عَهْدِ عُمَرَ تَتَايَعَ النَّاسُ فِى الطَّلَاقِ فَاَجَازَهٗ عَلَيْهِمْ. **ترجمه**:۔ "اَبُوالصَّهْبَاءُ" نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں عہد فاروقی کے ابتدا میں تین طلاق ایک تھی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کی تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا۔

(صحیح مسلم باب طلاق الثلاث ج۱ ص۴۷۸)

استدلال پر اعتراضات:۔ مذکورہ روایت نہ قول رسول ہے نہ فعلِ رسول ہے نہ تقریر رسول ہے۔ جب کہ حدیث مرفوع کی تعریف ہے کہ "جس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو"۔ اسلئے مذکورہ روایت سرے سے حدیث (مرفوع) ہی نہیں ہے۔ اصول کی رو سے غیر مقلدین کو "حلال" کی دلیل میں احادیث صحیحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تو قابلِ حجت نہیں تھی کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے جب کہ یہ روایت متعدد وجوہ کی بناء پر بھی نا قابلِ استدلال ہے۔ کیونکہ........(۱) یہ روایت وھم وغلط ہے چنانچہ بڑے

جلیل القدر حافظ و محدث ابن عبدالبر نے فرمایا ہے ھٰذِہِ الرِّوَایَۃُ وَھْمٌ وَغَلَطٌ یعنی یہ روایت وہم وغلط ہے (الجواہر النقی ص ۱۱۳)..... (۲) یہ روایت شاذ ومنکر ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل اور بیہقی نے یہی فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کے جملہ شاگرد اسکے خلاف روایت کرتے ہیں۔ (دیکھو نیل الاوطار ج۶ ص ۱۵۷ اور اعلام الموقعین ج۲ ص ۲۶ اور فتح الباری ص ۲۹۱)........ (۳) علامہ ابن العربی مالکی شارح ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے پس وہ اجماع پر کیسے ترجیح پاسکتی ہے۔ (دیکھو فتح الباری ج۹ ص ۲۹۱)...... (۴) امام شافعی ونووی وغیرہما نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے (فتح الباری ج۹ ص ۲۹۱)...... (۵) اس روایت کا مدار طاؤس پر ہے اور انکی نسبت علامہ ابوجعفر بن النحاس نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھا ہے کہ طاؤس اگرچہ مرد صالح ہیں مگر ابن عباسؓ سے انکی کئی روایتیں منکر ونامقبول ہیں...... (۶) روایت کا پورا مضمون غور سے پڑھیئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے خود اسکا جواب دیدیا ہے۔ کبھی کسی وجہ سے ایسا ہوتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسکے خلاف پر اجماع ہوگیا لہٰذا اب تینوں طلاقوں کے بعد رجعت جائز نہیں ہے۔..... (۷) علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے (فتح الباری ج۹ ص ۲۹۲)۔ بہت زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے اور خود ابن عباسؓ نے اسکے خلاف فتوے دیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سنن سعید بن منصور حدیث نمبر ۱۰۶۴، ۱۰۶۵ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۱ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اَلْاَعْلَامُ الْمَرْفُوْعَۃ اور اَلْاَزْھَارُ الْمَتْبُوْعَۃ مؤلف محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ روایت کسی راوی کا وہم ہے جیسا کہ ابن عبدالبر کا خیال ہے یا پھر منسوخ ہے ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فتوائے نبوی ﷺ کا علم رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیدیں۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ابوالصہباء (جسکی شخصیت بالکل مجہول ہے اور بالکل یقینی ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے اس) کو تو معلوم تھا کہ عہد نبوی وعہد صدیقی میں طلاق ثلث ایک تھی لیکن صحابہ کا جم غفیر اس حکم سے واقف نہ تھا ورنہ کیا وجہ ہے کہ جب حضرت عمر نے تینوں کو نافذ کیا اور اسکا اعلان فرمایا تو کسی صحابہ نے نہ ٹوکا۔ کسی نے مخالفت نہ کی کسی نے نہ بتایا کہ عہد صدیقی کے خلاف ہے اور اگر کسی نے مخالفت کی ہو تو کوئی صاحب ہمت کر کے ذرا ان کا نام لیں اور ثابت تو کریں۔

غرض مذکورہ روایت تین طلاق کے بعد رجعت کی دلیل میں ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

● حضرت رکانہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر بہت پچھتائے آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کیسی طلاق دی ہے انہوں نے کہا تین آپ نے پوچھا کہ ایک جلسے میں؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ وہ ایک ہی ہے اگر تمہارا جی چاہے تو رجعت کرلو (مسند احمد)

کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث حسن وصحیح دونوں طریق سے مروی ہے مگر درحقیقت یہ مغالطہ ہے حضرت رکانہ نے تین طلاق نہیں دی تھی بلکہ لفظ بتہ کیساتھ طلاق دی تھی، اور پانچ زبردست محدثوں نے طلاق بتہ والی حدیث کی تصحیح کی ہے۔ پس مسند احمد والی حدیث کیسے صحیح یا حسن ہوسکتی ہے؟ جب رکانہ کا لفظ بتہ کے ساتھ طلاق دینا محدثین کے نزدیک صحیح واقعہ ہے

تو پھر اسی واقعہ میں تین طلاق کا ہونا کون صحیح کہہ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی محدث نے مسند احمد والی حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں کی ہے، بلکہ محدثین نے اسکو حد درجہ کمزور بتایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے وَهُوَ مَعْلُولٌ اَيْضاً یعنی مسند احمد والی حدیث بھی بہت مجروح وضعیف ہے (ص ۳۱۹)۔ اور حافظ ذہبی نے بھی اسکو داؤد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے۔ پس اس حالت میں اگر اسکی اسناد حسن یا صحیح بھی ہوں تو استدلال نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اسناد کی صحت استدلال کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کی اسناد بہت ٹھیک ہوتی ہے لیکن اسکے مضمون میں کوئی ایسی باریک علت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نامقبول ہو جاتی ہے ایسی حدیث کو اصطلاح میں معلول کہتے ہیں، لہٰذا اسناد کے رجال کے ساتھ ایک محدث کی نظر اس پر بھی ہونی چاہئے کہ مضمونِ حدیث میں کوئی علتِ خفیہ تو نہیں ہے لیکن نہ ہر شخص کو یہ سلیقہ ہوتا ہے نہ ہر شخص اس کا لحاظ ہی کرتا ہے۔ بہر حال مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ علامہ ابن القیمؒ نے صرف اسکی اسناد دیکھی اور یہ دیکھا کہ یہی سند ایک دوسری حدیث کی بھی ہے اور اس جگہ اس سند کو امام احمد نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے، لہٰذا یہ سند بھی صحیح ہے اور جب سند صحیح ہے تو یہ حدیث حجت ہے لیکن علامہ ابن القیمؒ نے یہ خیال نہ کیا کہ صرف اسناد کے صحیح ہونے سے کام نہ چلے گا بلکہ متن کا بھی علت سے خالی ہونا ضروری ہے اور یہ بھی نہ سوچا کہ جہاں پر اس اسناد کو امام احمد نے صحیح کہا ہے وہاں متن میں کوئی خرابی نہ ہوگی اسلئے اس حدیث کو قابل عمل کہا ہے تو کچھ ضروری نہیں کہ ہر حدیث جو اس اسناد سے مروی ہو قابلِ عمل ہو جائے۔ یہ اصول حدیث کا ایسا بدیہی اور مشہور مسئلہ ہے کہ اس کیلئے کسی خاص حوالہ کی ضرورت نہیں۔ صرف اسناد کی صحت استدلال کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ متن کا بھی علت سے خالی ہونا ضروری ہے۔ پس اگر اس حدیث کی اسناد صحیح بھی ہوں تو چونکہ حافظ ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے اس لئے اس سے استدلال جائز نہیں ہوسکتا۔

یہ سب اس وقت ہے جب کہ حدیث کی اسناد کو صحیح یا حسن تسلیم کر لیا جائے لیکن ابھی اسی میں بہت گفتگو ہیکہ اسناد بھی صحیح ہے یا نہیں رجالِ اسناد میں محمد بن اسحاق واقع ہیں ان میں بہت زیادہ کلام ہے اور محدثین نے نہایت سخت سخت جرحیں ان پر کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے انکی جرح وتعدیل کے اقوال ذکر کر کے اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے کہ ”انکے حافظہ میں کچھ خرابی ضرور ہے، اور یہ کہ جس چیز کے روایت کرنے میں وہ تنہا ہوں وہ منکر ہے“ دوسرے راوی اس اسناد کے داؤد بن الحصین ہیں ان میں بھی بہت زیادہ کلام ہے اور محدثین کی ان پر مختلف جرحیں ہیں اگر ان سب جرحوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو کم از کم اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ انکی وہ روایتیں جو عکرمہ سے لاتے ہیں منکر ہوتی ہیں۔ امام بخاری کے استاد علی بن المدینی نے فرمایا ہے مَارَوَاهُ عَنْ عِكْرَمَةَ فَمُنْكَرٌ یعنی انہوں نے عکرمہ سے جو روایتیں کی ہیں وہ منکر ہیں۔ اور امام ابوداؤد صاحب سنن کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ انکی اور حدیثیں تو ٹھیک ہیں لیکن عکرمہ سے جو روایتیں لاتے ہیں وہ منکر ہوتی ہیں (دیکھو میزان ذہبی)۔ اور مسند احمد والی حدیث داؤد نے عکرمہ ہی سے سنی اور بیان کی ہے، لہٰذا امام بخاری کے استاد اور ابوداؤد کے

فیصلہ کے مطابق بھی یہ منکر ہے۔ اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انکی دلیل صرف صحیح احادیث ہوتی ہیں اسلئے یہ حدیث انکی دلیل نہیں ہوسکتی۔

آثار:۔ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے اسلئے دلیل میں وہ آثار پیش کر سکتے ہی نہیں۔ اگر وہ حجت میں آثار پیش کرتے ہیں تو قابلِ قبول نہیں۔

چونکہ غیر مقلدین کے پاس دلائل نہیں ہیں اور وہ خود اپنے مسلک کی کمزوری محسوس کرتے ہیں اسلئے اسپر پردہ ڈالنے کیلئے غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور زبیرؓ، اور جابرؓ، اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرام یہی فرماتے ہیں (یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں) جب کہ مخالفین کے امام جنکے انکشاف کی یہ تقلید کر رہے ہیں یعنی علامہ ابن قیمؒ نے اِغَاثَةُ اللَّهْفَانْ میں نہایت صفائی کیساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سوا اور کسی صحابی سے اس قول کی نقل صحیح ہم کو معلوم نہیں ہوئی اسوجہ سے ہم نے اسکو اختلاف کی وجہوں میں شمار نہیں کیا۔ (اغاثۃ ص ۱۷۹) (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اَلْاَعْلَامُ الْمَرْفُوْعَةُ) دوسری غلط بیانی یہ کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے۔ جب کہ علامہ ابن قیمؒ خود اقرار کرتے ہیں اور تحقیق کہ حضرت ابن مسعودؓ وعلیؓ وابن عباسؓ سے اکٹھی تین طلاقوں کا لازم کرنا بے شک وشبہ ثابت ہے (اغاثۃ ص ۱۷۹)۔

غرض اپنی دلیل میں غیر مقلدین جتنی روایات پیش کرتے ہیں وہ قابلِ حجت نہیں ہیں۔

جمہور کے دلائل

قرآن کریم کا صریح حکم ہے ”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ **ترجمہ**:۔ پس اگر اس کو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اس کے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے“ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)۔

آیت میں مطلق حکم ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدین ایک مجلس کی بحث نکال کر اس آیت کی تخصیص کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن کریم کا یہ صریح حکم ایسا اجماعی ہے کہ اس کی تخصیص کسی نے نہیں کی۔ جب کہ شوافع کے نزدیک قرآن کریم کی آیت کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔ لیکن جو روایات تخصیص کیلئے پیش کی جاتی ہیں وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان سے تخصیص کی جائے۔ اس لئے غیر مقلدین کا موقف اس آیت کے خلاف ہے جس کی وجہ سے ان کا کہنا کہ مطلقہ حلال ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

● حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَلِیُّ ابْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَلَّقَ رَجُلٌ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا فَاَرَادَ زَوْجُهَا الْاَوَّلُ اَنْ

يَتَزَوَّجَهَا فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ لَا حَتّٰی يَذُوْقَ الْاٰخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْاَوَّلُ۔ **ترجمہ:** ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی اسنے دوسرے سے نکاح کرلیا دوسرے شوہر نے قبل خلوت کے طلاق دیدی آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اب پہلے کیلئے حلال ہوگی یا نہیں، فرمایا نہیں تاوقتیکہ دوسرا شوہر پہلے کیطرح لطف اندوز صحبت نہ ہو پہلے کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ (صحیح بخاری باب من اجا زا لطلاق الثلاث ج۲ص۷۹۱، صحیح مسلم ج۱ص۴۶۳)

امام بخاری اس حدیث کو **باب من احازا لطلاق الثلاث** کے تحت لائے ہیں یعنی تین طلاق کے ایک ساتھ واقع ہونے کی دلیل میں لائے ہیں۔

● ابن ابی شیبہ بیہقی اور دارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ کے طلاق کے مشہور قصہ میں روایت کیا ہے۔ **فَقُلْتُ (اَلْقَائِلُ ابْنُ عُمَرؓ) يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَرَأَيْتَ لَوْ اَنِّیْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا اَكَانَ يَحِلُّ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَهَا قَالَ لَا كَانَتْ تَبِيْنُ مِنْکَ وَتَكُوْنُ مَعْصِيَةً** یعنی ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فرمایئے، اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو میرے لئے رجعت کرنا حلال ہوتا یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں، وہ تم سے بائنہ ہوجاتی اور ایسا کرنا گناہ ہوتا، سنن دارقطنی میں اس کی اسناد یوں ہے **حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ الْحَافِظِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ شَاذَانَ الْجَوْهَرِيُّ نَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُوْرٍ نَا شُعَيْبُ بْنُ رُزَيْقٍ اَنَّ عَطَآءَ الْخُرَاسَانِيَّ حَدَّثَهٗ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ.**

حدیث مذکور کی اسناد قوی ہیں اور اس حدیث سے حجت صحیح ہے۔ (بعض لوگوں نے اسکی اسناد میں جو کلام کیا ہے نہایت لغو اور اصول محدثین سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاعلام المرفوعہ ص۱۱.........۱۷)۔

● امام شافعی ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وابن حبان وحاکم ودارقطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے **اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا اَرَدْتَّ قَالَ وَاحِدَةً قَالَ اٰللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ قَالَ هُوَ عَلٰی مَا اَرَدْتَّ** یعنی حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو بتہ کے ساتھ طلاق دی اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس لفظ سے تم نے کیا ارادہ کیا ہے انہوں نے کہا ایک طلاق کا آپ نے کہا بخدا؟ انہوں نے کہا بخدا! آپ نے فرمایا کہ جو تم نے ارادہ کیا وہی ہے، اس حدیث کے دوسرے طریق میں ہے کہ آپ نے ان سے تین بار قسم لی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہوجاتی ہیں۔ ورنہ رکانہ سے بار بار قسم دے کر یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ **اَللّٰهُ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً** خدا کی قسم کھا کر کہو کہ ایک کے سوا اور کچھ ارادہ نہیں کیا ہے۔ یہ سوال تو جب ہی درست ہوسکتا ہے جب ایک کا ارادہ کرنے سے ایک اور تین کا ارادہ کرنے سے تین واقع ہوں۔ اور اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہو تو ایک اور تین میں سے ایک کی تعیین کرانا بے معنیٰ بات ہوگی (اور حضور ﷺ کے تعلق سے بے معنیٰ سوال کا تصور فضول ہے)۔

ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کرکے فرمایا **هٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ جُرَيْجٍ** (یعنی یہ حدیث ابن جریج کی

حدیث سے اصح ہے)۔ اور دارقطنی نے اس کو ذکر کر کے لکھا ہے قَالَ اَبُوْ دَاؤُدُ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ (یعنی ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔ اور ابن ماجہ نے ص ۱۴۹ میں اس کو ذکر کر کے لکھا ہے سَمِعْتُ اَبَا الْحَسَنِ عَلِيَّ بْنِ مُحَمَّدِ الطَّنَافِسِيَّ يَقُوْلُ مَااَشْرَفَ هٰذَا الْحَدِيْثُ (یعنی میں نے اپنے استاذ طنافسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث کتنی شریف و بہتر ہے)۔ اور حافظ ابن حجر نے تلخیص ص ۳۱۹ میں لکھا ہے صَحَّحَهٗ اَبُوْدَاؤُدُ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ (یعنی اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)۔ ابوداؤد و ابن ماجہ و دارقطنی میں اس حدیث کی مشترک اسناد یوں ہے جَرِيْرُبْنُ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ جریر بن حازم سے اصحاب صحاح ستہ نے حجت پکڑی ہے (مقدمہ فتح الباری)۔ زبیر بن سعید کی ابن معین نے توثیق کی ہے، ہاں نسائی نے ان کی تضعیف کی ہے۔ مگر اولاً تو ان کی جرح مبہم ہے۔ دوسرے وہ متعنت (متشدد) ہیں لہذا ان کی تضعیف نا معتبر ہے۔ (حضرت رکانہ کے واقعۂ طلاق سے متعلق ایک دوسری روایت جو مسندِ احمد میں ہے اس کی سند ضعیف و مجروح ہے اور روایت مرجوح ہے)۔

● دارقطنی نے بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعاً ذکر کیا ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاطَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ وَيَذُوْقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عُسَيْلَةَ الْاٰخَرِ (ص ۴۳۸) یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کر کے ہم صحبت نہ ہولے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اس حدیث کی اسناد یوں ہے حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْعَلَاءِ نَا اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنِ اَبِي السَّفَرِ نَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ زَائِدَةَ بْنِ قُدَامَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اُمِّ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ۔

بعض لوگوں نے علی بن زید میں کلام کیا ہے مگر۔ وہ مسلم و سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔ اور ترمذی نے ان کو صدوق (بہت راست گو) کہا ہے۔ اور ان کی حدیث کی ایک جگہ تصحیح اور دوسری جگہ تحسین کی ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اور دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ متروک نہیں ہے ہاں کچھ نرمی ان میں ہے۔ بہر حال ان کی حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن ضرور ہے۔ اور حدیث حسن بھی حجت ہوسکتی ہے۔

● دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی۔ اِذْهَبِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے۔ عائشہ چلی گئیں بعد میں جب حضرت حسن کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بڑا رنج ہے تو روئے اور فرمایا لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ اَوْحَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهٗ سَمِعَ جَدِّيْ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا مُبْهَمَةً اَوْ ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ لَمْ تَحِلُّ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ لَرَاجَعْتُهَا (ص ۴۳۷)۔ یعنی اگر میں نے اپنے جد امجد حضور ﷺ سے نہ سنا ہوتا یا یوں فرمایا کہ اگر میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے جد امجد آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین مبہم (یعنی بیک لفظ) طلاق دیدے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے تو جب تک

وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوسکتی تو میں عائشہ سے رجعت کرلیتا۔

یہ حدیث حسن سے کم نہیں ہے لہٰذا یہ بھی حجت ہوسکتی ہے خصوصاً جب کہ سنن دار قطنی میں یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس سے اس کی تائید و متابعت حاصل ہوتی ہے۔

● دار قطنی میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ طَلَّقَ فِيْ بِدْ عَةٍ وَّاحِدَةً اَوْثِنْتَيْنِ اَوْثَـلا ثـاًاَلْـزَمْنَاهُ بِدْعَتَهٗ. یعنی جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا چاہے ایک طلاق (مثلاً بحالتِ حیض) دے یا دو تین طلاق بیک لفظ دے تو ہم اس کی بدعت اس کے ساتھ لازم کردیں گے۔ یعنی ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہوجائیگی۔

اس حدیث کی اسناد میں اسماعیل بن امیہ واقع ہوئے ہیں۔ یہ اسماعیل بن امیہ دارع بصری ہیں۔ اور انکو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات نے انکو اسماعیل بن امیہ قرشی یا کوفی سمجھ کر کلام کردیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بہر حال یہ حدیث بھی قابلِ احتجاج ہے۔ اور اس کی مؤید ایک دوسری حدیث ہے جو سننِ دار قطنی میں بروایت علیؓ مروی ہے اس کی اسناد ضعیف ہے۔ لیکن جو حدیث کسی دوسری حدیث کی تائید کے لئے پیش کی جائے وہ اگر ضعیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

● دار قطنی و مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے ڈالیں اس کے لڑکوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ اب کوئی مخلص ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ اللہ سے ڈرتا ہوتا تو اللہ اس کے لئے کوئی مخلص نکالتا۔ (جاؤ) اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہوگئی اور نو سو ستانوے طلاقوں کا گناہ تمہارے باپ کے گردن پر رہا۔

دوسری اسناد اس حدیث کی یوں ہے عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ الْوَصَّا فِيُّ عَنْ دَا وُدَ عَنْ عُبَا دَةَ بْنِ الصَّا مِتِ یہ حدیث بطور تائید کے ہے اس لئے اگر ضعیف بھی ہو تو مضر نہیں۔

● عَـنْ عَـامِرِ الشَّـعْبِـيِّ قَالَ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حَدِّثِيْنِيْ عَنْ طَلاَقِكِ قَالَتْ طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلاَ ثاً وَّهُوَخَارِجٌ اِلَى الْيَمَنِ فَاَ جَازَ ذَالِكَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ **ترجمہ**:۔ شعبیؒ کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ مجھ سے اپنے طلاق کا قصہ بیان کیجئے انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے وہیں سے انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں بھیج دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا۔

(ابن ماجہ بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلاَ ثاً فِيْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍص ۱۴۷)

اس روایت کو ابن ماجہ نے ’’ بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلاَ ثاً فِيْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ یعنی یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں‘‘ اس روایت کے علاوہ صحاح و خارج صحاح کی متعدد روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دی تھیں۔

وقوع ثلاث پر صحابۂ کرام کا اجماع

فتح القدیر میں ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونیکا حکم اجماعی اور حق ہے، لہٰذا اسکے خلاف کرنے میں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں، اگر کوئی قاضی شرع اس کے خلاف فتویٰ دے تو معتبر نہیں، مردود و باطل ہے کیونکہ تین طلاقیں واقع ہو جانے کا مسئلہ اجتہادی نہیں اجماعی ہے (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰)۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں، پس راجح دونوں مقام میں (یعنی بحث متعہ اور طلاق میں) متعہ کی حرمت اور تین طلاقوں کا وقوع اس اجماع کیوجہ سے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں منعقد ہوا اور کسی کو یاد نہیں کہ ان میں سے کسی مسئلہ میں کسی نے انکے زمانہ میں مخالفت کی ہو صحابہ کا اجماع دلالت کرتا ہے کہ ضرور کوئی ناسخ تھا جو اس سے پہلے اگرچہ بعض لوگوں پر مخفی رہا ہو لیکن حضرت عمر کے زمانے میں سب پر ظاہر ہو گیا پس اس اجماع کے بعد جو مخالفت کرے وہ اجماع کا مخالف ہے اور اتفاق کے بعد اختلاف پیدا کرنے والے کا جمہور قطعاً اعتبار نہیں کرتے۔

لمحۂ فکریہ

فرقۂ اہل حدیث کی قسموں میں سے ایک قسم طلاقی اہل حدیث بھی ہے۔ کہ عورت کو تین طلاق دیدیا اور صرف اس عورت کو رکھنے کیلئے اپنا مسلک تبدیل کر کے اہل حدیث بن گئے۔ معاشرے میں اس قسم کے کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم کی رو سے تین طلاق دینے کے بعد عورت حرام ہو گئی، بغیر شرعی حلالہ کے اس کیلئے حلال نہیں ہو گی۔ لیکن فرقۂ اہل حدیث کے پاس سے فتویٰ لے آتے ہیں اور عورت ایسے ہی رکھ لیتے ہیں، اور زندگی بھر حرام کاری کرتے ہیں۔ اولاد بھی حرام کی پیدا ہوتی ہیں۔ اسطرح معاشرہ کو خراب کرتے رہتے ہیں۔ معاشرہ کو صحت مند رکھنے کیلئے اسپر گرفت ضروری ہے۔ آخرت کے لحاظ سے بھی بڑی خرابی کا اندیشہ ہے۔

ایک بار نواب قطب الدین صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حنفی ہے اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی لیکن غیر مقلد بنکر بیوی رکھ لی اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟۔ انہوں نے اپنا سر جھکایا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا کہ مجھے اس شخص پر موت کے وقت ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔ غالباً اسلئے ایسا کہا ہوگا کہ اس شخص نے عورت کیلئے حرام کو حلال کرلیا۔

وسیلہ کی حقیقت

وسل بمعنی تقرب ہے، توسل لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً دعا میں وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کی رحمت کا مستحق ہے اور جو رحمت کا مستحق ہو، اس سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی باعث رحمت ہے اور

ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ پس ہم پر بھی رحمت فرما۔

توسل کے اقسام:۔ توسل بالمخلوق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مخلوق سے دعا اور التجاء کرنا جیسے مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

(۲) مخلوق (زندہ) سے دعا کی درخواست کرنا۔ مردہ سے دعا کی درخواست کے بارہمیں اختلاف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مقبول مخلوق کی برکت سے، اور اس کو جمہور نے جائز کہا ہے۔

غیر مقلدین کا موقف: ابن تیمیہؒ اور اس معاملہ میں ان کے متبعین غیر مقلدین اسے بھی ناجائز کہتے ہیں۔ یعنی مقبول مخلوق کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک جائز نہیں۔

فقہی حکم کے اعتبار سے یہ وسیلہ مباح یا مستحب ہے، فرض اور واجب نہیں۔ نہ کرنیوالوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی، کرنے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور، یہ کہنے کی اجازت نہیں کہ یہ سب چیزیں غلط ہیں اسکا قرآن وسنت سے ثبوت نہیں۔

توسل کی ایک خاص صورت یہ بھی ہے کہ یوں دعاء کرنا کہ یا اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری مراد پوری کر (اس کو توسل بالاعیان کہتے ہیں)۔ اس کو جمہور جائز کہتے ہیں۔ اور ابن تیمیہ منع کرتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ توسل بالاعمال (اعمال صالحہ سے توسل) تو مطلقاً جائز ہے۔ اور توسل بالاعیان (شخصیتوں) کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ (اعیان یا شخصیات) زندہ ہیں تو اس معنیٰ میں جائز ہے کہ ان سے دعاء کی درخواست کی جاتی ہے اور اموات (مردہ) سے ناجائز ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کہتے ہیں کہ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا یا وہ میرے زمانہ میں ہوتے تو نہایت ادب سے عرض کرتا کہ حضرت! اس توسل بالاعمال کی حقیقت ہے کیا؟ میری سمجھ میں تو اس کی حقیقت یہ آئی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ فلاں عمل کے طفیل وصدقہ میں یہ کام کرادے تو اس کے یہ معنیٰ آتے ہیں کہ اے اللہ یہ عمل آپ کے نزدیک محبوب ہے اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے عمل سے جس کو تلبس (تعلق) ہو، اس پر خاص رحمت ہوتی ہے اور اس عمل کے ساتھ ہم کو بھی کسب وصدور کا تلبس (عمل کرنے کا لگاؤ) ہے۔ لہٰذا اس تلبس پر۔ جو رحمت کا وعدہ ہے ہم آپ سے اس رحمت کو طلب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر کوئی تلبس بالاعیان (شخصیات) بھی کرے تو اس توسل بالاعمال اور (اس) توسل بالاعیان میں کیا فرق ہے۔ پھر خواہ وہ اعیان احیاء (زندہ) ہوں یا اموات (مردہ)۔ کیوں کہ اب توسل بالاعیان کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ یہ بزرگ زندہ یا مردہ آپ کے محبوب ہیں اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تلبس ہو، اس پر رحمت ہوتی ہے اور ہم کو ان بزرگ کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تلبس ہے اسلیئے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ (جس رحمت کا وعدہ ہے) کے طلب گار ہیں۔ اب فرمایئے کہ اس میں اموات واحیاء کا کیا فرق رہ گیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ابن تیمیہؒ زندہ ہوتے تو علی الاطلاق توسل

بالاعیان الموتی کی ممانعت سے رجوع فرما لیتے۔

وسیلہ احادیث کی روشنی میں

حضرت مصعب بن سعدؓ کی حدیث میں ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ بِضُعَفَائِھَا وَ دَعْوَتِھِمْ وَ اِخْلَاصِھِمْ (نسائی کتاب الجھاد: بَابُ الْاِ سْتِنْصَارِ بِا الضَّعِیْف ج ۲ ص ۶۴) وَھُوَ عِنْدَ الْبُخَارِیْ بِلَفْظِ ھَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نصرت اس امت کیساتھ ہے وہ اسکے عاجزوں (کمزوروں) اور ان کی دعا و اخلاص ہی کی بدولت ہے (تو مالدار انکے محتاج ہوئے نہ کہ اسکا الٹا) اور بخاری شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ تمہاری جو نصرت کی جاتی ہے اور تم کو جو رزق ملتا ہے وہ صرف تمہارے عاجزوں کی بدولت ہے۔

(صحیح بخاری بَا بُ مَنِ اسْتَعَانَ بِا لضُّعَفَاءِ ج ۱ ص ۴۰۵)

فائدہ:۔ یہ حدیث دو امر پر دلالت کرتی ہے ایک تو عاجزوں (کمزوروں) کی فضیلت پر اور دوسرے اللہ کے مقبول بندوں سے توسل (توسل بالاعیان) کا ثبوت ان کی ذات سے بھی اور انکے ظاہری و باطنی اعمال سے بھی (توسل بالاعمال)۔ چنانچہ اس مجموعہ پر الفاظ "بِضُعَفَائِھَا وَ دَعْوَتِھِمْ وَ اِخْلَاصِھِمْ" دلالت کرتے ہیں (یعنی یہ کہ عاجزوں اور ان کی دعا و اخلاص کی بدولت) لفظ عاجز ذات پر دلالت کرتا ہے اور دعا عمل ظاہر پر، اور اخلاص عمل باطن پر۔

حضرت عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعاء کرے۔ "اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں محمد ﷺ کے وسیلہ سے"

(سنن ابن ماجہ باب صلوۃ الحاجۃ ص ۱۰۰)

فائدہ:۔ اس حدیث سے صراحتاً وسیلہ (توسل بالاعیان) ثابت ہے۔

غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے:۔ حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ جب لوگوں پر قحط ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے بارش کی دعاء کراتے اور فرماتے کہ، "اے اللہ ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کا توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش دیتے تھے اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا کا توسل کرتے ہیں۔ سو ہم کو بارش دیجئے۔ چنانچہ بارش ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری بَابُ سُوالِ لنَّا سِ الْاِمَامَ الْاِ سْتِسْقَاءَ اِذَا قَحِطُوْا ج ۱ ص ۱۳۷)

فائدہ:۔ اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو، قرابت حسیہ کا (یعنی رشتہ داری کا) یا قرابت معنویہ کا۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔

اور اہل فہم نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل اسلئے کیا (تا کہ لوگ سمجھ لیں) کہ غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ اسلئے نہیں کیا تھا کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ وہ تو وفات کے بعد بھی جائز تھا لیکن لوگ یہ سمجھ لیں کہ غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ (نبی کا توسل اس کی وفات کے بعد بھی جائز ہے اس لئے کہ صراحتاً حدیث میں موجود ہے)۔ اور چونکہ اس۔ توسل پر (غیر نبی کے توسل پر) کسی صحابہ سے نکیر منقول نہیں اس لئے اس میں اجماع کے معنی آ گئے۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد توسل کرنے کا ثبوت :۔ انجاح الحاجۃ میں کہا ہیکہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس کسی کام کو جایا کرتا تھا اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس نے عثمان بن حنیف سے کہا کہ انھوں نے فرمایا کہ تو وضو کر اور دو رکعت پڑھ اور یہ دعاء کر کہ ’’اے اللہ میں آپ سے محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میں محمد ﷺ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ وہ پوری ہو جائے،،۔ چنانچہ اس نے یہی کیا، اور حضرت عثمانؓ کے پاس پھر گیا تو انھوں نے بڑی تعظیم وتکریم کی اور کام پورا کر دیا۔ بیہقی نے اس کو دو طریق سے بیان کیا ہے۔ (طبرانی فی الکبیر، بیہقی بحوالہ انجاح الحاجہ)

فائدہ:۔ اس سے وفات کے بعد بھی توسل ثابت ہوا۔ اور ثبوت بالروایۃ کے علاوہ درایۃً بھی ثابت ہے کیوں کہ اوپر جو توسل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔

توسل کا بالفعل ثبوت :۔ ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا، لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایۃ کی۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھ کر اسکے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک منفذ (سوراخ) کر دو، یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا، تو بہت زور کی بارش ہوئی۔ (روایت کیا اس کو دارمی نے، کذا فی خیر المواعظ باب الکرامات)۔

فائدہ:۔ اوپر توسل بالقول ثابت ہوا تھا، اس سے توسل بالفعل بھی جائز ثابت ہوا۔ اسکے معنی بھی بزبان حال یہ تھے کہ یہ آپ کے نبی کی قبر ہے جس کو ہم تلبس جسد نبوی کی وجہ سے متبرک سمجھتے ہیں اور نبی کی ملابس چیز کو متبرک سمجھنا نبی کے اعتقاد وعظمت کی علامت اور موجب رحمت ہے پس ہم پر رحم فرمایئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ’’احکام الدعا والوسیلہ‘‘ از افاداتِ حکیم الامت ۔مرتب مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

ایصال ثواب

ایصال ثواب کے لفظی معنی ہیں ثواب پہنچانا۔ اصطلاحاً کسی نیک عمل کا ثواب کو ہبہ (ہدیہ) کر دینے کو ایصال

ثواب کہتے ہیں۔ ایصال ثواب زندوں کو بھی کر سکتے ہیں اور مُردوں کو بھی۔ مُردوں کو ایصال ثواب کا اہتمام اسلئے کیا جاتا ہے کہ وہ خود عمل کرنے سے قاصر ہیں اس کی مثال کہ آپ برسر روزگار کو کچھ ہدیہ بھیج دیں تو اس کو بھی پہنچ جائے گا مگر زیادہ اہتمام ایسے لوگوں کو دینے کا کیا جاتا ہے جو خود کمانے سے معذور ہوں۔

فقہی طور پر ایصال ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ جو نیک عمل آپ کریں اسکے کرنے سے پہلے نیت کریں کہ اسکا ثواب جو حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ فلاں (میت) کو عطا کریں اسی طرح کسی نیک عمل کرنے کے بعد بھی یہ نیت کی جا سکتی ہے۔

کچھ لوگوں نے اسکے خلاف میں اتنا غلو کیا کہ سرے سے ایصال ثواب ہی کے منکر ہو گئے اور اپنی دلیل میں قرآن شریف کی آیت ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی. **ترجمہ**: نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہی جس کی اس نے کوشش کی''۔ (سورۂ نجم آیت ۳۹) پیش کرنے لگے۔ منکرین ایصال ثواب کہتے ہیں کہ ''اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر انسان کو وہی ملیگا جسکی وہ کوشش کرے۔ دوسرے کی کوشش سے اسے کچھ نہیں ملیگا، لہٰذا ثابت ہوا کہ ایصال ثواب وغیرہ ناجائز و حرام ہے''

اسکے مفسرین نے کئی جواب دیئے ہیں۔ مثلاً

(۱) یہ کہ یہاں سعی (کوشش) سے سعیٔ ایمانی مراد ہے۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

(۲) نیز اگر ایک آدمی مومن نہیں ہے تو دوسرا اس کی طرف سے خواہ جتنا بھی صدقہ و خیرات کر دے، حج کرا دے، قربانی کرا دے، مال و دولت لٹا دے، اسکے لئے نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتیں جب تک وہ ایمان نہ لے آئے۔ یہ ساری چیزیں دوسرے کی طرف سے نفع بخش اس وقت ہوں گی جب وہ شخص ایمان کی دولت سے مالا مال بھی ہو۔

(۳) امام رازیؒ لکھتے ہیں۔ وَالْجَوَابُ مِنْهُ اِنَّ الْاِنْسَانَ اِنْ لَّمْ يَسْعَ فِيْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ صَدَقَةُا لُقَرِيْبِ بِاا لْاِيْمَانِ لَا يَكُوْنُ لَهٗ صَدَقَتُهٗ فَلَيْسَ لَهٗ اِلَّا مَاسَعٰى . **ترجمہ**: اسکا جواب یہ ہے کہ اگر انسان اپنے ایمان لانے کے ذریعہ یہ کوشش نہ کرے کہ اعزاء و اقرباء کا صدقہ اس کیلئے مفید ثابت ہو تو اعزاء و اقرباء کا صدقہ مفید ثابت نہ ہوگا اسلئے کہ انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ (ایمان لانے کے ذریعہ) کوشش کرے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۶۸)

(۴) تفسیر ابوسعود میں ہے۔ وَاَمَّا شَفَاعَةُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامِ وَاِسْتِغْفَارُ الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامِ وَدُعَاءُ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتُهُمْ عَنْهُمْ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِمَّا لَا يَكَادُ يُحْصٰى مِنَ الْاُمُوْرِ النَّافِعَةِ لِلْاِنْسَانِ مَعَ اَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ عَمَلِهٖ قَطْعًا فَحَيْثُ كَانَ مَنَاطُ مَنْفَعَةِ كُلٍّ مِّنْهَا عَمَلُهُ الَّذِىْ هُوَ الْاِيْمَانُ وَالصَّلَاحُ وَلَمْ يَكُنْ شَئٌ مِّنْهَا نَفَعَ مَابِذُوْنِهٖ . **ترجمہ**:۔ بہرحال انبیاء کرام کی شفاعت، ملائکہ کا استغفار اور زندوں کی دعاء مردوں کیلئے اور زندوں کا صدقہ مردوں کی طرف سے اور انکے علاوہ بہت سے امور نافعہ جو شمار سے باہر ہیں انسان کیلئے مفید ثابت ہوں گے۔ حالانکہ وہ قطعی طور سے اس کا عمل نہیں ہیں لیکن ان امور کے نفع بخش ہونے کا مدار اس چیز پر ہے جس پر ہر عمل کے نفع بخش ہونے کا مدار ہے۔ اور وہ ہے ایمان و عقائد کی درستگی اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو (اپنا یا دوسرے کا) کسی کا بھی کوئی عمل نفع

نہیں پہنچا سکتا۔

(۵) اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں۔ وَاُجِیْبَ بِاَنَّ الْغَیْرَ لِمَانَوٰی ذٰالِکَ الْفِعْلَ لَهٗ صَارَ بِمَنْزِلَةِ الْوَکِیْلِ عَنْهُ الْقَائِمِ مَقَامَهٗ شَرْعًافَکَاَنَّهٗ بِسَعْیِهٖ. **ترجمہ**:۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب دوسرے نے وہ کام مردہ کی طرف سے کرنے کی نیت کر لی تو وہ شرعاً مردہ کے وکیل اور قائم مقام کے درجہ میں ہو گیا پس گویا یہ کام بھی اسی مردے کی سعی سے ہو رہا ہے (کیونکہ وکیل اور قائم مقام کا کام اصل میں اس کا مانا جاتا ہے جس کا یہ وکیل قائم مقام ہے) علامہ آلوسی نے اس آیت کا ایک دوسرا مطلب وہی بتایا ہے جو تفسیر ابو سعود کے حوالہ سے گزرا۔

(٦) ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں۔ وَاِسْتِدْلَالُهٗ بِقَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی مَدْفُوْعٌ بِاَنَّهٗ لَمْ یَنْفِ اِنْتِفَاعَ الرَّجُلِ بِسَعْیِ غَیْرِهٖ وَاِنَّمَانَفٰی مِلْکَهٗ بِغَیْرِسَعْیِهٖ وَبَیْنَ الْاَمْرَیْنِ فَرْقٌ بَیِّنٌ فَاَخْبَرَاللّٰهُ تَعَالٰی اَنَّهٗ لَا یَمْلِکُ اِلَّا سَعْیَهٗ وَاَمَّاسَعْیُ غَیْرِهٖ فَهُوَ مِلْکٌ لِّسَاعِیْهِ فَاِنْ شَاءَ یَبْذُلُهٗ لِغَیْرِهٖ وَاِنْ شَاءَ یُبْقِیْهِ لِنَفْسِهٖ وَهُوَسُبْحَانَهٗ لَمْ یَقُلْ لَایَنْتَفِعُ اِلَّا بِمَاسَعٰی.

ترجمہ:۔ منکرین ایصال ثواب نے آیت کریمہ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ الخ سے استدلال کیا ہے مگر ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس آیت میں کہیں پر موجود نہیں کہ ایک آدمی کی سعی اور کوشش دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتی، بلکہ آیت میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی کوشش (یعنی عمل) کا مالک نہیں صرف اپنے عمل کا مالک ہے اس بات اور پہلی والی بات میں بہت بڑا فرق ہے۔

پس اللہ تعالی نے آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنی سعی و کوشش (یعنی عمل) کا مالک ہے دوسرا ہے اب وہ چاہے تو اپنی کوشش (عمل) کو غیر کو دیدے یا اپنے لئے باقی رکھے۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ انسان کے انتفاع کیلئے بس وہی ہے جس کی وہ کوشش کرے (یعنی نفع اٹھانے کی نفی نہیں مالک ہونیکی نفی ہے)

ایک کے عمل کا دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی دلیل

(۱) سورۂ طور میں ایک جگہ یہ بتاتے ہوئے کہ نیک لوگوں کی اولاد، اگر ان کی پیرو و متبع ہو تو اگر چہ وہ ان سے عمل میں کچھ کم ہی ہوں مگر اپنے آباء و اجداد کے نیک اعمال کی بدولت، ان کی عزت افزائی کے بطور، جنت میں انہیں لوگوں کا درجہ پائے گی۔ ارشاد باری ہے۔ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ۔ **ترجمہ**:۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکی اولاد نے ایمان میں انکی پیروی کی پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو، اور نہیں گھٹایا ہم نے انکے عمل میں سے کچھ۔ یعنی یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اولاد کو آباء و اجداد والا درجہ دے دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہی ہوگا کہ آباء و اجداد کی کچھ نیکیاں کاٹ کر اولاد کو دی گئی ہوں گی۔ اس شبہ کا ازالہ اللہ تعالی نے وَمَا اَلَتْنَاهُمْ

مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ سے کر دیا کہ آباء واجداد کی نیکیوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اولاد کو آباء واجداد والا درجہ ، مالک ارض وسماء کے بے پایاں فضل وکرم کا نتیجہ ہوگا۔

بہر حال اس آیت کریمہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہیکہ ایک آدمی کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے، اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک کی نیکی کا دوسرے کو فائدہ پہنچنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کو نفع پہنچایا جارہا ہے وہ فوت ہو چکا ہو، بلکہ زندہ آدمی زندہ کو بھی اپنی نیکی کا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ زندہ کو بھی ثواب بخش سکتا ہے۔

(۲) **وَالَّذِيۡنَ جَاءُوۡامِنۡ بَعۡدِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَااغۡفِرۡلَنَاوَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَابِالۡاِيۡمَانِ** ۔**ترجمہ**:۔ اور وہ لوگ جو کہ ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئیں اور یوں دعاء کریں اے ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں (انصار ومہاجرین) کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

(۳) حضور ﷺ کی دعائے مغفرت امتی کے لئے :۔ حضور ﷺ کی دعائے مغفرت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔ **وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ** . آپ ان کیلئے دعا کیجئے آپ کی دعا ان کی تسکین خاطر کا سبب ہے۔ تسکین خاطر کا مطلب ہی یہی ہے کہ حضور ﷺ جس مومن کیلئے دعائے مغفرت کر دیتے تھے اسکی مغفرت ہو جاتی تھی ورنہ اگر مغفرت نہ ہوتی تو تسکین ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس مصیبت میں آدمی گرفتار ہے اگر اس سے نجات نہ ملے تو تسکین خاطر کیسا؟

(۴) حضور ﷺ کا نماز جنازہ پڑھ دینا چونکہ مسلمان میت کیلئے مغفرت کا ذریعہ بن جایا کرتا تھا اسی لئے حضور ﷺ کے سامنے جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ دریافت فرماتے کہ یہ قرض دار تو نہیں ہے؟ اگر قرض نہ ہوتا تو آپ نماز جنازہ پڑھتے ! اگر قرض دار ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے فرما دیتے کہ تم لوگ نماز جنازہ پڑھ دو۔ میں نہیں پڑھوں گا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا اس قرض دار میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتا تب حضور ﷺ نماز جنازہ پڑھا دیتے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عَنۡ سَلَمَةَ بۡنِ الۡاَکۡوَعِ قَالَ کُنَّاجُلُوۡسًاعِنۡدَ النَّبِيِّ ﷺ اِذۡاُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوۡاصَلِّ عَلَيۡهَافَقَالَ هَلۡ عَلَيۡهِ دَيۡنٌ فَقَالُوۡالَا قَالَ فَهَلۡ تَرَکَ شَيۡئًاقَالُوۡالَا فَصَلّٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ اُتِيَ ۔بِجَنَازَةٍ اُخۡرٰى فَقَالُوۡايَارَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ صَلِّ عَلَيۡهَاقَالَ هَلۡ عَلَيۡهِ دَيۡنٌ قِيۡلَ نَعَمۡ قَالَ هَلۡ تَرَکَ شَيۡئًا قَالُوۡا ثَلَاثَةَ دَنَانِيۡرَفَصَلّٰى عَلَيۡهَا ثُمَّ اُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالُوۡاصَلِّ عَلَيۡهَاقَالَ هَلۡ تَرَکَ شَيۡئًا قَالُوۡا لَا قَالَ فَهَلۡ عَلَيۡهِ دَيۡنٌ قَالُوۡا ثَلَاثَةُدَنَانِيۡرَقَالَ صَلُّوۡاعَلٰى صَاحِبِکُمۡ قَالَ اَبُوۡقَتَادَةَ صَلِّ عَلَيۡهِ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَعَلَيَّ دَيۡنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيۡهِ . **ترجمہ**:۔ حضرت سلمہ ابن اکوعؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ دیجئے۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں، پھر حضور ﷺ نے دریافت کیا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، اسکے بعد حضور ﷺ نے اسکی نماز جنازہ پڑھی۔ اسکے بعد

پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو اسکے متعلق بھی حضور ﷺ نے وہی سوالات کئے، لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرض ہے اور اس نے تین دینار چھوڑے ہیں، حضور ﷺ نے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی، اسی دوران تیسرا جنازہ لایا گیا۔ حضور ﷺ نے اسکے متعلق بھی یہی دونوں سوالات کئے، لوگوں نے بتایا کہ وہ تین دینار کا قرض دار ہے اور مال کچھ بھی نہیں چھوڑا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ہی لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، حضرت قتادہؓ نے عرض کیا حضور ﷺ اسکے قرض کا میں ذمہ دار ہوں نماز جنازہ پڑھا دیجئے تب حضور ﷺ نے پڑھائی (بخاری بَابُ اذا احا ل دین المیت علیٰ رجل جا ز ج۱ص۳۰۵)

احادیث میں کثرت کے ساتھ صدقہ، حج بدل، قربانی، نفلی نماز وروزہ، دعا واستغفار وغیرہ کا ثواب پہنچنا منقول ہے

مردہ کیلئے صدقہ وخیرات

مردہ کی طرف سے اگر صدقہ وخیرات کیا جائے تو اسے اسکا ثواب پہنچتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَابْنَ عُبَادَۃَتُوُفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُوَغَائِبٌ عَنْھَافَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْھَافَھَلْ یَنْفَعُھَاشَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَاقَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَۃٌعَلَیْھَا۔ **ترجمہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انکی غیر موجودگی میں انتقال ہوگیا حضرت سعدؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، کیا اگر میں ان کیطرف سے کوئی چیز صدقہ کردوں تو انہیں اسکا فائدہ پہنچے گا، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا کہ حضور آپ گواہ رہئے کہ میں نے اپنا باغ ان پر صدقہ کردیا۔

(بخاری بَابُ اذا قال ارضی او بستانی صدقة لله عن امی فھو جائز وان لم یبین لمن ذالک ج۱ص۳۸۶)

عَنْ عَائِشَۃَؓ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُھَا وَلَمْ تُوْصِ وَاَظُنُّھَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ اَفَلَھَا اَجْرٌاِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْھَاقَالَ نَعَمْ. **ترجمہ**:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا اور وہ کوئی وصیت نہیں کرسکیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ ضرور کرتیں تو کیا انہیں ثواب ملیگا اگر میں انکی طرف سے صدقہ کردوں، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم بَابُ وصول ثواب الصدقات الی المیت ج۲ص۴۱)

مردہ کیلئے قربانی

امام ابوداؤد نے ابوداؤد شریف میں ایک عنوان قائم کیا ہے بَابُ الْاُضْحِیَّۃِ عَنِ الْمَیِّتِ (مردہ کی طرف سے قربانی کا بیان) اس عنوان کے تحت درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

عَنْ حَنَشٍؒ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ فَقُلْتُ مَاھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَوْصَانِیْ اَنْ

اُضَحِّیَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّیْ عَنْهُ. **ترجمه**:۔ حضرت حنشؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ دو مینڈھوں کی قربانی کر رہے تھے میں نے کہا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اسکی وصیت کی ہے کہ میں انکی طرف سے قربانی کردوں۔ (ابوداوٗد بَابُ الْاُ ضْحِيَّةِ عَنِ الْمَيِّت ج۲ ص۳۸۵)

مردہ کا حج بدل

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ امْرَئَةً مِّنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ اَدْرَكَتْهُ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ فِی الْحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّسْتَوِیَ عَلٰی ظَهْرِ الْبَعِيْرِ قَالَ حُجِّیْ عَنْهُ **ترجمه**: حضرت فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن وہ اتنے بوڑھے ہیں کہ سواری پر بھی اچھی طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم ان کی طرف سے حج کرو۔

(ترمذی باب ما جاء فی الحج عن الشیخ الکبیر و المیت ج۱ ص۱۱۲)

مردہ کیلئے دعاء واستغفار

مردہ کیلئے دعاء واستغفار کے متعلق بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاالْمَيِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ اَبٍ وَّاُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَيُدْخِلُ عَلٰی اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ اَلْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ ۔ **ترجمه**:۔ عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قبر میں مردہ کی مثال ڈوبتے ہوئے فریادی کے مانند ہوتی ہے، وہ ان دعاؤں کا منتظر رہتا ہے جو اسے اسکے باپ، ماں، بھائی، دوست (یا کسی بھی عزیز) کی طرف سے پہنچے۔ جب وہ دعا اسکے پاس پہنچتی ہے تو وہ اسکے نزدیک دنیا و مافیھا سے محبوب تر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی اہل قبور کو زمین والوں کی دعاؤں کی بدولت پہاڑوں کے مانند ثواب عطاء فرماتا ہے۔ مردوں کیلئے زندوں کا ہدیہ ان کے حق میں استغفار ہے۔ (مشکوۃ ج۱ ص۲۰۶)

احادیث سے ثابت ہوتا ہیکہ دعا واستغفار وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ (مشکوۃ باب الاستغفار و التوبۃ ج۱ ص۲۰۶)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ اِقْرَءُ وْاعِنْدَ رَاْسِیْ اَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتَمَتِهَا فَاِنِّیْ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ ذَالِكَ. **ترجمه**:۔ حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد علاء بن لجلاج سے نقل کرتے ہیکہ حضرت لجلاج نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیتیں پڑھو اسلئے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اسکے استحباب کے قائل تھے۔ (الطبرانی فی الکبیر ج۹ ص۲۲۱ حدیث ۴۰۱،

مجمع الزوائد، کتاب الجنا ئز، باب ما یقول عند ادخال ا لمیت القبر ج۳ص۴۴)

احادیث سے ثابت ہوتا ہیکہ دعا واستغفار، نفلی نماز وروزہ، صدقہ، قربانی، حج بدل، وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ حَسَنَاتُهٗ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ اَوْوَلَدًا صَالِحًا تَرَکَهٗ اَوْمُصْحَفًا وَّرَّثَهٗ اَوْمَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْبَیْتًا لِاِبْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْنَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْصَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَّالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ یَلْحَقُهٗ مِنْ بَّعْدِ مَوْتِهٖ. **ترجمہ**:۔ حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کو مرنے کے بعد اسکے عمل میں سے جن کا ثواب ملتا ہے وہ علم ہے جس کو دوسروں کو سکھلایا ہو اور اسکی اشاعت کی ہو یا وہ نیک اولاد ہے جس کو وہ چھوڑ گیا ہو۔ یا وہ قرآن کریم ہے جسکا اس نے وارث بنایا ہو یا وہ مسجد جس کو اس نے تعمیر کیا ہو یا کوئی سرائے مسافروں کیلئے بنوادیا ہو یا کوئی نہر جاری کرادی ہو یا اپنی صحت وحیات میں اپنے مال میں سے صدقہ کرگیا ہو۔ (ابن ماجہ باب ثواب معلم ا لناس الخیر ص۲۱)

ایصال ثواب کی حیثیت: مردے کے فائدے کیلئے کوئی نیک کام کرنا مستحب ہے۔ یہ فرض اور واجب نہیں، لازمی اور ضروری نہیں، اگر اپنے مردہ سے محبت ہے تو ایصال ثواب کرے نہیں چاہتا نہ کرے۔ ایصال ثواب بھی ایک مستحب عمل ہے۔ اسکی حیثیت بھی بالکل وہی ہے، اس کے نہ کرنے والے کو غلط کار نہیں کہا جا سکتا، لیکن اسکی شرعی حیثیت سے ہی انکار کرنیکی گنجائش نہیں دی جاسکتی۔

ایصال ثواب کا منکر کون؟:۔ ایصال ثواب کی مختلف صورتیں ھیں۔ ان میں سے کچھ اتفاقی ہیں کچھ اختلافی۔ مگر فی نفسہ ایصال ثواب کے جواز واستحباب میں اہلسنت والجماعت کے کسی فرقہ یا ائمہ مجتھدین میں سے کسی امام کا اختلاف نہیں۔ البتہ ایک گمراہ فرقہ ،،معتزلہ،، ضرور اسکا قائل ہے کہ ایصال ثواب سرے سے جائز ہی نہیں۔ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ھیں۔

وَمِنْهَا دُعَاءُ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتُهُمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَّهُمْ فِیْ عُلُوِّ الْحَالَاتِ خِلَافًا لِّلْمُعْتَزِلَةِ.

ترجمہ:۔ اہل سنت کے عقائد میں سے ہیکہ زندوں کی دعا مردوں کیلئے اور ان کا صدقہ مردوں کیلئے نفع بخش اور بلندئ درجات کا سبب ہے لیکن اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۵۵)

وَذَهَبَ بَعْضُ اَهْلِ الْبِدَعِ مِنْ اَهْلِ الْکَلَامِ اِلٰی عَدَمِ وُصُوْلِ شَیْءٍ اَلْبَتَّةَ لَا الدُّعَاءِ وَغَیْرِهٖ.

ترجمہ:۔ متکلمین میں سے بعض اہل بدعت اسبات کے قائل ہے کہ مردے کو کچھ نہیں پہنچتا نہ دعا نہ کوئی اور چیز۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۵۷) جب احادیث سے ثابت ہوتا ہیکہ دعا، استغفار، نفلی نماز وروزہ، صدقہ، حج بدل، قربانی وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے تو تلاوت قرآن کا پہنچنے سے کیا مانع ہے۔ مانع ان مذکورہ اعمال کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ اِقْرَءُوْا عِنْدَ رَاْسِیْ اَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتَهَا فَاِنِّیْ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یَسْتَحِبُّ ذَالِکَ **ترجمہ**:۔ حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد علاء بن لجلاج سے نقل

کرتے ہے کہ حضرت لجلاج نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیتیں پڑھو اسلئے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اسکے استحباب کے قائل تھے۔ (الطبرانی فی الکبیر ج۹ ص۲۲۱ حدیث ۴۰۱، مجمع الزوائد، **کتاب الجنائز، باب ما یقول عند ادخال المیت** ج۳ ص۴۴) نماز جنازہ میں غیر مقلدین کا سورۂ فاتحہ پڑھنے کا فائدہ۔

عَنْ مَعْقَلِ بْنِ یَسَارٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِقْرَءُ وْا یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ. ترجمه: ۔حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردے کے پاس سورۂ یاسین پڑھا کرو۔ (**ابوداؤد الجنائز باب القراءۃ عند المیت** ج۲ ص۴۴۵، ابن ماجہ **بَابُ مَا جَاءَ مَا یُقَالُ عِنْدَ الْمَوْت** ج۱ ص۱۰۴)

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، اور دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ایصال ثواب ہوتا ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک میت کو صرف دعا اور صدقات کا ثواب پہنچتا ہے اور دیگر ثواب نہیں پہنچتا۔ جب کہ امام شافعیؒ کے بعد خود ان کے مسلک کے محققین علماء مذکورہ دیگر ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں،، آپ کے مسائل اور انکا حل،، مولف حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کے فتویٰ سے کچھ حصہ نقل کرنا بہتر ہے۔

’’امام شافعیؒ کے نزدیک میت کو صرف دعا اور صدقات کا ثواب پہنچتا ہے۔ تلاوت قرآن اور دیگر بدنی عبادات کا ثواب نہیں پہنچتا۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر نفلی عبادت کا ثواب میت کو بخشا جا سکتا ہے۔ مثلاً نفلی نماز، روزہ، صدقہ، حج، دعا و استغفار، ذکر، تسبیح، درود شریف، تلاوت قرآن وغیرہ۔ حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ شافعی مذہب کے محققین نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے، اسلئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب مرحومین کو پہنچایا جا تا رہے مثلاً قربانی کے دنوں میں اگر آپ کے گنجائش ہو تو مرحوم والدین یا اپنے دوسرے بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرتے رہیں۔ بہت سے اکابر کا معمول ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتے ہیں اسی طرح نفلی حج وعمرہ بھی کیا جائے۔ ہم لوگ چند روز مردہ پر رو پیٹ کر ان کو بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں میت کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو وہ چاروں طرف سے ایصال ثواب کی منتظر رہتی ہے۔ اور جب اسے صدقہ وخیرات وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے تو اسے اتنی خوشی ہوتی ہے گویا اسے دنیا بھر کی دولت مل گئی۔‘‘

غرض ایصال ثواب ہوتا ہے۔ نفلی نماز، روزہ صدقہ، حج وعمرہ، قربانی، دعا و استغفار، ذکر، تسبیح، درود شریف کی طرح تلاوت قرآن کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ لیکن لوگوں کو ایصال ثواب کیلئے بجبر واکراہ (زبردستی) جمع کرنا اور اسکا اعلان اور اس قسم کی دیگر رسوم سے پرہیز کرنا چاہئے۔ جو شخص تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچنے کا مدعی ہے اسے صحیح حدیث پیش کرنا چاہئے کہ تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ’’مسئلہ ایصال ثواب مصنف مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری)

مراجعات

نمبر شمار	اسمائے کتب (ایڈیشن)	مصنف	مکتبہ
۱			
۲	صحيح البخاری مع حواشی احمد علی سہارنپوری	امام محمدبن اسماعیل البخاریؒ	ناشران مختار اینڈ کمپنی دیو بند سن طباعت ۱۹۸۵ء
۳	الصحيح المسلم مع شرح کامل للنواویومع حاشیہ لامہ بی الحسن السندھی	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ	ناشران مختار اینڈ کمپنی دیو بند سن طباعت ۱۹۸۶ء
۴	جامع الترمذی (مع حاشیہ العرف الشذی وغیرہ)	الامام محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذیؒ	ناشران مختار اینڈ کمپنی دیو بند سن طباعت۱۹۸۵ء
۵	سنن ابی داؤدو مراسیل ابی داؤد	الامام سلیمان بن الاشعث ابو داؤد السجستانیؒ	دارالاشاعت اسلامیہ کلکتہ
۶	سنن نسائی (مع شرح حافظ جلال الدین سیوطی وحاشیہ الامام السندی)	الامام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحرالنسائیؒ	مختار اینڈ کمپنی دیو بند
۷	سنن ابن ماجه (مع حاشیہ مصباح الزجاجہ)	حافظ ابو عبد الله بن یزید الرِّبْعِیُ ابن ماجه القزوینی	مکتبہ رشیدیہ دھلی
۸			
۹	اعلاء السنن (مع التعليق عبد الفتاح ابو غدة)	علامہ ظفراحمدعثمانی تھانویؒ	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۱۰	نصب الرایہ (طبع ثانی ۱۴۰۸)	علامہ جمال الدین ابو محمد عبد الله بن یوسف الحنفی الزیلعی	مکتبہ المجلس العلمی ڈاھابیل سور سلسلہ نمبر ۲۱
۱۱	مصنف ابن ابی شیبہ (مع التعليق محمد عوامه) الطبعة الثانية ۱۴۲۸	امام ابو بکر عبد الله بن محمد بن ابی شیبہ	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۱۲	مصنف عبدالرزاق (مع التعليق حبیب الرحمن الاعظمی)	حافظ ابو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی	سلسلہ نمبر ۳۹ ادارۃ القرآن والعل کراچی پاکستان

۱۳	تهذيب التهذيب (مع التعليق مصطفیٰ عبد القا در عطاء)	احمد بن علی بن حجر العسقلا نی	دار الكتب العلميه بيروت لبنان
۱۴	ایضاح الادله (مع حاشیه جدید)	شیخ الهندمولانامحمودحسن صاحبؒ	شیخ الهنداکیڈمی دارالعلوم دیو بنا
۱۵	صلوٰۃ الرسول (مع تخریج وتعلیق)	حضرت مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹیؒ	منزه پبلیکیشنز دهلی طبع دوم ۹۳
۱۶	دین کے بنیادی مسائل حدیث کی روشنی میں	مولانا مفتی محمد آزاد بیگ قاسمیؒ	مکتبه الحق ماڈرن ڈیری جو نمبر ۱۰۲
۱۷	تجلیات صفدر	مولانا امین صفدر صاحب اوکاڑویؒ	مکتبه مدنیه ،سفید مسجد س اوّل ۲۰۰۱ء
۱۸	آثارالسنن (مع التعليق الحسن)	محمدبن علی النیمویؒ	المكتبه المدنيه ديوبند طبع اوّل ۳
۱۹	احسن الکلام فی ترک القرأۃ خلف الامام	حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ	مکتبہ علمیہ سہارنپور
۲۰	رکعات تراویح	محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ	مرکز تحقیقات وخدماتِ علمیہ مئوناتھ بھنجن
۲۱	احکام الدعاء والوسیلہ	حضرت مولانا محمد زید صاحب مظاہری ندوی	ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ
۲۲	مسئلہ ایصال ثواب	مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری	مکتبہ صداقت نوادہ مبارک پور
۲۳	نصرۃ الحدیث	محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ	دار المآثر الاسلامیہ مئوناتھ بھنجن
۲۴	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبۂ رحیمیہ راندیر سورت
۲۵	عورتوں کا طریقۂ نماز (اہم فتویٰ)	مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی	دار الافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیلؒ
۲۶	نماز احناف (۲۰۰۱ء)	مفتی حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی الہ آبادی	مکتبہ رحمانیہ محلہ اعظم پور قصبہ مئو آئمہ ضلع الہ آ
۲۷	اختلافِ امت صراطِ مستقیم	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	مکتبہ رشیدیہ سہارنپور و مکتبہ مدنیہ دیوبند

اور دیگر بہت سی کتابوں ورسائل کی مراجعت سے